قرآن، حدیث اور تاریخ

کی

مثالی خواتین



مترجم
نثار احمد زینپوری

مؤلف
ڈاکٹر احمد بہشتی

قرآن، حدیث اور تاریخ

کی

مثالی خواتین

مؤلف

ڈاکٹر احمد بہشتی

مترجم

نثار احمد زینپوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۵۲ بهشتی، احمد، ۱۳۱۴

[درسهائی از زندگانی زنان نامدار در قرآن، حدیث و تاریخ اردو]/ احمد بهشتی؛ ترجمه نثار احمد زینپوری۔ قم:انتشارات انصاریان، ۱۹۹۹م = ۱۳۷۸ھ .

۶۰۰ ص.

شابک: ۰-۰۹۴-۴۳۸-۹۶۴

عنوان روی جلد: قرآن، حدیث اور تاریخ کی مثالی خواتین.

کتابنامه.

۱. زنان مقدس اسلام. ۲. زنان مسلمان.

الف. عنوان. ب. عنوان: زنان نامدار در قرآن، حدیث و تاریخ.

BP۵۲/ب۹د۴ ۲۹۷/۹۷

کتاب کانام: .... مثالی خواتین

مؤلف: .... ڈاکٹر احمد بهشتی

مترجم: .... نثار احمد زینپوری

ناشر: .... انصاریان پبلیکیشنز ۔ قم

خطاط: .... ابو روح اللہ رضوی کشمیری

طبع اول: .... ۱۹۹۹ ۔ ۱۴۲۰

مطبع: .... صدر ۔ قم

تعداد: ۲۰۰۰

شابک ۰-۰۹۴-۴۳۸-۹۶۴

ISBN 964-438-094-0

انصاریان پبلیکیشنز

پوسٹ بکس نمبر ۱۸۷

قم ۔ جمهوری اسلامی ایران ۔ ٹیلی فون نمبر: ۷۴۱۷۴۴

فہرست

مسلمانوں کی اصلاح کے لئے۔

جب ام سلمہ نے یہ محسوس کیا کہ عائشہ اپنا ارادہ ملتوی نہیں کرے گی تو انہوں نے دوسرا طریقہ اختیار کیا اور مہاجرین و انصار سے کہا:

عثمان تمہاری آنکھوں کے سامنے مارے گئے ہیں۔ جیسا کہ تم جانتے ہو طلحہ و زبیر نے — لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکایا اور جب انہوں نے انھیں قتل کر دیا — علیؑ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اب عثمان کا قصاص لینے کے بہانہ سے شورش کرنا چاہتے ہیں، رسولؐ کی زوجہ کو بھی اپنے ہمراہ لے گئے۔ پیغمبرؐ خدا کا تمام ازواج کے ساتھ ایک عہد ہے اور وہ یہ کہ ازواج گھر سے باہر نہ نکلیں اگر عائشہ کے پاس اس کے علاوہ کوئی عہد ہے تو اسے نکال کر ہمیں دکھائے۔ لوگو! خدا سے ڈرو! میں تم سے تقویٰ اور اتحاد کی درخواست کرتی ہوں۔

دوسری یا تیسری بار عائشہ کو نصیحت کرنے کے لئے ایک آدمی کے ذریعہ عائشہ کے پاس پیغام بھیجا:

میں نے تمہیں نصیحت کی، تم نے کان نہ دھرے۔ عثمان کے بارے میں جو تمہارا خیال ہے، ٹھیک نہیں ہے لیکن اگر عثمان تم سے پانی کا جام مانگتے تو تم وہ بھی انھیں نہ دیتی، لیکن آج تم ان کی مظلومیت پر مگرمچھ کے آنسو بہا رہی ہو۔ اصل میں سب سے بہترین انسان کے خلاف لوگوں کو بھڑکانا چاہتی ہو۔ خدا سے ڈرو اور خود کو اس کے غضب کا نشانہ نہ بناؤ! عائشہ نے جواب دیا:

عثمان کے سلسلہ میں تو خون خواہی کے علاوہ چارۂ کار نہیں ہے۔ علیؑ سے متعلق میں اپنا نظریہ آپ کے سامنے بیان کر چکی ہوں وہ خلافت کو شوریٰ کے سپرد کر دیں۔ اگر میری بات قبول نہیں کریں گے تو میں ان کی پیشانی پر تلوار مارونگی

یہاں تک کہ خدا ہمارے درمیان فیصلہ کرے۔

عائشہ کے اس جواب سے ام سلمہ مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں بہت پریشان ہوئیں، عائشہ کی راہنمائی کرنے اور انہیں سمجھانے کے سلسلہ میں وہ اپنی ساری کوششیں کر چکی ہیں، لیکن کوئی نتیجہ حاصل نہ ہوا۔ آپ کے پاس ایک اور حربہ رہ گیا تھا جو کہ آخری وقت کے لئے بچا کر رکھا تھا، اسے بروئے کار لائیں اور عائشہ سے کہلوایا:

اب میں تمہیں نصیحت نہیں کروں گی میں نے تمہیں روکنے کی بہت کوشش کی لیکن رائیگاں گئی۔ خدا کی قسم مجھے تمہارے ہلاک ہونے کا ڈر ہے۔ خدا تجھے ناکام اور فرزندِ ابو طالب کو کامیاب کرے گا۔ تھوڑے دنوں کے بعد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری باتیں صحیح تھیں۔

اس ترتیب سے رسول ص کی دو بیویوں نے دو متضاد راستوں کو طے کیا۔ ان مذاکرات کے بعد ام سلمہ نے مکہ سے حضرت علی ع کو اس طرح خط لکھا:

"طلحہ و زبیر اور ان کے گمراہ پیروکار عائشہ کو مکہ سے بصرہ لے جانا چاہتے ہیں۔ عبداللہ بن عامر بن کریز بھی ان کے ساتھ ہے ان کا دعویٰ یہ ہے کہ عثمان مظلوم مارے گئے ہیں اور وہ عثمان کا قصاص لینے کے لئے اٹھ رہے ہیں۔ خدا اپنی قدرت سے ان کے شر کو دفع کرے گا۔ اگر خدا نے ہمیں جنگ اور شورش کرنے سے منع نہ کیا ہوتا اور گھر میں بیٹھنے کا حکم نہ دیا ہوتا تو میں آپ ع کے ساتھ قیام کرتی اور آپ کی مدد کرنے سے دریغ نہ کرتی ہاں اپنے بیٹے عمر کو میں آپ کی مدد کیلئے بھیج رہی ہوں۔ بھلائی

کی طرف اس کی راہنمائی کیجئے۔"

یہ جوان حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؑ نے اس کا احترام کیا۔ پوری جنگ میں حضرت علیؑ کے ہمراہ رہا۔

روایت میں ہے کہ حرہ کے واقعہ سے ام سلمہ نے دنیا کو خیرباد کیا۔

ام المومنین ام سلمہ بامعرفت، صاحب نظر اور علیؑ کی چاہنے والی عورتوں میں سے ایک تھیں۔ جب عائشہ نے انھیں اپنے ساتھ بصرہ چلنے کی دعوت دی تو انہوں نے عائشہ کو اس حرکت سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ پر عمل کیا اور قاطع دلیلوں سے عائشہ پر ثابت کردیا کہ علی حق پر اور ان کے دشمن باطل پر ہیں۔ اس کے بعد علیؑ کو عائشہ کے ارادہ سے مطلع کیا، نیز افسوس کا اظہار کیا کہ ہمیں شورش و قیام کا حکم نہیں ہے ورنہ علیؑ کی مدد کے لئے قیام کرتی۔

لیکن اپنے بیٹے کو علیؑ کے پاس بھیجدیا تاکہ وہ آپؑ کی مدد کرے۔ وہ جانتی تھیں کہ علیؑ کے سامنے مشکلات آئیں گے اور لوگ زبان سے ایمان لائے ہیں دل سے ایمان نہیں رکھتے اور علیؑ کی حکومت کی اصلاح کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کریں گے۔

وہ جانتی تھیں کہ علیؑ کے دشمن بہت زیادہ ہیں، طمع پرور اور دنیا پرست علیؑ کے دوست نہیں ہو سکتے لیکن آخرت والے، اپنے صالح اعمال کے سبب دنیا میں بھی کامیاب ہیں اور آخرت بھی رستگار ہیں۔[۱]

۱۔ سطور مع نساء مومنات، و سفینۃ البحار، مادہ سلم

حرّہ

بعض نام ہی بعض لوگوں کی بہت سی خوبیوں کو بیان کر دیتے ہیں یہ تک انسان کے خصائص کے تشکّل میں ناموں کا اثر ہوتا ہے ۔ اسی لئے اسلام نے والدین پر فرض کیا ہے کہ وہ اپنے بچوں کے پسندیدہ اور بہترین نام رکھیں ۔ رسول اللہؐ نے برے نام والے شہروں اور لوگوں کے نام بدل دیئے تھے[۱]

حرّہ یعنی آزاد ۔ ہمارا نمونہ یہاں وہ عورت ہے کہ جس کے چال چلن اور فکر و تدبر سے آزادی آشکار ہے ۔ اگر اس مشہور جملہ ــــ الاسماء تنزل من السماء[۲] کی کوئی حقیقت ہے تو اس کا ایک مصداق "حرّہ" نام ہے اور اس بات حقیقت کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ یہ اس کے ساتھ آسمان سے نازل ہوا ہے اور الہامی طریقہ سے ان کے ماں باپ کے دل میں جاگزیں ہو گیا تھا ۔ اس یتیم بچی کو بنی ہاشم کے شریف و نجیب گھر میں ۔ یعنی حضرت محمدؐ کی تربیت و پرورش کا افتخار حاصل ہوا ۔

جی ہاں حُرّہ حلیمۂ سعدیہ کی بیٹی ، نے اسی پستان سے دودھ پیا تھا

---

۱ سفینۃ البحار ج ۱ ص ۱۶۳

۲ نامہا از آسمان نازل می شوند

اور اسی امن میں پرورش پائی تھی کہ جس سے رسولؐ نے . . .

وہ رسولؐ اسلام کی رضاعی بہن تھی اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ معاشرت و مجاورت قدرتی طور پر لوگوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔[1]

گلی خوشبوی در حمام روزی ٭ رسید از دست محبوبی بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری ٭ کہ از بوی دلاویزی تو ہستم
بگفتا من گلی ناچیز بودم ٭ ولیکن مدتی با گل نشستم
کمالِ ہمنشین در من اثر کرد ٭ دگرنہ من ہمان خاکم کہ ہستم

ایک روز میرے محبوب نے حمام میں مجھے کچھ خوشبودار مٹی لاکر دی میں نے مٹی سے کہا تو مشک ہے یا عبیر، اس نے کہا میں ناچیز مٹی ہوں لیکن ایک مدت پھولوں کی ہمنشینی میں رہی ہوں ہمنشین کے کمال سے میں بدل گئی ورنہ میں وہی خاک ہوں۔

حجاج کا نام دشنام آپ نے بہت سنا ہوگا۔ سفاکی و خونخواری میں وہ چنگیز و اسکندر کی مانند تھا، امویوں کی حکومت کی کٹھپتلی کتنے ہی حجاج اور بسر بن ارطاۃ . . . ہیں۔

بنی امیہ نے جو منحوس و تاریک ماحول پیدا کیا تھا وہ بالکل مزبلہ، گھور، کی مانند تھا کہ جہاں میکروب اور وائرس ایسے مضر جراثیم کی پرورش کے لئے کافی زمین ہموار ہوتی ہے۔ اس زمانہ میں حجاج حاکم بنتا ہے اور اتنی ہی حرائیں اور آزاد منش لوگ فراموشی کے تاریک زاویوں میں زندگی گذار رہے ہیں۔

---

[1] اصول کافی ج ۲ ص۶۳۸ اور اس کے بعد

اس ماحول میں اگر کوئی مرد یا عورت چند لمحات ہی کے لئے سہی ایسے کثیف و گندے عناصر کے غرور کو توڑ دے اور تمام خطرات سے چشم پوشی کر کے ۔ کہ شکنجہ واذیت کے بغیر موت سب سے آسان ہے ۔ حقائق کو آشکار کر دے تو اس نے بڑا کام کیا اور عظیم جہاد کیا ہے اور واقعاً وہ پرچم دار کہلانے کا مستحق ہے۔

حرہ نے حجاج کے مقابلہ میں ایسا ہی موقف اختیار کیا ۔ حجاج کے سامنے حرہ پر یہ تہمت لگائی تھی کہ وہ دیگر خلفاء پر حضرت علیؑ کو فضیلت دیتی ہیں، اسی تہمت کی بنا پر سعید بن جبیر، قنبر، عمار یاسر اور علیؑ کے محبوں کو شہید کیا گیا تھا، ان کے ہاتھ، پیر اور زبان کاٹ کر چوب دار کے سپرد کر دیا گیا تھا۔

فی الحال ہمیں نہیں معلوم کہ حرہ کو کن عوامل کی بنا پر حجاج کے دربار میں جانا پڑا ہے ۔ کیا یہ صرف ایک اتفاق ہے یا حجاج کے جاسوسوں نے جال بچھایا ہے ؟ جب یہ حجاج کی محفل میں وارد ہوئی تو اس نے پوچھا : تم سعدیہ حلیمہ کی بیٹی حرہ ہو ؟ جبکہ پہلے سے کوئی آشنائی نہیں تھی ۔ بے ایمان آدمی کے پاس ایسی فراست تعجب [1] ہے ۔

خدا تمہیں میرے سامنے لایا ۔ سنا ہے تم علیؑ کو ابو بکر و عمر اور عثمان پر ترجیح دیتی ہو، کیا یہ بات صحیح ہے ؟

جس نے تم سے یہ کہا ہے کہ میں علیؑ کو صرف ان تین افراد پر ترجیح دیتی ہوں ۔ اس نے جھوٹ کہا ہے ۔ میں علیؑ کو ان کے علاوہ دوسروں پر بھی ترجیح دیتی ہوں ۔

---

[1] حدیث میں آیا ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو! کہ وہ نور خدا سے دیکھتا ہے عیون اخبار الرضا ج ۲ ص ۲۰۰

وہ کون ہیں ؟

یس علیؑ کو آدمؑ، نوحؑ، لوطؑ، ابراہیمؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ اور موسیٰؑ و عیسیٰؑ پر بھی ترجیح دیتی ہوں افسوس ہے تمہارے اوپر!

صرف رسولؐ کے بڑے صحابہ پر ہی علیؑ کو ترجیح نہیں دیتی ہو بلکہ انبیاء پر بھی انھیں ترجیح دیتی ہو -!!

اگر تم نے اپنی اس بات پر دلیل نہ پیش کی اور اسے ثابت نہ کیا تو میں تمہاری گردن ماردوں گا۔ خاموش رہو۔

ان پیغمبروں پر میں نے علیؑ کو ترجیح نہیں دی ہے بلکہ خدا نے قرآن میں انھیں ان پر ترجیح دی ہے۔ حضرت آدمؑ کے بارے میں قرآن مجید میں خدا فرماتا ہے:

وعصیٰ آدم ربہ فغویٰ (طہ/۱۲۱)

اور آدم نے اپنے رب کی نصیحت پر عمل نہ کیا تو راستہ سے ہٹ گئے

اور حضرت علیؑ کے بارے میں فرمایا:

وکان سعیکم مشکوراً (دھر/۲۲)

تمہاری سعی مشکور و مقبول ہے۔

پس قرآن مجید میں علیؑ اور آدمؑ کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہے، شاباش! حضرت نوح اور حضرت لوط پر کس دلیل سے علیؑ کو ترجیح دیتی ہو؟

خدا نے ان پر علیؑ کو فضیلت دی ہے۔

ان کی بیویوں کے بارے میں فرماتا ہے:

ضرب اللہ مثلاً للذین کفروا امراۃ نوح وامراۃ لوط

کانتا تحت عبدین من عبادنا صالحین فخانتاھما فلم یغنیا عنھما من اللہ شیئاً وقیل ادخلا النار مع الداخلین (تحریم/۱۰)

خدانے کافروں کے لئے نوح اور لوط کی عورتوں کی مثال پیش کی ہے کہ یہ دونوں ہمارے صالح و شائستہ بندوں کی زوجیت میں تھیں لیکن انہوں نے ان سے خیانت کی تو اس زوجیت نے خدا کی بارگاہ میں انھیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا اور ان سے کہا گیا کہ جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

حضرت علیؑ کی زوجہ پیغمبر اسلام کی بیٹی فاطمہ زہراؑ ہیں کہ جس کی خوشی سے خدا خوشنود ہوتا ہے اور ان کے غضب سے خدا غضبناک ہوتا ہے۔

شاباش! انبیاء کے جد حضرت ابراھیم پر کس دلیل سے علیؑ کو ترجیح دیتی ہو؟

کیونکہ قرآن میں خدا نے ترجیح دی ہے اور فرمایا ہے:

واذا قال ابراھیم ربّ ارنی کیف تحیی الموتی قال اولم تؤمن؟ قال بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی (بقرہ/۲۶۰)

اور جب ابراھیم نے کہا: پالنے والے! مجھے یہ دکھا دے کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا۔ کہا: کیا تم ایمان نہیں لائے؟ عرض کی: قلبی اطمینان حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

لیکن حضرت علیؑ نے ایسی بات کہی ہے کہ جس کے صحیح ہونے میں کسی مسلمان کو شک نہیں ہے، فرماتے ہیں:

لو کشف الغطاء ما ازددت یقینا

اگر پردے اٹھا دیئے جائیں اور تمام حقائق آشکار ہو جائیں تو بھی میرے یقین میں اضافہ نہیں ہوگا۔

ایسا دعویٰ نہ کوئی علیؑ سے پہلے کر سکا ہے اور نہ علیؑ کے بعد کسی میں ہمت ہوئی ہے۔

شاباش!

اب بتاؤ کہ موسیٰ کلیم اللہ پر علی کو کیسے ترجیح دیتی ہو؟

اس دلیل کہ موسیٰ کے بارے میں خدا فرماتا ہے:

فخرج منها خائفا یترقب (قصص/۲۱)

جب حضرت موسیٰؑ نے ایک اسرائیلی کے مدد مانگنے پر ایک فرعونی کو قتل کر دیا تو، فرعون کے آدمی حضرت موسیٰ کی جان کے درپے ہو گئے۔

موسیٰ کو جب اپنی جان کا خوف تھا اور ہر لحظہ یہ خدشہ رہتا تھا کہ فرعون کی پولیس والے نہ آجائیں اور انھیں قید نہ کر لیں۔ موسیٰؑ نے وہاں سے راہ فرار اختیار کی اور مداین پہنچے۔

لیکن جس رات میں چالیس دشمنوں نے رسول اسلام کے گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا اور یہ ارادہ کر رکھا تھا کہ اچانک آپؐ کے گھر میں داخل ہو کر رسولؐ خدا کو قتل کر دیں گے، اس رات علیؑ بستر رسول پر بے خوف لیٹے اور مہلکہ سے نجات پائی۔

اسی مناسبت سے خدا نے علیؑ کے بارے میں فرمایا تھا:

ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات الله

(بقرہ/۲۰۷)

لوگوں میں سے وہ بھی ہے جو اپنی جان کے عوض مرضی خدا کو خرید لیتا ہے۔

موسیٰؑ و علیؑ کے درمیان کتنا زیادہ فاصلہ ہے۔

شاباش!

اب بتاؤ علیؑ کو داؤد پر کیسے ترجیح دیتی ہو۔

اس کی دلیل بھی کلامِ خدا ہے۔

جب خدا کی طرف سے داؤد کو لوگوں کا راہبر مقرر کیا گیا اور ان سے کہا گیا:

یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھویٰ فیضلک عن سبیل اللہ

(ص: ۲۸)

اے داؤد ہم نے آپ کو زمین پر خلیفہ مقرر کیا ہے لہٰذا حق کے ساتھ لوگوں کے درمیان فیصلہ و حکم کیجئے ہوا و ہوس کی پیروی نہ کیجئے کہ راہ خدا سے بھٹک جاؤ گے۔

لیکن علیؑ اپنے علم و آگہی کی بنیاد پر فرماتے ہیں:

"سلونی عما فوق العرش. سلونی عما تحت العرش سلونی قبل ان تفقدونی۔"

جو کچھ عرش کے اوپر اور جو کچھ عرش کے نیچے ہے اس کے بارے میں

عرضِ ناشر

"انتشارات انصاریان" بچوں، نوجوانوں، جوانوں، عورتوں اور مردوں کیلئے حسب ضرورت چھوٹے اور بڑے سائز میں بہت سی کتابیں شائع کر چکا ہے کہ جن میں سے بعض نے مقبول عام کا درجہ حاصل کیا ہے۔ ہماری تمنا تھی کہ ایک کتاب صنف نسواں کیلئے ایسی شائع کی جائے کہ جس میں تاریخِ انسانیت کی نمونہ اور نامور عورتوں کے حالات درج ہوں تاکہ دورِ حاضر کی مسلمان عورتیں ان مثالی خواتین کو اپنا آئیڈیل بنا کر انسانیت کی زیادہ سے زیادہ خدمت کر سکیں۔

ڈاکٹر احمد بہشتی کی تالیف: "زنانِ نامدار در قرآن وحدیث و تاریخ" ایسی ہی نمونہ اور ممتاز خواتین کی داستانوں پر مشتمل ہے۔ مذکورہ ضرورت کو پورا کرنے کیلئے ہم اسکا اردو ترجمہ "قرآن، حدیث اور تاریخ کی مثالی خواتین" پیش کر رہے ہیں. امید ہے کہ نمونہ ڈھونڈنے والی مسلمان عورتیں ان شیر دلوں کی داستانوں کو پڑھ کر انھیں اپنا آئیڈیل تصوّر کریں گی اور غیروں کیلئے آئینہ قرار پائیں۔

ہماری اکثر کتابیں بحمد اللہ مقبول ہوتی ہیں مگر افسوس کہ پاکستان اور ہندوستان کے بعض کتاب فروش و ناشر حضرات اجازت کے بغیر ہماری کتابیں چھاپ لیتے ہیں جو کہ اخلاقی، شرعی اور قانونی لحاظ سے صحیح نہیں ہے۔ اب اگر کوئی ہماری کتاب کو ناشر و مترجم کی اجازت کے بغیر طبع کرے گا تو اس کے خلاف قانونی کاروائی کی جائے گی۔

ناشر

تم مجھ سے پوچھ لو، قبل اس کے کہ میں تمہارے درمیان نہ رہوں۔
واضح رہے کہ اس منصب و مرتبت کا مالک ہمیشہ حق کے مطابق عمل کرتا ہے اور ہوا و ہوس اور گمراہی سے محفوظ رہتا ہے۔
شاباش حرہ!

بتاؤ علیؑ کو سلیمان پر کس دلیل سے ترجیح دیتی ہو؟
اس کی دلیل بھی قرآن مجید سے آشکار ہو جاتی ہے:
قرآن مجید سلیمان کی زبانی نقل کرتا ہے کہ انہوں نے خدا کی بارگاہ میں عرض کی:

رب ھب لی ملکاً لا ینبغی لاحد من بعدی (ص/۳۵)
"پروردگارا! مجھے ایسی بادشاہت عطا فرما جو میرے بعد کسی کے شایان شان نہ ہو۔"
لیکن علیؑ فرماتے ہیں:
طلقتک یا دنیا ثلاثۃ لا حاجۃ لی فیک
اے دنیا! میں نے تجھے تین تین طلاق دی ہیں، مجھے تیری ضرورت نہیں۔
ان دو بلند مرتبوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔
شاباش!

بتاؤ علیؑ کو عیسیٰؑ پر کس دلیل سے ترجیح دیتی ہو؟
اس کی دلیل بھی روشن ہے:
علیؑ اور عیسیٰؑ دونوں کو گمراہ لوگوں نے خدا کہا ہے۔ علیؑ نے ایسا باطل عقیدہ رکھنے والوں کو جمع کیا اور ان کو نصیحت کی اور صحیح عقیدہ کی طرف

راہنمائی کی لیکن جب انہوں نے یہ عقیدہ نہ چھوڑا تو سب کو جلا دیا۔ یہ نصیری تھے۔

لیکن عیسیٰ کے بارے میں قرآن مجید کہتا ہے:

اذ قال اللہ یا عیسیٰ بن مریم، انت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللہ قال سبحانک مایکون لی ان اقول مالیس لی بحق ان کنت قلتہ فقد علمتہ تعلم مافی نفسی ولا اعلم مافی نفسک انک علاّم الغیوب. ماقلت لھم الا ماامرتنی بہ ... (مائدہ/ ۱۱۶)

خدا نے فرمایا: اے عیسیٰ! کیا آپ نے لوگوں سے کہا کہ وہ آپ اور آپ کی والدہ کو خدا کہیں؟ کہا: تو پاک و پاکیزہ ہے۔ میں وہ بات کیسے کہہ سکتا ہوں جس کا مجھے حق نہیں ہے۔ اگر میں نے کہا ہوتا تو تیرے علم میں ہوتا۔ تو میرے دل کے بھید سے واقف ہے۔ لیکن میں اسرار سے واقف نہیں ہوں تو سارے غیبی امور کا جاننے والا ہے۔ میں نے ان سے وہی کہا ہے جس کا تو نے مجھے حکم دیا ہے۔

اس طرح حرّہ نے اپنی عجیب روحانی طاقت اور اسلام و قرآن کے معارف سے آگہی کے ذریعہ حجاج کو ذلیل کر دیا اور چند لمحوں میں اس کے غرور کو توڑ دیا اور خطرہ سے نجات پائی[1]

---

[1] بحار الانوار طبع قدیم ج ۱۱ ص ۳۹

فاطمہ امین اصفہانی

جس خاتون کے کمالات و فضائل ہم قارئین کے سامنے پیش کر رہے ہیں وہ ہمارے ہی زمانہ میں زندگی گذار رہی ہیں یہ ان عورتوں کے لئے بہت سی خوبیوں میں نمونہ اور آئیڈیل بن سکتی ہیں جو یہ گمان کرتی ہیں کہ ہمارے زمانہ میں ایک مسلمان ہر لحاظ سے کامل نہیں ہو سکتا۔

جب اس خاتون سے ان کی زندگی اور تعلیم کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے، تو نہایت ہی سادگی سے جواب دیتی ہیں: میری زندگی بہت سادہ ہے۔ اس میں کوئی بہت اہم حادثہ رونما نہیں ہوا ہے۔ پندرہ سال کی عمر میں میری شادی ہوگی اور میں امور خانہ داری اور بچوں کے مسائل میں مشغول ہو گئی۔ البتہ کتاب خوانی اور مطالعہ کا شوق مجھے بچپنے ہی سے تھا، مگر ہر کتاب کا مطالعہ نہیں کرتی تھی بلکہ ہر اس کتاب کو پڑھتی تھی جس میں معنوی باتیں زیادہ ہوتی تھیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں اپنے ہم سن بچوں کے ساتھ زندگی گذرتی تھی۔ اس وقت بھی ان کے ساتھ یا کسی اور کے ساتھ تفریح و سیر کے لئے نہیں جاتی تھی۔ بلکہ مجھے تنہا اور تنہائی میں غور و فکر کرنے کا شوق تھا۔ کیونکہ میری گم شدہ چیز خود میرے وجود میں موجود تھی۔ اگر عام مجلسوں میں بھی جاتی تھی تو وہاں بھی اس بات کا خیال رکھتی تھی کہ جادۂ شریعت سے قدم نہ ہٹ جاتے۔ علوم میں مجھے خداشناسی اور

اس سے مربوط علوم سے زیادہ شغف تھا، ہمیشہ ایک حقیقت کی تلاش میں رہتی تھی یہاں تک کہ میں نے عربی زبان سیکھنے کا عزم کیا۔ ہو سکتا ہے اسی راہ سے مجھے گمشدہ مل جائے اور میں خدا سے نزدیک ہو جاؤں۔ گیارہ، بارہ سال تک عربی کی تعلیم حاصل کی، لیکن ہمیشہ خدا کا لطف میرے شامل حال رہا چنانچہ مجھے تعلیمی زمانہ میں بھی اچھے اور نورانی حالات میسر آتے تھے، یہاں تک کہ میں نے کتاب "اربعین" تألیف کی۔ جب نجف کے علماء کو اس کتاب کی اطلاع ملی تو انہوں نے تحریری طور پر مجھ سے فقہ سے متعلق کچھ سوالات کئے، اور جب میں نے سب کے جواب دیدیے تو انہوں نے مجھے اجازۂ اجتہاد عطا کیا۔ اس کے بعد بھی میرا تألیفی کام جاری رہا۔ یہاں تک کہ "مخزن اللئالی"، "سیر وسلوک"، "معاد"، "روش خوشبختی"، "اخلاق اور تفسیر" "مخزن العرفان" ایسی کتابیں تألیف کیں۔

اس اہم عصر عظیم عورت کی خوبیاں ہمارے لئے اس وقت بخوبی روشن ہوتی ہیں کہ جب یہ دیکھتے ہیں کہ انہوں نے تمام محدودیتوں اور پیش آنے والے اعتراضات کے باوجود ترقی کا بلند ترین درجہ حاصل کیا ہے۔

اس عورت کے افکار اچھوتے اور بڑے قیمتی ہیں اکثر علوم اساتذہ سے حاصل نہیں کئے ہیں بلکہ صفائے باطن، روحی و اخلاقی پاکیزگی کے نتیجہ میں خدا کے الہام کے ذریعہ حاصل کئے ہیں۔ اس کے باوجود ان کا نظریہ ہے کہ انسان کو شروع میں دانشور اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنا چاہئے اور پھر عمل ـــ یعنی واجبات کی بجا آوری اور محرمات سے چشم پوشی ـــ کے ذریعہ کمال کے مدارج طے کرنا چاہئے۔

مردوں کو کلی طور پر تمام عورتوں پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ کیونکہ

فاطمہؑ، خدیجہؑ و مریم اور بہت سی عورتیں ایسی ہیں جو بہت سے مردوں سے افضل و برتر ہیں۔ خدا نے مردوں کو جو بعض مسائل میں فوقیت دی ہے تو یہ کلی سے کلی کا مسئلہ ہے، فرد بہ فرد نہیں ہے۔ اسلام میں عورتوں کے لئے جو منقصت بیان ہوئی ہے وہ صرف ایک آیت میں بیان ہوئی ہے۔ اگر یہ جج بنا دی جائے تو صحیح فیصلہ کرنے سے قاصر رہے گی اور دشمنیوں کو ختم نہیں کرا سکے گی۔

عورت کا دوسرا نقص یہ ہے کہ اس میں جلوہ گری اور خود نمائی کا جذبہ ہوتا ہے۔ نفسانی کمالات کی طرف کم توجہ دیتی ہے۔ ایک جذبہ ہے جو خدا نے اس کے اندر رکھا ہے اور پردہ کی حکمت بھی یہی ہے۔ لیکن یہ کلی ہے اور یہ کلی تمام عورتوں پر صادق نہیں آتی ہے۔ بعض عورتیں ہیں کہ جو ان حالات سے مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً بعض عورتیں ایسی بھی مل سکتی ہیں جو فسخ خصومات اور قضاوت کر سکتی ہیں۔ لیکن دوسروں کے لئے خودنمائی والے جذبہ سے مقابلہ کرنا ضروری ہے کیونکہ اگر اس جذبہ کا گلا نہیں گھونٹیں گی تو راہ راست سے بھٹک جائیں گی۔ عورتوں کے اندر اس صفت کا فلسفہ یہ ہے کہ انکی طرف مرد راغب ہوں۔ ان سے شادیاں کریں اور نتیجہ میں زیادہ نسل پھیلے اور عورتیں مردوں کی سرپرستی میں زندگی گذاریں۔ میری نظر میں عورتوں کا بہترین جہاد یہ ہے کہ وہ زر و زیور اور فیشنی لباس پہننے والے جذبہ سے جہاد کریں تاکہ انسانی کمالات حاصل کر سکیں۔

فاطمہ ابن اصفہانی کا نظریہ ہے کہ عورت کو اپنی جسمی سعادت کی

بھی فکر کرنا چاہئیے اور روحی سعادت کی بھی عورت کی بہترین صفت عصمت وعفت ہے اور مرد کی بہترین صفت شجاعت ہے۔

عورت کی تعلیم کے سلسلہ میں ان کا نظریہ ہے کہ عورت علم حاصل کر سکتی ہے اور کرنا چاہئیے لیکن تحصیل علم کو بے پردگی کا بہانہ نہیں بنا سکتی کیونکہ پردہ کو چاک کرنا ایسا ہی ہے جیسے قرآن کے اوراق کو پارہ پارہ کرنا

دلیل: کیونکہ قرآن میں پردہ کا حکم ہے اور پردہ کے حکم کو پامال کرنا یعنی قرآن کو پامال کرنا ہے۔ واضح ہے کہ قرآن پر عمل کرنا مسلمان کا فریضہ ہے اور اسی میں اس کی سعادت ہے۔

فاطمہ امین اصفہانی کا نظریہ ہے کہ انسان خود راہ سعادت کو نہیں پہچان سکتا۔ اس سلسلہ میں حکیم فیثا غورث کے قول پر اعتماد کرتی ہیں: بہت کم لوگ اپنی سعادت و خوش بختی کی راہ کو پہچانتے ہیں۔ اکثر ہوا و ہوس کا کھلونا بنے رہتے ہیں اور ناپیدا کنار دریا میں گھومتے رہتے ہیں۔ ان کی مثال ان اندھوں کی سی ہے جو نہ طوفان کی سمت اختیار کرتے ہیں اور نہ اس کا مقابلہ کر پاتے ہیں۔

یہ خاتون تمام عورتوں کو نصیحت کرتی ہے کہ مکر و حسد سے بچیں اور جیسے بھی ممکن ہو ان سے دور رہیں۔ مؤلف نے اکثر مسلمان عورتوں کو امین اصفہانی سے متعارف کرانے کی غرض سے ان سے درخواست کی کہ اپنی زندگی اور دینی و علمی فعالیت کے متعلق کچھ لکھیئے:

انہوں نے یہ درخواست قبول کر لی۔ قارئین کے لئے ہم یہاں

ان کی تحریر کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔ جناب عالی کی خدمت میں گذارش ہے کہ اول تو مجھے اپنی تاریخ پیدائش صحیح یاد نہیں ہے۔ دوسرے مجھے یہ چیز پسند نہیں ہے کہ کسی کتاب میں میری سوانح حیات لکھی جائے کیونکہ میری زندگی سادہ ہے اگر کوئی میری سوانح حیات لکھنا چاہتا ہے تو میری تالیفات لکھے۔ تالیفات یہ ہیں:

اربعین ہاشمیہ در احادیث	عربی
سیر و سلوک در روش اولیاء اللہ	فارسی
مخزن اللئالی	فارسی
معاد آخرین سیر بشر	فارسی
اخلاق ترجمہ و اقتباس از طہارۃ الاعراق ابن مسکویہ	فارسی
نفحات الرحمان	عربی
جامع الشتات	عربی
روش خوشبختی	فارسی

۱۵ جلدیں، کلام اللہ کی تفسیر۔ مخزن اللئالی

بریجیٹ ہنی برطانوی

یہ لڑکی ان افراد میں سے ایک ہے جنہوں نے تحقیق و تجزیہ کے بعد دین اسلام قبول کیا ہے۔ اسلام کے بارے میں محترمہ نے بہت سے مفید مقالات اور کتابیں لکھی ہیں۔

آج کل وہ برطانیہ کی مسلمان عورتوں کے سینٹر کی سیکریٹری ہے۔ "حضارۃ الاسلام" کے نامہ نگار نے ان سے انٹرویو لیا کہ آپ نے اسلام کیوں قبول کیا؟ بریجیٹ نے اظہار خیال کیا:

میں اس خاندان میں بڑی ہوئی ہوں جو کہ برطانیہ کے بہت سے خاندانوں کی مانند مذہب کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا ہے۔ میری ماں آزاد خیال عیسائی ہے۔ مسیحیت کے کسی فریضہ اور دستور پر عمل نہیں کرتی۔ والد کی حالت اس سے بھی بدتر ہے۔ وہ ایک لامذہب آدمی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ لامذہبیت کو بھی مذہب سمجھا جاتا ہے۔

بچپنے میں میرا داخلہ اس مدرسہ میں ہوا جو کہ کلیسا کی طرف سے اس لئے بنائے گئے تھے تاکہ وہ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ مذہب کے تناقضات کو رفع کریں اور ان میں تفاہم پیدا کریں۔ لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میرے افکار اس زمانہ میں بھی پراگندہ تھے۔ ایک طرف تو گھر میں ماں کی جو

گفتگو ہوتی تھی اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا۔ مجھے یاد نہیں ہے کہ کبھی ہمارے گھر میں ایک بار بھی خدا کا نام لیا گیا ہو۔ دوسری طرف مجھے اپنے اندر یہ محسوس ہوتا تھا کہ حقیقت کو درک کرنے والے شوق نے میرے وجود کو تسخیر کر لیا ہے اور میرے افکار اسی میں مشغول ہیں۔ لیکن مسیحیت کی ابتدائی باتوں، خصوصاً تثلیث ــــ باپ، بیٹے اور روح القدس ــــ کی پرستش۔ فدیہ۔ حضرت عیسیٰ کو دار پر لٹکانے سے گناہوں کی تلافی ہو گئی ہے۔ نے مجھے حقیقت سے کوسوں دور کر دیا۔

آخر کار اس نام نہاد مذہبی مدرسہ سے میں خارج ہو گئی۔ اس وقت میں بے دین تھی۔ فلسفہ سے بے پناہ شغف کی وجہ سے پندرہ سال کی عمر سے میں نے فلسفی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا اور اولین کتاب "فلسفۂ تابو" ایک مقدمہ پڑھی اس کے بعد بودھسٹ کے فلسفہ سے متعلق کتابیں پڑھیں اور جب میں نے کنیڈا کا سفر کیا تو وہاں ھندی فلسفہ سے آشنا ہوئی۔ بہت سی چینی اور ہندی کتابوں کا مطالعہ کیا اور ان سے کچھ بلند و عمیق مطالب حاصل کئے لیکن ان میں سے کوئی بھی میرے فکری خلاء کو پر نہ کر سکا اور میرے مذہبی احساسات کی تسکین نہ ہو سکی۔

میں نے ان تمام فلسفی مکاتب میں مشترک نقص پایا اور وہ یہ کہ ان میں آفرینش کے وسیع نظام اور فردی و اجتماعی زندگی کی ضروریات میں توازن نہیں ہے۔ بلکہ ان میں زندگی کو مہمل سمجھا اور اسے ٹھوکر ماردی گئی ہے۔۔

میں سمجھتی ہوں کہ اسی بنا پر "تابو" فلسفہ کا بانی ہمیشہ سرگرداں رہا اور ادھر ادھر بھٹکتا رہا۔ گوتم بودھ نے حقیقت کو سمجھنے کے لئے عورت اور اجتماعی

زندگی چھوڑ دی تھی۔

یہاں ہند اور چین کے فلسفہ نے آگے بڑھ کر مقررات، انسانی معاہدے اور اجتماعی زندگی کو اوہام و خیالات قرار دیا اور ان چیزوں کی حقیقت سے انکار کر دیا۔

زندگی میرے لئے ایک معمہ بن گئی تھی۔ ایک طرف ایمان و عقیدہ کے بغیر موت کو زندگی پر ترجیح دیتی دوسری طرف ان اعتقادی اصول میں سے کسی پر ایمان نہیں لا سکتی تھی۔

یہ صحیح ہے کہ حقیقت کو سمجھنے کے لئے میں نے اپنی ساری صلاحیتوں کو جمع کر لیا تھا اور اسی لئے میں نے چینی زبان سیکھنے کی زحمت برداشت کی تھی، لیکن یہ بھی اچھی طرح سمجھتی تھی کہ ابھی تک وہ حقیقت مبہم و مجہول ہے جس کی مجھے تلاش ہے، ابھی اس سے بہت دور ہوں۔

اسلام کے بارے میں بھی خاص معلومات نہیں تھیں، بہت سے مغربی لوگوں کی طرح اس مشرقی آئین سے بدظن تھی اور اسلام دشمن طاقت کے غلط پروپیگنڈوں کی وجہ سے میں اسلام کی تحقیق کے بارے میں سوچتی بھی نہیں تھی یہاں تک کہ میں نے حادثاتی طور پر مسلمان طلبہ سے رابطہ قائم کیا۔

وہ صبر و حوصلہ کے ساتھ میری باتیں سنتے اور میرے اعتراضات کا جواب دیتے تھے۔ اور اسلام سے متعلق لکھی گئی کتابیں مجھے ہدیہ کرتے تھے۔ پہلے مرحلہ میں، میں ان کا سرسری اور سطحی طور پر مطالعہ کرتی تھی۔ لیکن اچانک مجھے خیال آیا کہ کتابوں کے مواد و محتوی کی زیادہ توجہ کے ساتھ تحقیق کرنی چاہیے۔

پیش گفتار

مسلّم ہے کہ بہت سے لوگوں کی زندگی پر ہیرو اور نمونہ افراد کے کردار کا اثر ہوتا ہے۔ انسان ہمیشہ نمایاں اور ممتاز نمونوں کی تلاش میں رہتا ہے تاکہ ان کے اسلوب سے زندگی گذارے۔ یہ چیز جوانوں میں زیادہ دیکھی جاتی ہے۔ نمونہ جوئی اور ہیرو افراد کی تقلید کرنے کے سلسلہ میں جوان بہت کوشش کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ کبھی کبھی اصلی ہیرو اور حقیقی نمونہ کی بجائے جعلی ہیرو کو نمونہ سمجھ لیتے ہیں۔ فلم اسٹار اور ایکٹر — جو کہ ہمیشہ دوسروں کا کردار ادا کرتے ہیں، کبھی بھی اپنی حقیقی شخصیت کو پیش نہیں کرتے ہیں — جوانوں کو اپنا شیفتہ بنا لیتے ہیں۔ یہی لوگ جعلی و عوضی ہیرو ہیں۔

ایسے کرداروں سے متاثر ہونے میں دو نقصان ہیں، ایک یہ کہ یہ عوضی ہیرو — جہاں تک ہمیں معلوم ہے — انسانی اور اخلاقی فضیلت کا نمونہ نہیں ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ لوگ پروگرام پیش کرتے وقت اپنی واقعی شخصیت کو پیش نہیں کرتے ہیں۔

اگر ہم جوانوں سے نمونہ جوئی کے میلان ختم کرنا چاہیں تو یہ غلط ہے، اسکی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے ان سے کھانا کھانے کا میلان سلب کرلیں۔ بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس میلان کی صحیح پرورش کرکے اس سے پورا فائدہ حاصل کریں، اگر جوانوں کی اس نمونہ جوئی کی خواہش کو صحیح طریقہ سے پورا کیا جائے اور ان کے سامنے حقیقی نمونہ پیش کئے جائیں تو یہ بہترین خدمت ہوگی۔

داستان نویسی بھی جوانوں کی نمونہ جوئی کی حس کی تسکین کا باعث ہو سکتی ہے ہیرو افراد کی داستانیں جوانوں کے دل پر بہت اثر کرتی ہیں۔ لیکن افسوس کہ، بہت سے صاحبانِ قلم داستانوں کے پیرائے میں جوانوں کے سامنے عوضی ہیرو اور

جب ان کتابوں میں، مجھے کائنات اور اس کے خالق کے بارے میں فطری اور روشن دلیلوں سے یہ مطالب اور موت کے بعد زندہ ہونے کی حقیقت مجھے نظر آئی تو میری ساری توجہ اسلامی کتابوں پر مرکوز ہو گئی۔

اس کے بعد ایک مسلمان طالب علم کے ذریعہ مجھے قرآن کا انگریزی ترجمہ دستیاب ہوا۔ اب میں اپنے اندر اتنی طاقت محسوس نہیں کرتی ہوں کہ آپ کے سامنے یہ بیان کروں کہ اس مقدس کتاب نے میری روح پر کتنا گہرا اثر کیا ہے اور کیسے میری زندگی کی ڈگر کو بدل دیا ہے؟

ابھی میں قرآن مجید کا تیسرا سورہ بھی ختم نہیں کر پائی تھی کہ بے اختیار سجدہ میں گر پڑی اور زندگی میں پہلی بار خدا کو سجدہ کیا۔ اسی وقت میں اسلام پر ایمان لے آئی جو کہ سمجھ میں آنے والے خدا کا تعارف کراتا ہے اور اسے ہر قسم کے شر سے منزّہ جانتا ہے۔

اس انسانی آئین کی تحقیق کے سلسلہ میں تین مہینے بھی نہیں گذرے تھے کہ میں اسلام لے آئی۔ واضح ہے کہ اس مختصر مدت میں، میں اسلام کے کلیات اور اجمالی مطالب ہی سے آگہی حاصل کر سکتی تھی پھر ملاقاتوں، بحث و مباحثہ اور مطالعہ کے ذریعہ اسلام کے جزئی مسائل سے واقفیت حاصل کی۔

بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ تمہارے مسلمان ہونے کے بنیادی اسباب کیا ہیں، حالانکہ اس سوال کا جواب بہت مشکل ہے کیونکہ ایک یورپی مسلمان کے بقول آئین اسلام ایک عمارت کی طرح ہے کہ اس کا ہر جز دوسرے اجزاء کی تکمیل کرتا ہے۔ اسی ناقابل انکار خاصیت نے حقیقت کے متلاشی انسان کے نفوس پر اثر کیا اور انہیں اطمینان کی ایک دنیا میں پہونچا دیا ہے۔

کائنات اور موجودات کے بارے میں اسلام کا نظریہ، اس کے قوانین کا ہمہ گیر ہونا، اسلام کے پاس تمام طبقات کی ضرورتوں کی بنیاد پر ایک صحیح اجتماعی نظام کا وجود میں آنا ایک حکومت کی تشکیل اور روئے زمین پر زندگی گذارنے والی قوموں کے حالات سے باخبر ہونے کیلئے حکومتی اور بین الاقوامی قوانین وضع کرنا وغیرہ ایسے مطالب ہیں جو انسان کو اس مقدس آئین کی حقیقت سے آشنا کرتے ہیں۔ اسی طرح خدا پر ایمان انسانی فضائل اور مادی و معنوی ابعاد میں تعادل کی بنیاد پر ایک تہذیب و صنعت کی ایجاد ـــ جس میں کسی قسم کی افراط و تفریط نہ ہو اور سیکڑوں مطالب اسلام میں ایسے ہیں ـــ جو توجہ جلب کرتے ہیں۔

اس میں شک نہیں ہے کہ آج مغربی دنیا عجیب کشمکش کی حالت میں زندگی گذار رہی ہے، جو لوگ یورپین معاشروں سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ان معاشروں میں ایسا کوئی روشن مقصد نہیں ہے کہ جو روح کی سعادت کی رسم و راہ کو واضح کر سکے، سبھی ایسے اندیشوں میں الجھے ہوئے ہیں جو کہ زندگی کے ظواہر کی زرق برق میں پوشیدہ ہیں، راہ نجات پیدا کرنے کے لئے وہ جتنے بھی ادھر ادھر ہاتھ پیر مارتے ہیں، کامیاب نہیں ہو پاتے بلکہ دن بدن تباہی کی طرف بڑھتے رہتے ہیں اور ان مایوسیوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

اس حیثیت اور طاقت سے اسلام اپنے اطراف مکاتب سے، اس دقیق اور عادلانہ توازن کے ذریعہ جو کہ اس نے جسم و جان کی ضرورتوں کے درمیان کیا ہے، نئے تمدن کی کجرویوں اور انحرافات پر قابو پا سکتا ہے اور اس کی انسان کی حقیقی کامیابی کی راہ میں صحیح طریقہ سے توجیہ کر سکتا ہے۔

جی ہاں اسلام عین اسی وقت کہ جب وہ اسی دنیا میں افراد کی ہر قسم

کی خوش بختی فراہم کرتا ہے، پروردگار کی رضا اور سعادت ابدی کے حصول کی راہ کی طرف بہت ہی دلچسپ طریقہ سے راہنمائی کرتا ہے۔[1]

---

[1] چرا مسلمان شدم ص۵۰ اور اس کے بعد

ستان رمان ہالینڈی

اس کے باپ کی تمنّا تھی کہ وہ اچھی اور نمایاں قلم کار بنے اور صاحبانِ نظر اس کے مقالات کا دوسروں کے مقالات کی بہ نسبت غور سے مطالعہ کریں لیکن رفتہ رفتہ اسے یہ محسوس ہوا کہ اس کی تحریروں کا محور دین و مذہب ہے۔ ممکن ہے مستقبل قریب میں وہ دیر و کلیسا میں پناہ لے۔

لیکن ستان رمان صرف حقیقت کے ادراک اور معنویت تک پہنچنے کی تشنہ تھی۔ وہ ان آزاد منش افراد میں سے تھی جو باتحرّک اور جدوجہد والا دین تلاش کرتے ہیں، اور چونکہ دیر و کلیسا میں کسی قسم کا تحرک نہیں ہے اور نہیں ہو سکتا۔ اس لئے وہ انھیں اختیار نہیں کر سکتی تھی۔

مسلسل تحقیق و جستجو نے اسے اسلام سے آشنا کیا۔ یہ آشنائی اس وقت ہوئی جب اس نے پہلی بار ہالینڈ یونیورسٹی کے ایک کتابچہ کا مطالعہ کیا اور اس کے بعد اسلام کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے ہر فرصت سے استفادہ کرتی تھی۔

اسی لئے یونیورسٹی میں اس نے اپنی تحقیق کا موضوع "معاشرہ شناسی" منتخب کیا تاکہ اس طرح وہ ادیان و مذاہب کا مطالعہ کر سکے۔ جو پروفیسر اسی موضوع میں اس کا استاد تھا، اس نے مطالعہ اور تحقیق کے جن مدارک کی طرف

اس کی راہنمائی کی تھی ان میں چند کتابیں اسلامی بھی تھیں۔ ان کتابوں نے نئی دنیا کی طرف اس کی راہنمائی کی اسے کافی حد تک اسلام سے روشناس کیا۔

یونیورسٹی کے آخری برسوں میں اس نے اپنی پی، ایچ، ڈی (Ph.D) کا موضوع "بررسی دشناسائی اسلام" معین کیا۔ اب اس کے اسلام کو قبول کرنے کی ابتداء ہے، اس کے بعد وہ جتنی زیادہ تحقیق کرے گی اور جس قدر اسلام سے متعارف ہوگی اسی تناسب سے اسلام کے بارے میں اس کے ایمان و حیرت میں اضافہ ہوگا۔

واضح ہے کہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد یہ یورپین عورت اپنی تحقیقات اور مطالعے سے اسلامی قوانین و حقائق سے آشنا ہو جائے گی اور واقعی ایک اسلام شناس بن جائے گی۔

لیکن یہ بات بھی واضح ہے کہ عربی زبان سے واقفیت کے بغیر — جو کہ وحی اور اسلام کے راہبروں کی زبان ہے — کوئی شخص بھی حقیقی معنوں میں اسلام شناس نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ستان رمان نے اسلام سے مختصر آشنائی پیدا کی تو اس نے عربی سیکھنے کا عزم کیا تاکہ وہ براہ راست خود قرآن کو سمجھے، ترجمہ کی مدد سے نہیں۔

وہ اپنے ملک ہالینڈ میں اپنے استاد "حمیدی خیاط" — جو کہ اس کے مشکلات کو حل کرتا تھا — کے علاوہ کسی کو نہیں پہچانتی تھی۔ اس لئے اسلامی ممالک کا سفر کرنے پر مجبور ہوئی تاکہ نزدیک سے اسلام کو دیکھے اور اسلام شناس اور دانشوروں سے گفتگو اور تبادلہ خیال کر سکے۔

اس سلسلہ میں اس کے استاد "حمیدی خیاط" کا کردار بھی بہت اہم ہے کیونکہ اس کے دینی مشکلات کو اسی نے حل کیا تھا اور اسلام سے متعارف

کرانے میں اس کی کافی مدد کی تھی۔ اسی استاد نے اسے اول سے آخر تک قرآن کی اجمالی تفسیر کی تعلیم دی تھی اور اس کے دل میں قرآن و اسلام سے محبت کا شعلہ بھڑکایا تھا اور اسے اس بات پر تیار کیا تھا کہ اپنے مقصد کے حصول کے لئے سفر کرے اور اسلام کے بارے میں اپنی معلومات کے دائرہ کو وسعت دے۔

"قرآن کے بارے میں "ستان رمان" کا فیصلہ یہ ہے کہ :

"اس کتاب کے تمام مطالب آدمی کی عقل و وجدان کے مطابق ہیں۔ اس مقدس کتاب میں ایسی کوئی چیز نظر نہیں آتی جو خود اس کے اور فطرت کے خلاف ہو، عورتوں کے بارے میں عادلانہ فیصلہ کرتی ہے اور دوسری کتابوں کے برخلاف، کہ جن میں عورتوں کو کنیزی و حیوانیت کی حد تک گرادیا ہے، عورتوں کو احترام کی نظر سے دیکھتی ہے۔ انھیں بھی انسانی حقوق اور دیگر رعایتیں دیکر ان کی عزت بڑھاتی ہے، مجھے بجا طور پر یہ کہنا چاہئے کہ میرے دل پر کسی تہذیب و تمدن نے اتنا اثر نہیں کیا ہے، جتنا اسلام کی تہذیب و تمدن نے کیا ہے، اسلام نے میرے دل کو تسخیر کرلیا ہے اور مجھے نہایت خوشگوار اور قیمتی زندگی کا تحفہ عطا کیا ہے[1]۔"

---

[1] مجلۂ مکتب اسلام شمارہ ۲ سال

برکہ

رسولؐ خدا کو والد سے جو میراث ملی تھی اس میں ایک برکہ نامی کنیز، پانچ اونٹ اور کچھ گوسفند تھیں۔ خدیجہ سے شادی سے قبل برکہ ہی رسولؐ اسلام کی خدمت گذار تھیں۔ رسول اکرمؐ کو ان سے اس قدر محبت تھی کہ انھیں ماں کہتے تھے اور اور جب دیکھتے تو کہتے تھے: وہ میرے خاندان کی یادگار ہے۔

جب حضرت خدیجہ رسولؐ اسلام کے حبالۂ نکاح میں آئی تو برکہ کو کنیزی سے رہائی مل گئی۔ کلی طور پر اس عظیم پیشوا کا ایک عالی شیوا یہ تھا کہ اقتضائے وقت کے تحت ان غلاموں کو آزاد کر دیتے تھے جو خود مستقل طور پر زندگی گذار سکتے تھے۔

اور جن کو ابھی آزادی نہیں ملی تھی انھیں اتنی محبت دیتے تھے کہ انھیں کسی قسم کی حقارت و کمتری کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ اس بات کا ایک نمونہ یہی برکہ ہیں۔ آزاد ہونے کے بعد برکہ نے عبید بن زید خزرجی سے شادی کر لی۔ اس شادی کا ثمرہ ایک بیٹا تھا جس کا نام "ایمن" تھا، اسی لئے برکہ ام ایمن کے نام سے مشہور ہوئی ہیں۔

ایمن رسولؐ اسلام کے فداکار مجاہدوں میں شامل ہو گئے اور جنگ حنین میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ حضرت خدیجہ کے پاس ایک غلام تھا، جسے زید بن حارثہ کہتے تھے، وہ خدیجہ نے رسول کو بخش دیا اور آنحضرتؐ نے اسے آزاد کیا۔

زید نے عبید کے انتقال کے بعد ام ایمن سے شادی کر لی۔ اس شادی کا نتیجہ اسامہ تھے۔ یہ زید وہی ہے جسے رسولؐ اپنا بیٹا کہتے تھے چنانچہ یہ زید بن محمد کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔

غلامی سے آزاد ہونے والوں کے لئے رسولؐ اسلام کا یہ رویہ آپ کی عظمت کی دوسری دلیل ہے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا:

جو شخص جنت کی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ اسے ام ایمن سے شادی کرنا چاہئے۔ یہ جملہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ام ایمن دین اور فرائض کی انجام دہی میں اتنی ثابت قدم اور استوار تھی کہ رسولؐ نے انھیں واقعی خوشبخت قرار دیا ہے۔

یقیناً ایسی عورت ازدواجی زندگی میں صدق وصفا کا ماحول پیدا کر سکتی ہے اور اپنے شوہر اور بچوں کے لئے مورد اطمینان قرار پا سکتی ہے۔

زید نے، کہ جنھیں زینب جحش سے شادی کا کوئی ثمرہ نہیں ملا تھا، اپنی گم شدہ متاع حاصل کر لی اور انھیں اپنے حبالۂ نکاح میں لے آئے۔

صدر اسلام میں مسلمان عورتوں کی سب سے بڑی عظمت و بے باکی یہ تھی کہ وہ راہ اسلام میں ہر چیز کو قربان کر دیتی تھیں اور پیغمبر اسلام کے وجود کے چاروں طرف پروانہ وار طواف کرتی تھیں۔ رسولؐ سے بیعت، ترک وطن، حبشہ کی طرف ہجرت، مدینہ کی طرف ہجرت، جنگوں میں شرکت، اسلام کے سربازوں کے لئے کھانا پانی فراہم کرنے اور کبھی مجروح سپاہیوں کی مرہم پٹی کی ذمہ داری لیتی تھیں اور کبھی رسولؐ سے دفاع کرنے کیلئے اسلحہ اٹھاتی تھیں۔

ام ایمن مذکورہ تمام میدانوں میں پیش پیش تھیں، شروع میں مشرکین کی ناقابل برداشت اذیتوں کے سبب حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں کے ساتھ حبشہ — یعنی اپنے اصل وطن — کی طرف ہجرت کی اور وہاں سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

انھیں مہاجرتوں میں سے کسی ایک میں ام ایمن کے ساتھ ایک خوشگوار واقعہ پیش آیا۔ گرمی اور پیاس کی شدت سے قریب تھا کہ آپ کا دم نکل جائے لیکن خدا نے آپ کی مدد کی اور موت کے خطرہ سے انھیں نجات مل گئی۔ اسی دن بہترین پانی پیا، وہ کہتی تھیں:

وہ پانی پینے کے بعد مجھے ہرگز پیاس نہیں لگی۔ میں نے شدید گرمی کے دنوں میں روزے رکھے ہیں لیکن کبھی پیاس کی شدت محسوس نہیں کی۔

جنگ احد و جنگ خیبر میں رسول کرمؐ کے ساتھ تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ رسولؐ اکرم کے انتقال کے بعد ام ایمن روتی ہی رہتی تھیں۔ لوگوں نے پوچھا: کیوں روتی ہو؟

کہا: یہ تو میں جانتی تھی رسولؐ خدا اس دنیا سے انتقال کریں گے اور ابدی دنیا میں چلے جائیں گے۔ میں تو اس لیے روتی ہوں کہ اب فرشتۂ وحی نازل نہیں ہوتا اور آسمان سے کوئی خبر نہیں لاتا۔

عثمان کے عہد خلافت میں اس خاتون نے، جو کہ فضیلت اور فرض شناسی کے لحاظ سے تمام انسانوں کے لئے نمونہ قرار پا سکتی ہیں، انتقال کیا، تاریخ اسلام میں ان کا افتخار نام ثبت ہو گیا۔ ام ایمن کا نام مسلمانوں میں ہمیشہ احترام کے ساتھ لیا جاتا رہا ہے۔

ان کے پوتے حسن بن اسامہ کا ایک شخص ــــ ابن ابی الفرات ــــ سے اختلاف ہو گیا۔ گفتگو کے دوران اس شخص کے توہین و تمسخر کے طور پر کہا: برکہ کے بیٹے!

حسن نے حاضرین سے کہا: آپ گواہ ہیں! اس کے بعد وہ عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے مقرر شہر کے قاضی یا والی ابوبکر کے پاس گیا اور واقعہ کا نقل کیا۔ ابوبکر نے اس شخص سے کہا: "تم نے ان کی ماں کا نام کس مقصد کے تحت لیا ہے؟" میرا کوئی مقصد نہیں تھا۔ صرف ان کی ماں کا نام زبان پر لایا ہوں۔

تم جھوٹ بولتے ہو! "تمہارا مقصد ان کی اہانت کرنا تھا۔ جبکہ یہ عظیم خاتون ان عورتوں میں سے ہیں جن کی عظمت و رتبہ اسلام میں کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ رسول خدا جب بھی انھیں پکارتے تو کہتے تھے: ماں! ام ایمن اگر میں تم سے درگذر نہ کروں تو خدا مجھ سے درگذر نہ کرے۔

اس کے بعد والی کے حکم سے اس شخص کو ستر کوڑے لگائے گئے۔

واضح رہے کہ اسامہ اور ان کے پسماندگان حضرت علی اور آپ کے جانشینوں کے طرف دار تھے۔ اور بنی ہاشم ان کا بہت احترام کرتے تھے۔[۴]

ام ایمن کی دلاوری اور جرأت مندی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب فاطمہ زہراء اپنے حق سے دفاع کے لئے مسجد میں تشریف لے گئیں اور اپنا ہلا دینے والا اور تاریخی خطبہ دیا تو اس وقت ام ایمن بھی آپ کے ساتھ تھیں اور اس حکومت سے قطعی ہراساں نہیں ہوئی تھیں کہ جس نے خلافت اسلام کی ڈگر بدل دی تھی اور رسول اکرم کے ابن عم و داماد کی جانشینی

جعلی نمونے پیش کرتے ہیں اور انھیں تباہی کی طرف بہالے جاتے ہیں۔ وہ اپنے اس عمل کی یہ توجیہہ کرتے ہیں کہ اگر ایک آدمی کی کمزوریاں اس کی ناکامی اور بدبختی کا سبب بنتی ہیں تو ہم انھیں کی نقشہ کشی کر کے پیش کرتے ہیں تاکہ جوان اس سے عبرت حاصل کریں اور خود اس دریا میں غرق نہ ہوں۔

ان کی دلیل بالکل صحیح ہے لیکن جو کہتے ہیں وہ کر کے دکھا دیں اور داستانوں میں جرائم، سیکس اور شہوت کو برانگیختہ کرنے والی چیزیں شامل نہ کریں۔ قاری ایسی ہی چیزیں پڑھ کر یہ سوچتا ہے کہ اگر انسان عشق و ہوس کی راہ میں اس سے بھی بدتر کام کا مرتکب ہو جاتے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

اگر جوانوں میں عبرت آموزی کی روح پیدا کرنا چاہتے ہیں اور انھیں برے کاموں سے بچانا چاہتے ہیں تو غلط اور فاسد چیزوں کو قلم بند کریں، کہ اس سے مقصد وسیلہ پر قربان ہو جائے گا۔ اس سلسلہ میں صرف لڑکوں ہی کو مدنظر نہ رکھا جائے، لڑکیاں بھی لطیف و حساس روح رکھتی ہیں وہ ہر اچھی بری بات کو قبول کرتی ہیں۔

زیر نظر کتاب میں اس پہلو کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اس کتاب میں تاریخ اسلام اور تاریخ تشیع کی تقریباً ۱۵۰ نمونہ اور مثالی عورتوں کی داستانیں رقم کی گئی ہیں، جن میں سے ہر ایک اپنے ساتھ عفت و طہارت اور انسانیت کی ایک دنیا لئے ہوئے ہے۔ ان کو ہم نے چیدہ مسلمان عورتوں میں سے انتخاب کیا ہے۔ ان میں فاطمہ زہراؑ، آپؑ کی والدہ اور بیٹیاں اوّل درجہ پر فائز ہیں۔ بعض مراتب کے لحاظ سے کم درجہ کی ہیں۔

یقیناً تاریخ انسانیت میں بہت سی عظیم نمونہ عورتیں پیدا ہوئی ہیں۔ اس

و خلافت سے چشم پوشی کر لی تھی ؂[1]

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۶۳ ، اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۶۵ . مختصر ترمیم کے ساتھ ، مسطور مع سناء مومنات ص ۸۷

ایولین کوبلڈ برطانوی

یہ برطانیہ کے ایک نجیب خاندان کی فرد اور محقق و صاحب قلم عورت ہے اتفاق سے بچپنے ہی میں اپنے والد کے ساتھ اسلامی ملک "الجزائر" جاتی ہے وہاں اپنی ہم سن لڑکیوں کی ہم نشینی کی وجہ سے اسلام سے واقف ہوتی ہے، مسلمانوں کی مسجد میں جاتی ہے۔

وہ بچپنے ہی سے لاشعوری طور پر مسلمان ہو چکی تھی۔ کیونکہ "الجزائر" کے ماحول سے متاثر ہو گئی تھی اور ایک معمولی مسلمان کے اخلاق و طرز فکر اور چال چلن کی مالک تھی۔ خصوصاً مساجد میں مسلمانوں کی عبادت اور ان کی معنویت سے لذت اندوز ہوتی تھی۔

فکری، روحی اور علمی لحاظ سے اس نے جتنی ترقی کی اسی کے ساتھ ساتھ تحقیق و کاوش اور دینی اثبات کا جذبہ اس کے اندر بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس نے یہ طے کیا کہ دیکھا جائے کہ اسلام کے اصول اور مبانی ــ ایک عقیدہ کے لحاظ سے خواہ عملی و اخلاقی اعتبار سے ــ عقل کی کسوٹی پر پورے اترتے ہیں یا نہیں؟ ــ کی تحقیق میں مشغول ہوتی۔

یہ وہ چیز ہے جس کی طرف خود اسلام بھی دعوت دیتا ہے اور اپنے ماننے والوں سے تقاضا کرتا ہے کہ تحقیق و تامل کے بغیر دین قبول نہ کرو

ماحول کے رنگ میں نہ رنگ جاؤ، اپنے ماں، باپ اور بزرگوں کے دین و مسلک کی اندھی تقلید نہ کرو۔ یہ عورت بھی ایک مسلمان ہونے کے ناتے مجبور تھی کہ اپنی عقل و فکر سے کام لے اور اپنے عقائد و آراء کو تقلید و تعصب کی گرد سے پاک کرے۔

مطالعہ اور تحقیق کے زمانہ میں اس کے عقیدہ کی بنیاد متزلزل نہیں ہوتی بلکہ پہلے سے زیادہ محکم ہو گئی اور وہ اسلام کی اور زیادہ گرویدہ و شیفتہ ہو گئی۔

اس کی نظر میں اسلام خدا کی اطاعت و عبادت کے لحاظ سے بہترین دین ہے دیگر ادیان کی بہ نسبت اسلام کے احکام و قوانین ہی عقل کے مطابق ہیں۔

وہ اسلام کو ایسا دین قرار دیتی ہے جو نظام ہستی کی اچھی طرح تفسیر کر سکتا ہے اور اس کا قابل قبول فلسفہ پیش کرتا ہے، انسان کو صلح و صفائی کی طرف دعوت دیتا ہے۔

اس نے اپنی تحقیق اور مطالعہ کے بعد ایک کتاب لکھی جس کا نام "خدا کے بارے میں ایک بحث" ہے۔ اس میں اس نے اپنے مسلمان ہونے کی وجہ اور آسمانی آئین کی اہمیت کو بخوبی واضح کیا ہے۔

وہ کہتی ہے: مجھ سے لوگ پوچھتے تھے اور پوچھتے ہیں: تم نے کب اسلام قبول کیا؟ حقیقت یہ ہے کہ مجھے خود صحیح معلوم نہیں ہے کہ نور اسلام نے میرے قلب کو کب منور کیا اور کب مجھے بلند و وسیع دنیا میں پہونچا دیا۔" یہ بات بھی اس کی بالکل صحیح ہے۔ کیونکہ اس میں شک نہیں ہے کہ ابتدا میں نور ایمان بہت کم ہوتا ہے اور بتدریج مستعد و توفیق یافتہ دلوں میں بڑھتا ہے جیسا کہ نور علم بھی انسان کی روح میں رفتہ رفتہ نفوذ کرتا ہے۔

آخر کار اس نو مسلم خاتون کے دل میں رسولؐ خدا کے مرقد کی زیارت کا

اشتیاق پیدا ہوتا ہے اور وہ مدینہ کی طرف روانہ ہو جاتی ہے۔ مدینہ مرکزِ وحی اور رسولؐ کا مدفن ہے۔ اس شہر میں داخل ہونے کے بعد "ایفلین کوبلڈ" نبوت و رسالت کی عظمت سے بہت متأثر ہوتی ہے اور دل کی آنکھوں سے آنحضرت کی زندگی کے عظمت و جلال کا مشاہدہ کرتی ہے۔

جب خاتم النبیینؐ کی قبر کے برابر میں کھڑی ہوئی تو خود سے بیگانہ ہو چکی تھی اور ایک ایسی دنیا میں پہونچ چکی تھی جو صفا و طہارت اور معنویت سے سرشار تھی۔ اسی وقت اس کی آنکھوں سے خوف و خشیت کے آنسو جاری ہو گئے اور اس نے خدا کی بارگاہ میں استغاثہ کیا۔ ایسا ہر انسان کے ساتھ ہوتا ہے، اس کا دل نرم اور خاضع ہوتا ہے خواہ سخت دل ہی ہو۔

وہ سوچ رہی تھی کہ جس انسان نے اپنی ۲۳ سالہ نبوت کا زمانہ دوسروں کو کامیابی کی راہ پر لگانے میں صرف کر دیا اور اس سلسلہ میں کسی بھی قسم کی کوشش سے دریغ نہ کیا اسے ایسی عظمت کا مالک ہونا چاہئے اور ہر با ایمان مرد و عورت کو ان کی چوکھٹ پر سر جھکانا چاہئے۔

اس حال میں ایفلین کوبلڈ خدا سے اس طرح راز و نیاز کر رہی تھی: اے اللہ! تو نے لوگوں میں سے اس انسان کو پیغمبر مقرر کیا اور اس کے ہاتھ میں فردی و اجتماعی مشکلات کی کلید دیدی، تمام انبیاء سے زیادہ اسے فضیلت عطا کی اور اپنا مقرب خاص قرار دیا۔ اس کے دین کو بہترین و کامل ترین دین قرار دیا، اس نعمت پر میں تیری حمد کرتی ہوں۔

رفتہ رفتہ آفتاب بلند ہوا اور خشک پہاڑوں اور شہر کی چھوٹی بڑی عمارتوں پر اپنی سنہری کرنیں نچھاور کر دیں، وہ مسجد کے ایک گوشہ میں جا بیٹھی

اور اپنے پاک و ملکوتی فکر و خیال کے پر و بال پر سوار ہو کر ۔ سیر و سلوک منزلیں طے کرنے لگی ۔ ایک گھنٹہ کا ایسا غور و فکر ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے اور اس کی لذت بو علی سینا کو اس طرح وجد میں لاتی ہے کہ وہ تنہا دوں کی حالت پر افسوس کرتے ہیں کہ وہ اس حقیقی لذت سے کیوں محروم ہیں اور ختم ہو جانے والی مجازی لذتوں میں غرق ہیں ؟

مدینہ کی فضا اس دن بہت دل نشین تھی ۔ "ایفلین کو بلڈ" کافی غور و فکر کے بعد راہِ حقیقت پر لگ جانے کا شکریہ ادا کرنے کے لئے، نماز میں مشغول ہوئی اور اسلام کے دستور کے مطابق خدا کی بارگاہ میں دعا کرنے لگی اس وقت اس نے خود کو اس دنیا میں پایا کہ جس کو وہ خواب میں بھی دیکھ سکتی تھی ۔

مسلمان پروانہ کی طرح قبرِ رسولؐ اکرم کے چاروں طرف طواف کر رہے تھے، اطمینان کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے اور مسلمانوں کے عظیم الشان رہبر پر درود بھیج رہے تھے ۔ نماز اور غور و فکر کے بعد اس نے بھی خدا کے آخری رسولؐ پر درود بھیجا کیونکہ قرآن کہتا ہے :

یا ایھا الذین آمنو صلوا علیہ وسلموا تسلیما ۔ احزاب/ ٥٦

آشیما

حسین بن علیؑ کا انقلاب جس طرح مسلمان مردوں کے لئے الہام بخش ہے کہ اس سے وہ سعادت کی شاہ راہ پر لگ جاتے ہیں اسی طرح بہت سے غیر مسلموں کے لئے بھی گمراہی سے ہدایت و نجات کا باعث ہوا ہے۔

آشیما ہندوستان کی ۲۸ سالہ لڑکی تھی جو آتش پرست تھی۔ خالق کی بجائے وہ مخلوق کی پوجا کرتی تھی۔ وہ مدتوں سے دیکھتی چلی آرہی تھی کہ ماہ محرم میں حسین علیہ السلام سے محبت رکھنے والے کالے کپڑوں میں امام حسینؑ علیہ السلام کی عزاداری کرتے ہیں اور آنسو بہاتے ہیں۔ آشیما نے اپنے دل میں سوچا:

"یہ اشک سوزاں جو بہائے جاتے ہیں، یہ دستی اور زنجیری ماتم جو ہوتا ہے، یہ نوحہ و فغاں کی آواز جو کانوں میں آتی ہے یہ کس کے لئے ہے؟

کیا یہ ممکن ہے کہ صدیاں گذر جانے کے بعد ابھی تک آنکھیں کسی کے غم میں اشکبار رہیں؟ یہ حسینؑ کون ہے صدیاں گذر جانے کے باوجود اس کے چاہنے والے ابھی تک اسی طرح اس کے غم میں عزاداری کرتے اور آنسو بہاتے ہیں؟"

رفتہ رفتہ اس کا دل منور ہو گیا اور عظمتِ حسینؑ اس پر آشکار ہو گئی اور اسے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ ریا سے خالی عزاداری اس نیتر دل انسان کے غم میں

کی جاتی ہے جس نے چودہ سو سال پہلے دنیا کے خدا پسندوں کو استقامت و مردانگی کا سبق دیا اور یہ سمجھا دیا کہ اپنے عقیدہ کی خاطر عزت سے جان دینا ذلت کی زندگی سے بہتر ہے اور حقیقت کو کسی بھی نفسانی خواہش پر قربانی نہیں کرنا چاہیئے۔

انسان جو کام اپنے ذاتی اغراض سے الگ ہٹ کر انجام دیتا ہے اور اس کے جس کام میں الٰہی اور انسانی پہلو زیادہ قوی ہوتا ہے۔ اس کی قدر و قیمت بھی زیادہ ہوتی ہے اور جس کام میں ذاتی اغراض زیادہ کارفرما ہوتے ہیں۔ اس کی قدر و قیمت بھی کم ہوتی ہے۔

اس نکتہ کو آشیما اچھی طرح سمجھ چکی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ حسینی انقلاب میں ذاتی اغراض کا شائبہ بھی نہیں ہے۔ حسینؑ صرف مرضیٔ خدا چاہتے تھے، آپؑ وہ راہ اختیار کرنا چاہتے تھے جو اسلام کے لئے زیادہ مفید ہو اور اولیاءِ خدا حقیقت پسندانہ اور عالی ہمت لوگوں کی نظروں میں پسندیدہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ امام حسینؑ کے نام مقدس نے زمان و مکان کے پردوں کو چاک کر دیا اور اس کی شعاعوں نے زمانہ کی سرحد تک نور پھیلا دیا ہے اور نام حسینؑ ابدی ہو گیا ہے۔

آشیما دیکھ رہی تھیں کہ دینی لحاظ سے وہ گمراہ ہے اور اس کے لئے اپنے سے پست مخلوق، یعنی آگ کو سجدہ کرنا مناسب نہیں ہے جو کہ انسان کے ہاتھ کا کھلونہ ہے۔ چنانچہ وہ حسینؑ سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئی۔

آخر کار ۱۳۵۱ھ ش کو عید الفطر کے روز اس روشن فکر لڑکی نے تہران میں حسینیۂ افتخار زادہ میں مسلمان مرد اور عورتوں کی ایک جماعت کے سامنے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا اور آتش پرستی کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا اور کفر

دشرک کی تاریک دنیا سے نکل آئی اور جب حاضرین اس پر چاندی سونے کے سکے نچھاور کر رہے تھے۔ وہ کہہ رہی تھیں: گویا میں نے دوبارہ جنم لیا ہے۔ اب مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ میں نے دوسری دنیا میں بلند افکار کے ساتھ زندگی کا آغاز کیا ہے۔ یہ میری زندگی کے اہم اور شیریں لمحات ہیں۔

اس واقعہ سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ شیعوں کے تیسرے امام کی عزاداری اسلام کے واقعی چہرہ کو پہنچنوانے کا اہم اور موثر ذریعہ اور اس کی تبلیغ کا وسیلہ قرار پا سکتی ہے۔ جو لوگ اسلام کے بارے میں مبہم تصور رکھتے ہیں۔ اسلام کو صحیح طریقہ سے نہیں پہچان سکے ہیں وہ عزاداری کی راہ سے اسلام کو بخوبی پہچان سکتے ہیں۔

بنابرایں تمام دوستوں کا فرض ہے کہ ان مراسم کی تجلیل کے سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیں اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کو اچھی طرح امام حسینؑ اور آپؑ کے مکتب سے آشنا کریں۔[1]

---

[1] روزنامۂ اطلاعات ۲۱/۸/۱۳۵۱ ھ ش

حلیمہ سعدیہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی ماں

اہل مکہ کی یہ عادت تھی کہ جب بچہ سات دن کا ہو جاتا تھا تو وہ اسے دائی کے سپرد کر دیتے تھے تاکہ وہ اسے دودھ پلائے اور اس کی پرورش کرے۔

رسول اکرمؐ کے والد آپؐ کی ولادت سے پہلے ہی دنیا سے اٹھ چکے تھے آپؐ کے دادا عبد المطلب سرپرست تھے۔ لوگوں نے عبد المطلب سے کہا: اپنے پوتے کے لئے کسی دائی کا انتظام کیجئے، لیکن دودھ پلانے والیوں نے اس نوزاد کو لینے میں اس لئے پس و پیش سے کام لیا کہ بچہ یتیم ہے دودھ پلانے کی اجرت کم ملے گی۔

رسول اکرمؐ کی والدہ حضرت آمنہ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے: اگر تمہیں اپنے بچہ کی کیلئے دائی چاہئے اس کام کے لئے بنی سعد کے طائفہ میں ابو ذویب کی بیٹی حلیمہ مناسب ہیں۔

اس کے بعد آمنہ کو مستقل حلیمہ کی تلاش رہی۔ خشک سالی کی وجہ سے مکہ کے مضافات والے آذوقہ کے لئے پریشان تھے، اس لئے مضافات کی عورتیں مکہ آتی تھیں اور دودھ پلانے کے لئے ثروت مندوں کے بچوں کو

لے جاتی تھیں تاکہ بچہ کے خاندان والے ان کی مدد کریں۔ مکہ میں خاتم النبیینؐ کی ولادت کے طفیل میں نعمتوں کی فراوانی تھی۔

اتنا شدید قحط پڑا تھا کہ حلیمہ کہتی ہیں: مدتوں ہمیں روٹی میسر نہیں ہوئی ناچار گوسفندوں کی مانند صحرا کی گھاس کھاتے تھے۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی آیا اور اس نے مجھے ایسی نہر میں ڈال دیا کہ جس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا اور مجھ سے کہا کہ :پیو! اس کے بعد مجھے نہر سے نکال لیا اور کہا: جلد از جلد مکہ چلی جاؤ وہاں تمہیں بہت زیادہ روزی ملے گی اور اس بچہ کی برکت سے، جوکہ کچھ روز قبل مکہ میں پیدا ہوا ہے تمہاری قسمت جاگ جائے گی۔ اس کے بعد میرے سینہ پر ہاتھ مار کر کہا: خدا نے تمہارا دودھ زیادہ کیا اور تمہیں مشکلوں سے نجات عطا کی ہے۔

حلیمہ کہتی ہیں: میں بیدار ہوئی تو دودھ کی کثرت سے میرے پستان بھاری ہو چکے تھے۔ میں بہت خوش تھی، چہرہ پر تازگی اور فرحت آگئی تھی کہ خاندان کی عورتوں نے مجھ سے کہا:

،ہمیں تمہاری حالت پر تعجب ہے۔ کیا ہوا؟ یہ حسن و فرحت کیسے حاصل ہوئی ہے؟ لیکن میں کسی سے اپنا راز بیان نہیں کرتی تھی۔ البتہ عورتوں کے حسد کی وجہ سے پریشان رہتی تھی وہ بے باکی سے اپنا حسد ظاہر کرتی تھیں۔

مختصر یہ کہ بنی سعد کی عورتیں — منجملہ ان کے حلیمہ — مکہ کی روانہ ہوئیں، حلیمہ ان میں سب سے زیادہ پاک دامن تھیں۔ ان کی بھیڑ بکریاں مر گئی تھیں، ان کا گھرانہ تنگدستی اور مفلسی کی مشکلوں سے پھنسا ہوا تھا۔

سلسلہ میں مزید تحقیق ہونی چاہئے اور تاریخ کی ان مثالی عورتوں کو متعارف کرانا چاہئے تاکہ فضیلت وکمالات کو کسب کرنے والی خواتین — جو کہ دلربائی اور فیشن وسنگار ہی کو سب کچھ نہیں سمجھتی ہیں — ان کے اوصاف وکمالات سے سبق لے کر دوسری عورتوں کیلئے نمونہ بن جائیں۔

ڈاکٹر احمد بہشتی

حلیمہ کی روحانی، اخلاقی اور انسانی برتری نے انھیں سرورِ کائنات کی دائی کے منصب پر پہنچایا تھا۔ قبیلہ کی عورتیں آمنہ کے پاس آتی تھیں۔ آمنہ پہلے ان کا نام معلوم کرتی تھیں۔ اور جب انھیں یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان میں حلیمہ نہیں ہیں تو کہتی تھیں: میرا بچہ یتیم ہے۔ اس کے پاس مال و دولت نہیں ہے۔ یہ بات سن کر عورتیں واپس چلی جاتی تھیں کچھ دنوں کے بعد حلیمہ مکہ پہنچیں۔ شوہر کو مکہ کے باہر چھوڑا اور کہا: آپ یہیں ٹھہریں، میں مکہ جا کر اس بچہ کے بارے میں معلومات فراہم کرتی ہوں جس کی ہمیں بشارت دی گئی ہے۔

حلیمہ مکہ میں داخل ہوئیں۔ اسے حُسنِ اتفاق کہئے کہ پہلے وہ صفا پر گئیں اور وہاں عبدالمطلب سے ملاقات کی۔ صفا پر عبدالمطلب کی ایک مسند تھی جس پر بیٹھ کر آپ لوگوں کے مسائل حل کرتے تھے۔ عبدالمطلب نے انھیں احترام کے ساتھ مخاطب کیا اور کہا:

صبح بخیر! بی بی کہاں سے آئی ہو؟

عورت: میرا تعلق بنی سعد سے ہے۔ میں شیر خوار بچہ کی تلاش میں آئی ہوں تاکہ اس کو دودھ پلاؤں اور دائیگی کی اجرت سے اپنے اخراجات پورے کروں۔ میں آپ کے پاس آئی ہوں۔

ہاں میرا ایک بچہ ہے ابھی تک اس جیسا بچہ پیدا نہیں ہوا ہے۔ مگر افسوس وہ یتیم ہے۔ میں اس کا دادا ہوں، اگر تم اسے دودھ پلانے پر راضی ہو تو میں اسے تمہارے سپرد کرتا ہوں اور تمہاری اجرت کا انتظام کرتا ہوں۔

حلیمہ نے کچھ دیر خاموشی اختیار کی۔ اس کے بعد کہا: اے عبدمناف

کے بزرگ: میرا شوہر شہر کے باہر ہے، میں اس سے مشورہ کروں گی اگر اس نے موافقت کی تو مجھے کوئی عذر نہیں ہے۔

عبدالمطلب نے اس کی بات مان لی۔ حلیمہ اپنے شوہر کے پاس گئی اور کہا: میں عبدالمطلب کے پاس گئی تھی۔ ان کا ایک پوتا ہے جو یتیم ہے۔ عبدالمطلب ہی اس کی کفالت کرتے ہیں آپ کا کیا خیال ہے؟

بنی سعد کی عورتیں جاتی ہیں اور مالداروں کے بچے لاتی ہیں اور جیب بھر کر لوٹتی ہیں۔ لیکن تم یتیم بچہ کو لینے پر راضی ہو؟ حلیمہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے کیونکہ غائبانہ طور پر وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شیفتہ ہو چکی تھی کہ اب شوہر کی مخالفت کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

اس نے ایک آہ بھری اور کہا: وہ جیب بھر کر لوٹتی ہیں اور میں خالی ہاتھ؟

شوہر حلیمہ کی آہ اور آنسوؤں سے متاثر ہو کر بولا: جاؤ اور اسی یتیم بچہ کو لیکر آؤ۔ امید ہے کہ خدا ہمیں اسی کی وجہ سے بہت سامال عطا فرمائے گا۔ ان کے بزرگ سخاوت و بخشش میں مشہور ہیں۔

حلیمہ واپس آئیں اور عبدالمطلب۔ جو کہ ابھی تک وہیں بیٹھے تھے۔ سے کہا: میرا شوہر راضی ہے۔ عبدالمطلب اٹھے اور حلیمہ کو آمنہ کے گھر لے گئے اور آمنہ سے اس کا تعارف کرایا۔

آمنہ نے کہا: حلیمہ، مبارک ہو! خدا کی قسم ہمارے شہر والے اس بچہ کی ولادت کی برکت سے بہت سی نعمتوں میں زندگی گذار رہے ہیں۔ حلیمہ کو اپنی مراد مل گئی تھی، خوشی سے باچھیں کھلی جاتی تھیں۔

رسول اکرمؐ کے نور سے ان کا گھر منوّر ہو گیا تھا، جس سے حلیمہ بہت متاثر

تھی، حلیمہ ایسی شیفتہ ہو گئی تھیں کہ بچہ کو نیند سے جگانے پر تیار ہو گئیں لیکن خود پر قابو پایا اور بیدار نہ کیا۔ مگر اسے اس بات کا بھی خیال تھا کہ شوہر معطل ہے، پریشان لہٰذا بچہ کو بیدار کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ بچہ نے آنکھیں کھول دیں اور حلیمہ کو دیکھ کر مسکرا دیا۔

حلیمہ نے بچہ کو آغوش میں لے لیا اور اپنا دایاں پستان بچہ کے دہن میں دیا اور جب اپنا بایاں پستان دینا چاہا تو بچہ نے اس کی طرف رغبت نہیں کی۔ یہی مقدر تھا کہ محمدؐ بچپنے سے ہی عدل و مساوات کا مظہر رہیں، خدا نے الہام کے ذریعہ آپؐ کو بتایا کہ حلیمہ کے پاس ایک بچہ اور ہے اس کی غذا بھی ماں کا دودھ ہی ہے اس کے بعد بھی رسول اکرمؐ اس وقت تک دودھ نہیں پیتے تھے جب تک حلیمہ کا بچہ ماں کے دودھ سے سیر نہیں ہوتا تھا۔

حلیمہ نے بچہ کو گود میں لیا تاکہ واپس جائیں۔ عبدالمطلب نے کہا: ذرا ٹھہر! کچھ توشہ تمہارے لئے فراہم کرتا ہوں۔ یہ بچہ میرے لئے بہترین توشہ ہے، یہ سونے چاندی اور ہر غذا سے زیادہ محبوب ہے اور عبدالمطلب نے حلیمہ کی توقع سے زیادہ پیسہ اور لباس وغیرہ دیا، اسی طرح آمنہ نے بھی بہت کچھ دیا۔

جب حلیمہ بچہ کو اپنے ساتھ لے جانے کے لئے تیار ہوئیں تو آمنہ نے بچہ کا بوسہ لیا اور اس کے فراق میں رونے لگیں۔ لیکن کیا کر سکتی تھیں؟ پیغمبرؐ کو صحرا کے لوگوں کے درمیان اپنی سخت زندگی کا آغاز کرنا ہے تاکہ ہر قسم کے افراد سے واقف ہو جائیں تاکہ ان کی عظیم ذمہ داری قیادت کا بار اٹھا سکیں۔ خدا نے ماں کے قلب کو صبر عطا کیا۔ جدائی کے وقت حلیمہ سے کہا: میرے نور چشم اور میوۂ دل کی حفاظت کرنا۔ حلیمہ آمنہ کے گھر سے باہر نکلیں تو عبدالمطلب نے ان کا بدرقہ

کیا۔

حلیمہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ اسے بڑی سرفرازی عطا ہوئی ہے۔ انھیں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے سنگ ریزے اور صحرا کے درخت و پودے انھیں مبارک باد و تہنیت دے رہے ہیں۔ جب اپنے شوہر کے پاس پہونچیں تو خدا نے انسانوں کے رہبر کے لئے اس بادیہ نشین انسان کا دل اتنا نرم کر دیا تھا کہ اس نے بے اختیار حلیمہ سے کہا:

اس نوزاد کے ذریعہ خدا نے ہمیں تمام انسانوں پر فضیلت دی ہے۔ بے شک عظیم خاندان کا چشم و چراغ ہے۔ قافلہ روانہ ہوا۔ میاں بیوی بہت مسرور تھے، وہ اپنی خوشی نہیں چھپا رہے تھے۔ حلیمہ نے اپنے شوہر سے کہا: خدا نے ہمیں دنیا و آخرت کی سعادت سے نوازا ہے۔ حلیمہ کی سواری کا حیوان ہوا کی مانند چلا جا رہا تھا۔ نجران کے مسیحیوں میں سے ایک راہب نے حلیمہ سے کہا:

"عنقریب مکہ میں عجیب حادثہ رونما ہوگا۔ ایک بچہ پیدا ہو چکا ہے یا عنقریب پیدا ہوگا جو تمہارے حالات کو بدل دے گا اور بہت سے انقلاب پیدا کرے گا۔"

گویا اس راہب نے علامتوں کے ذریعہ بچہ کو پہچان لیا تھا۔ کچھ دیر نہ گذری تھی کہ بد اندیش لوگوں نے اپنے برے ارادہ کو آشکار کر دیا اور بچہ کے قتل کے درپے ہو گئے۔ لیکن خدا اس ناخدا پر دشمنوں کو مسلط نہیں ہونے دیتا جس کے اختیار میں انسانیت کی متلاطم کشتی دینا ہے۔

بچہ قبیلۂ بنی سعد میں پہونچا تو وہاں بہت سی برکتیں نازل ہوئیں۔ درخت سرسبز و شاداب ہو گئے اور رزق کے دروازے کھل گئے۔ اس انقلاب

کی وجہ سے قبیلہ کے سبھی لوگ بچہ سے بے پناہ محبت کرنے لگے۔

ہر بیمار کو آپ کی دعا کی برکت سے شفاء نصیب ہوتی تھی۔ ہر مشکل آپؐ کے وجود کی برکت سے حل ہو جاتی تھی۔ لوگ حلیمہ سے کہتے تھے: خدا نے ہمیں تمہارے بچہ کی برکت سے سرفراز کر دیا ہے۔ حلیمہ قریب سے بچہ کی طرز زندگی اور خصوصیات دیکھتی تھیں ہر لحاظ سے آپ کو دوسرے بچوں سے مستثنیٰ پاتی تھیں۔ لہٰذا سب سے زیادہ بچہ کی تعریف کرتی اور تہہ دل سے بچہ کو دوست رکھتی تھیں۔

بچہ رفتہ رفتہ بڑا ہونے لگا، اس کی حکیمانہ اور پُر مغز باتیں ہمیشہ دوسروں کو محو حیرت کر دیتی تھیں، کبھی کہتے تھے: میں اس خدا کی حمد کرتا ہوں کہ جس نے مجھے پیغمبروں کے سلسلہ میں قرار دیا۔ یہ باتیں سن کر حلیمہ کو بہت تعجب ہوتا تھا۔ دسترخوان لگاتے تو رسولؐ کی برکت سے سب شکم سیر ہو جاتے تھے اور کھانا کم نہیں ہوتا تھا۔

سات سال کے تھے کہ ماں سے معلوم کیا: میرے بھائی کہاں ہیں؟ وہ بھیڑ بکریاں چرانے گئے ہیں یہ بھیڑ بکریاں خدا نے ہمیں تمہاری برکت سے عطا کی ہیں۔

اماں! میرے ساتھ آپ نے انصاف نہیں کیا! کیوں؟ بیٹے! کیا یہ صحیح ہے کہ میں سایہ میں رہوں اور وہ آفتاب کی تمازت میں کام کریں اور دودھ میں بھی نوش کروں؟

ماں: بیٹا میں ڈرتی ہوں کہ کہیں دشمن تمہیں گزند نہ پہونچائیں یا کوئی اور حادثہ پیش آ جائے تو میں تمہارے دادا کو کیا جواب دونگی؟

نہیں اماں، آپ کو ڈرنا نہیں چاہئے کل میں بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ صحرا جاؤں گا۔ جب حلیمہ نے بچہ کو بالکل تیار پایا تو اگلے روز صبح کے وقت محکم طریقہ سے ان کی کمر باندھی، ہاتھ میں عصا دیا، نعلین پہنائیں اور بھائیوں کے ساتھ انھیں صحرا بھیج دیا۔ قبیلہ والے دوڑ کر حلیمہ کے پاس آئے اور کہا:

اس چاند سے بچہ کو صحراء بھیجنے پر تمہارا دل کیونکر راضی ہو گیا اور کیسے انھیں گلہ بانی کے لئے روانہ کر دیا؟ میں کیا کرتی؟ میں نے انھیں، اس کام سے باز رکھنے کی لاکھ کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ پالنے والے تو ہی ان کا حافظ و نگہبان ہے! اس کے بعد کہا:

اے اللہ: اس بچہ کو، کہ جس کا نام محمدؐ ہے، جو شرفا کا چشم و چراغ ہے، بابرکت قرار دے! خدایا ان کی عمر دراز فرما تاکہ ہر جگہ باعزت رہے۔ حلیمہ کا وہ دن انتظار و اضطراب میں گذرا، رات ہوئی اور بچے صحراء سے آگئے تو حلیمہ نے ان سے کہا:

آج میرا سارا دن تمہاری یاد میں گذرا، ہر لمحہ تمہارا ہی تصور رہا۔ خداوند عالم ہر روز رسولؐ کی عظمت کو قبیلہ کے درمیان اپنی آیات کے ذریعہ روشن کر رہا تھا۔ بھیڑ بکریاں بھی آپ سے مانوس تھیں خطرہ کے وقت آپ کے پاس جمع ہو جاتی اور آپ کے اشاروں پر چلتی تھیں۔

ایک روز بیابان میں اس جگہ پہونچ گئے جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہاں درندے رہتے ہیں۔ شیر غرا کر بھیڑ بکریوں کی طرف بڑھا۔ ان پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ لیکن جب شیر نے محمدؐ کو دیکھا تو سر جھکا کر بھاگ گیا۔ دوسرے بھائی آپ کے پاس آئے اور پوچھا: کیا ہوا؟

ہم ڈر گئے تھے کہ کہیں شیر آپ کو صدمہ نہ پہونچا دے لیکن لگتا ہے کہ آپ اس سے قطعی خوف زدہ نہیں ہوئے۔ اسی زمانہ میں حلیمہ نے خواب دیکھا کہ بچہ کو دادا کے پاس پہونچا دو۔ چونکہ حلیمہ ڈرتی تھی کہ کہیں کوئی حادثہ رونما نہ ہو جائے اس لئے بچہ کو جلد از جلد مکہ پہونچانے کا ارادہ کیا۔ لیکن شوہر نے انھیں سمجھاتے ہوئے کہا: تم محمدؐ کے بارے میں نہ ڈرو کہ خدا اس کا نگہبان ہے۔

ہمیں بھی احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ تمہارا خواب، پراگندہ خیالوں میں سے ہے۔

دوسرے دن جب محمدؐ بھائیوں کے ساتھ صحراء جانا چاہتے تھے، حلیمہ نے کہا: نورِ چشم آج صحراء نہ جاؤ، میرے پاس ہی رہو، آج میں تمہارے نور سے زیادہ مستفید ہونا چاہتی ہو۔ تم روز صبح کو ماں سے جدا ہوتے ہو اور رات کو واپس آتے ہو۔

اماں! آپ پریشان نہ ہو خدا کے علاوہ کوئی شخص بھی مجھے نفع نقصان پہونچانے پر قادر نہیں ہے۔ بچہ بھائیوں کے ساتھ چلا گیا لیکن اس کے اشتیاق میں حلیمہ کا دل دھڑکتا رہا۔ حلیمہ نے طے کیا کہ بنفسِ نفیس عبد المطلب کی امانت واپس کریں گی۔ بچہ سے کہا: بیٹا تمہارے دادا اور چچا تمہارے دیدار کے مشتاق ہیں۔ ان کے پاس چلنا چاہتے ہو؟ چلیئے۔

حلیمہ مکہ کی طرف روانہ ہوگئیں۔ ادھر عبد المطلب نے بھی کسی کو بھیجا تھا کہ بچہ کو مکہ لے آئیے۔ حلیمہ پوری طرح بچہ سے ہوشیار تھیں یہاں تک کہ ان کا گذر ایسے قبیلہ کے پاس سے ہوا جن میں ایک ضعیف العمر کاہن تھا۔ جسکی ابرو آنکھوں پر لٹک آئی تھیں جب بچہ وہاں سے گذرا تو وہ بے ہوش ہو گیا، جب ہوش میں آیا تو اس نے قبیلہ والوں سے کہا:

اس عورت کو پکڑو اور اس کے ساتھ جو بچہ ہے اسے پکڑ کر قتل کردو کہ وہ تمہارے لئے خطرناک ہے۔ حلیمہ نے اچانک خود کو مردوں کے محاصرہ میں دیکھا لیکن خدا نے انھیں ان کے شر سے محفوظ رکھا مکہ کے نزدیک پہونچے تھے کہ حلیمہ نے بچہ کو ایک جماعت کے پاس چھوڑا اور خود کسی کام سے چلی گئیں واپس آئی تو بچہ وہاں نہیں تھا۔ ان لوگوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔ انھوں نے پوچھا کہ بچہ کا نام کیا ہے؟

کہا: محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف۔ حلیمہ نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا: خدا کی قسم اگر وہ نہ ملیں گے تو میں خود کو اس دیوار سے گرا کر خودکشی کر لوں گی۔ انھیں بچہ کی کوئی خبر نہیں تھی وہ کیسے حلیمہ کو دیتے، حلیمہ کی بے تابی بڑھتی ہی جا رہی تھی وہ سر پیٹ رہی تھیں، اسی وقت ایک ضعیف العمر آدمی ان کے پاس آیا اور کہا: کیا ہوا جو اتنی پریشان ہو؟

میرا بیٹا محمد گم ہو گیا ہے نہیں معلوم کہ انھیں کیا ہوا؟ پریشان نہ ہو، میں تمہیں ایسے آدمی کے پاس لے چلتا ہوں جو یہ جانتا ہے کہ وہ کہاں ہے؟ آپکی مہربانی ہوگی۔ ضعیف العمر آگے آگے اور حلیمہ پیچھے پیچھے چلی یہاں تک کہ دونوں کعبہ کے پاس پہونچ گئے۔ ہبل ایک بڑا بت تھا جو خانہ کعبہ کے اندر رکھا ہوا تھا ضعیف العمر آدمی ہبل کو تمام بتوں سے زیادہ قوی سمجھتا تھا لہٰذا اس نے اس کے سامنے کھڑے ہو کر کہا: اے ہبل محمدؐ کہاں ہیں؟

ہبل میں نام محمدؐ سننے کی طاقت نہیں تھی لہٰذا اس نام کو سنتے ہی زمین پر گر پڑا، بوڑھے پر بھی خوف طاری ہو گیا۔ حلیمہ کہتی ہیں: مجھے ایسا محسوس ہوا کہ بچہ کو کوئی عبد المطلب کے پاس لے گیا، میں عبد المطلب کی خدمت میں پہونچی۔ جب عبد المطلب کی نظر ان پر پڑی تو پوچھا: کیا ہوا؟

میں محمد کو مکہ لائی تھی لیکن مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی انھیں گم کر دیا۔ ڈرتی ہوں کہ کہیں کاہنوں نے ان کے لئے غلط منصوبہ نہ بنا لیا ہو۔ عبد المطلب نے بآواز بلند کہا: اے آل غالب! عبد المطلب کے خاندان والے اس نام کو مبارک سمجھتے تھے۔ وہ یہ آواز سنتے ہی ہر طرف سے ان کی طرف دوڑتے ہوئے آئے۔ عبد المطلب نے ان سے کہا:

حلیمہ میرے بیٹے محمدؐ کو مکہ لائی تھی لیکن اسے درِ کعبہ پر بٹھا کر کسی کام سے چلی گئی تھی جب واپس آئی تو محمد کو وہاں نہ پایا۔ ڈرتا ہوں کہ کاہن یا جادوگر میرے بچے کو گزند نہ پہونچائیں۔ ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔ آپ کے حکم سے خشک و تر کو زیر و زبر کر دیں گے۔

اس کے بعد وہ حلیمہ اور عبد المطلب کے گم شدہ بچے کی تلاش میں نکل پڑے لیکن تلاش بسیار کے باوجود بچہ کا کہیں پتہ نہ چلا۔ عبد المطلب مسجد الحرام میں پہونچے سات مرتبہ کعبہ کا طواف کیا اور پردہ کو پکڑ کر خدا سے راز و نیاز میں مشغول ہوئے اس راز و نیاز سے آپ کی نورانیت و صفا میں بے پناہ اضافہ ہوا ہاتف نے غیب سے ندا دی: اے عبد المطلب' اپنے بیٹے کی طرف سے آپ پریشان نہ ہوں وہ وادی دعایہ میں کیلے کے درخت کے نیچے آرام کر رہے ہیں۔

عبد المطلب کو غیبی الہام سے نیا شرف حاصل ہوا تھا۔ وادی کی طرف روانہ ہوئے۔ دیکھا کہ پوتا درخت کے نیچے بیٹھا ہے اور سامنے میوے رکھے ہوئے ہیں، بچے کے قریب گئے، گلے لگایا، معصوم چہرہ کو بوسہ دیا اور کہا: بیٹا! یہاں تمہیں کون لایا ہے؟

گویا مقدر یہ تھا کہ قریش کے کمسن بچہ کی ساری زندگی حیرتوں سے معمور ہو اور اس قسم کے رونما ہونے والے حوادث کے نتیجہ میں لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتا رہے اور انھیں اپنے مستقبل کے انقلاب سے آگاہ کرے۔ یہ حادثہ بھی رسولؐ کی زندگی کی حیرت انگیز باتوں میں سے ایک ہے کیونکہ اپنے دادا کو جواب دیا۔ مجھے سفید پر والے پرندہ نے یہاں پہونچایا ہے۔ شدید بھوک اور پیاس لگی ہوئی تھی، یہ میوے کھائے اور پانی سے پیاس بجھائی،

سفید پروالا پرندہ جبرئیل امین تھے۔

حلیمہ نے اپنے رضاعی بیٹے کی حیرت انگیز باتوں میں سے کچھ عبدالمطلب کے سامنے بیان کیں۔ عبدالمطلب نے کہا: یہ کوئی اہم بات نہیں ہے کیونکہ اس کی والدہ نے مجھے بتایا ہے کہ ولادت کے وقت آسمان پر اس کی صورت کا نور چمکتا تھا۔

اس طرح حلیمہ نے بہت بڑی ذمہ داری پوری کی اور سارے انسانوں کی اس عظیم امانت کو اس کے خاندان کے سپرد کر دیا۔ اس پورے زمانہ میں حلیمہ یہ محسوس کرتی رہی کہ ان کی حفاظت غیب والا کرتا ہے۔ خداوند عالم سورۂ انشراح میں فرماتا ہے:

الم نشرح لك صدرك و وضعنا عنك وزرك
الذی انقض ظهرك و رفعنا لك ذكرك
فانّ مع العسر يسرا ان مع العسر يسرا فاذا
فرغت فانصب والی ربك فارغب

کیا ہم نے آپ کا سینہ کشادہ نہیں کیا؟ کیا ہم نے آپ کی پشت سے سنگین بار نہیں اتارا اور آپ کا نام روشن نہیں کیا؟ بے شک سختی کے ساتھ آسانی ہے، جی ہاں سختی کے ساتھ آسانی ہے۔ اب جبکہ آرام پا چکے تو سختیوں کے لئے تیار ہو جاؤ اور اپنے پروردگار کی طرف راغب رہو۔[۱]

---

[۱] بحارالانوار طبع جدید ج ۵ / ص ۳۷۱ اور اس کے بعد

حضرت آمنہ

رسولؐ کی والدۂ ماجدہ

وہب اپنی شریک حیات کے پاس گئے اور کہا:

"آج عبد المطلب کے بجھلے بیٹے عبداللہ نے ایسے کارنامے انجام دیئے کہ ان کو دیکھ کر میں انگشت بدندان رہ گیا۔ یہودیوں کے ایک گروہ نے دھوکہ سے ان پر حملہ کر دیا تھا۔ وہ انھیں قتل کرنا چاہتے تھے، لیکن عبداللہ نے ان کے بزدلانہ حملوں کا تنِ تنہا جواب دیا اور ان میں سے کئی آدمیوں کو ہلاک کر دیا۔ ایسا حسین وجمیل اور باکمال جوان میں نے نہیں دیکھا۔ تم ان کے والد کے پاس جاؤ اور عبداللہ سے اپنی بیٹی آمنہ سے شادی کا پیغام دو! ہو سکتا ہے اس جوان کی وجہ سے ہمارے خاندان کی عزت بڑھ جائے"۔

وہب کی بیوی خود کو اس لائق نہیں سمجھتی تھی کہ انھیں عبداللہ جیسا داماد ملیگا۔ لہٰذا اس نے کہا:

"مکہ کے شرفاء اور رئیس ان سے اپنی لڑکی منسوب کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں، لیکن عبد المطلب نے ان میں سے کسی کا رشتہ قبول نہیں کیا ہے، یہاں تک عراق و شام کے بادشاہوں اور بڑے لوگوں نے بھی ان سے اس سلسلہ میں

فاطمہ

مائل انجلو اٹالیائی

آئے دن دنیا کے گوشہ و کنار میں ایسے روشن فکر ابھرتے ہیں جو اسلام کی حقانیت کا سراغ لگا کر اپنے پرانے دین کو تمام باطل عقاید اور برے اخلاق کے ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور زندگی کے لذت بخش و جدید مرحلہ میں داخل ہوتے ہیں۔

عورتیں بھی اس کارواں سے پیچھے نہیں رہی ہیں۔ حقیقت کی تشخیص کے سلسلہ میں ان کا جو فریضہ ہے اسے انہوں نے انجام دیا ہے۔ جن عورتوں کو یہ افتخار حاصل ہوا ہے ان میں سے ایک مایل انجلو اٹالیائی بھی ہے وہ فخر و مباہات میں غرق ہونے کی حالت میں کہتی ہے:

دین اسلام کو میں نے تمام ادیان سے اور مسلمانوں کو دنیا کی قوموں سے بلند پایا ہے۔ میں نے دین فطرت کو قبول کر لیا ہے اور اب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میں نے نئی زندگی پائی ہے۔"

اس سرفراز و شیر دل عورت کے طرز فکر اور زندگی سے متعارف ہونے کے لئے ہم یہاں دنیائے اسلام کے ایک جریدہ سے اس مقالہ کا ترجمہ پیش کرتے ہیں جو فاطمہ کے بارے میں لکھا گیا ہے۔

اس عورت نے پہلے حالات و ماحول کے اقتضا کے مطابق اپنی نصف زندگی ایسے کاموں میں بسر کی کہ جنھیں غلطی سے فن اور ہنر کا نام دیدیا گیا ہے۔ لیکن اس خاتون نے ان اکثر لوگوں کے برخلاف — جو کہ ماحول کے بندے اخلاقی کیفیت کے تابع اور معاشرے کی رسم وراہ کے میں جکڑے ہوئے ہیں — اپنے علم و نظر کی روشنی میں خود کو مغرب و یورپ کے معاشروں کے ناپسند آداب و رسوم سے نجات دلائی اور مصر کے ایک مختصر سفر کے دوران دین اسلام قبول کیا اور اپنا نام فاطمہ رکھا۔

یہ پڑھی لکھی لڑکی اپریل ۱۹۷۱ء کو اسلامی مسائل کی مزید تحقیق کے لیے مصر گئی۔ وہ کہتی ہے:

اس سفر میں اس بات کا قطعی احتمال نہیں تھا کہ مستقبل قریب میں وہ مسلمان ہو جائے گی حق جو لیکن اسلام کے سلسلہ میں تحقیق و تجزیہ اور مسلمانوں کے اخلاقی و روحی مطالعہ نے اس کی حق جو آنکھوں سے تعصب و خرافات کے پردے ہٹا دیئے اور اس نے کھلے دل سے اسلام قبول کر لیا۔

وہ کہتی ہے:

"میں نے شہر سے باہر مصر کی ایک چھوٹی سی مسجد میں مختصر جماعت کے سامنے نہایت سادگی کے ساتھ اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔ اس دن کے بعد سے اسلام کی طرف رجحان میں شدت پیدا ہو گئی، میں نے دیکھا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت فریضہ نماز کی ادائیگی کے لئے مسجد کی طرف جا رہی ہے، مسجد پہونچتے ہیں انھوں نے جوتے اتارے اور نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ مسجد میں داخل ہوتے ہیں اور پھر متعدد اور طویل صفوں میں تنظیم و روحانیت کے ساتھ کھڑے ہو جاتے ہیں اور امام کے اتباع میں کبھی رکوع میں، کبھی قیام کی حالت میں اور کبھی سجدہ میں

جاتے ہیں۔

حقیقت میں یہ منظر میرے لئے بڑا ہی دلچسپ اور روح پرور تھا، یہ توجہ دیئے بغیر نماز کے لئے ایک دوسرے کے برابر میں کھڑے ہو گئے تھے اور نہایت ہی خضوع کے ساتھ انہوں نے اپنی عبادت ختم کی۔

میری نظر میں مسلمانوں کی نماز جماعت ایک آسمانی و انسانی درس تھا اس طرح ہر طبقہ و نسل کے آدمی سن و سال کے فرق اور لباس و جگہ کے اختلاف کے ساتھ عملی طور پر مساوات و برابری کی تقویت کرتے ہیں۔

اس وقت مجھے یہ احساس ہوا کہ میرے اندر ایک ولولہ ہے جو ان کی طرف بڑھنے پر مجبور کر رہا ہے۔ اس چیز کو ضبط کرنے کی میرے اندر طاقت نہیں تھی اور میں یہ نہیں جانتی تھی کہ میرے ضمیر میں یہ جوش و خروش کیوں ہے؟ اس کے بعد بھی مستقل اپنے نفس سے محو گفتگو رہتی تھی گویا کہ میرے باطن سے ایک حسرت آمیز اور ملتمسانہ آواز اٹھکر میرے کانوں سے ٹکراتی تھی، کاش تم بھی ان مسلمانوں کی مانند ہوتی اور اسلامی معنویت و مساوات سے فائدہ اٹھاتی!

کچھ دنوں کے بعد پھر مسلمانوں کی نماز جماعت کا منظر دیکھنے اور ان میں سے بعض سے گفتگو کرنے کے قصد سے اس مسجد کی طرف گئی۔ اس دفع میں سنجیدگی سے ایک دوسرے سے ان کا برتاؤ اور عام سلوک دیکھنا چاہتی تھی اسی دوران میں نے آئندہ کے لئے دوستی اور ملاقات کا راستہ ہموار کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس روز میں نے مسلمانوں سے ملاقات اور ان کے سلوک سے جو نتیجہ اخذ کیا وہ مہر و محبت اور انسانی ہمدردی تھی۔ میری نظر میں وہ

پاک و پرہیزگار لوگ ہیں اور خدا پر ایمان رکھنے کی وجہ سے کٹھورپن اور بے ہودگی سے پاک ہیں۔ ان کی فکر سالم ہے اور باطنی طور پر مطمئن ہیں۔ میں نے یہ محسوس کیا کہ ان میں سے میں جس سے بھی بات کرتی ہوں وہی شریف پاک طینت، دوغلے پن اور بدخلقی سے پاک ہے۔

دن گذرتے جارہے تھے اور میں اسی طرح اس فکر میں تھی کہ مسلمانوں کو کس چیز نے، مختلف نسل ہونے کے باوجود ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا ہے اور ان میں اتحاد پیدا کر دیا ہے۔ اس کے برخلاف مغرب والوں سے مشینی تمدن نے انسانی ہمدردیاں اور مہر و محبت سلب کر لی ہے۔

میں نے سوچا کہ اسلام کو اچھی طرح سمجھنے اور اسے اختیار کرنے کے لئے اور زیادہ تحقیق کرنی چاہیئے اور اس آسمانی آئین کے حقائق و قوانین کو غور و فکر اور متعلقہ کتابوں سے سمجھنا چاہیئے۔

شروع میں میں نے چند وجوہ کی بنا پر ان کتابوں کا مطالعہ کیا جو غیروں نے اسلام اور قرآن کے بارے میں لکھی تھیں باوجودیکہ اسلام کے بارے میں ان کی تحریریں خود غرضی اور بدگوئی سے خالی نہیں ہیں لیکن پھر بھی ان کی تحریروں میں اسلام کے تابناک حقائق اور قرآن کے محکم و متقن مطالب تلاش کئے جا سکتے ہیں اگرچہ اسلامی ممالک کے سفر سے واپسی کے بعد اسلام کے بارے میں میری تحقیق کی راہ میں بہت سی رکاوٹیں پیدا ہوئیں اور میں ایسی اسلامی کتابیں حاصل نہ کر سکی جو کہ مسلمان دانشوروں نے لکھی ہوں، لیکن پراگندہ طور پر دشمنان اسلام کی تالیفات سے جو میں تحقیق کرتی تھی اس سلسلہ میں وہی کافی تھی۔ اس سے نئے آئین کی نسبت جس قدر میرا اعتقاد اور محکم ہوتا جاتا تھا اسی تناسب سے میں مسیحیت اور یورپ و

مغرب کے غلط آداب و رسوم سے متنفر ہوتی جاتی تھی۔

اب میری نظروں میں مشینی اور یورپ کا چہرہ و تمدن اس قدر منفور ہو چکا تھا کہ میں خود سے بھی اس لئے بیزار تھی کہ میں اس قوم اور سرزمین سے ہوں حقیقت میں اسی مشینی تمدن کی وجہ سے ــ مغرب والوں کی جھوٹی تبلیغ کے برخلاف ــ اہل مغرب اور یورپین خرافات میں پڑے اور اوہام پرستی کا شکار ہوئے ہیں اب ان میں انسانی مہر و محبت کی بو بھی نہیں ہے۔

اسلام و قرآن کے آئین و معارف سے آشنائی کی بنا پر میری نظر میں گہرائی پیدا ہوئی اور اس آشنائی نے تخلیقِ کائنات اور فلسفہ وجود کے سلسلہ میں جو میرا نظریہ تھا۔ اسے از سر بدل دیا اور میں نے یہ محسوس کیا کہ مسیحیت کے آئین کے برخلاف اسلام کی تعلیمات کی رو سے انسان ایک باوقار و اہم موجود ہے وہ آلودہ و غلیظ موجود نہیں ہے۔

جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کر چکی ہوں کہ شروع میں، پہلی آشنائی کے باوجود جن عوامل نے مجھے اس ابدی آئین کی طرف کھینچا ہے ان میں سے ایک عاطفی عامل تھا۔ لیکن حقیقت میں یہ ایک وسیع فکری انقلاب کا آغاز تھا جو مدتوں بعد میرے وجود میں رونما ہوا۔ اس فکری انقلاب کا پہلے سے کوئی منصوبہ نہیں تھا اور نہ ہی کسی سے کوئی صلاح مشورہ تھا۔ میں نے تنہا تحقیق و جستجو کے سہارے اور اسلام کی راہنمائیوں کی مدد سے جہل و تعصب کے پردوں کو چاک کیا اور اس آئین کو اختیار کر لیا کہ جس کو دنیا والے انسانی معاشروں کی مشکلات حل کرنے والے آئین کے لحاظ سے منتخب کر سکتے ہیں۔

اس آسمانی آئین کی جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے

وہ یہ ہے کہ ایک طرف تو اس میں پیچیدہ اور مبہم مطالب نہیں ہیں۔ دوسری طرف وسیع و جامع ہے۔ اسلام ہی وہ آئین ہے جو کہ ہر زمانہ میں بشر کی روحی و جسمی تمام ضرورتوں کو پورا کر سکتا ہے۔ اس کے زندہ و پرکار قوانین کے اندر یہ صلاحیت ہے کہ یہ انسانی معاشروں کی تمام علوم و فنون میں ترقی کے باوجود ان کی ہدایت و راہبری کر سکتا ہے۔

اب میں ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے دنیا کے تمام مسلمانوں تک یہ بات پہنچاتی ہوں کہ ہمارا آسمانی آئین ـــ اسلام ـــ دوسرے تمام آسمانی ادیان سے افضل ہے اور دشمن کے پروپیگنڈہ کے برخلاف اور بعض مسلمانوں کی آپس میں ایک دوسرے سے بدظنی کے باوجود ملّتِ اسلامیہ تمام اقوام اور بڑے مذاہب کے ماننے والوں میں، آدابِ معاشرت اور مذہبی رسوم کی پابند رہی ہے اور انسانی مہر و محبت سے سرشار ہے مسلمان آسمانی کتاب ـــ قرآن ـــ کے حکم کے مطابق رسول اکرمؐ کو انسان ہی سمجھتے ہیں کہ جن کو خدا نے تبلیغ رسالت اور انسانوں کی ہدایت کے لئے چنا ہے۔

پیغمبر اسلام کی آسمانی کتاب کا نام قرآن ہے۔ اس کتاب میں دستور زندگی، اس دنیا کی لذتوں سے لطف اندوز ہونے کے طریقے اور اس میں جینے کے ڈھنگ دلچسپ اور معقول انداز میں بیان ہوئے ہیں۔

اس دینِ فطرت کو قبول کرنے کے بعد مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ مجھے نئی زندگی ملی ہے اور میں ایک وسیع دنیا میں ہوں۔[۱]

---

[۱] اس مقالہ کا عربی متن جریدہ "حضارۃ الاسلام" کے شمارہ ۴ سال ۱۴ میں شائع ہوا ہے۔

جمیلہ

عبداللہ بن ابی بکر کی بیٹی

ایسے مسلمان بہت کم ہوں گے جنہوں نے عبداللہ بن ابی بکر کا نام نہ سنا ہو اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اس کی ریشہ دوانیوں سے باخبر نہ ہوں وہ منافق پارٹی کا سرغنہ تھا۔ وہ ہمیشہ اسلام کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

ایک بار جب مسلمان جنگ سے واپس لوٹ رہے تھے تو انصار و مہاجرین کے درمیان اختلاف رونما ہوگیا۔ ابن ابی بکر نے اس اختلاف کو ہوا دینے کی پوری کوشش کی اور انصار کو مہاجرین یہاں تک کہ رسول اکرمؐ کے خلاف اتنا زیادہ بھڑکایا کہ وہ مدینہ لوٹ کر انھیں شہر سے نکال دیں۔ سورۂ منافقین کی آیت ۹ میں خدا نے اسکی ریشہ دوانیوں کو اپنے رسولؐ سے اس طرح بیان کیا ہے؛

کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹ کر مدینہ پہنچے تو جو عزت دار و مقتدر ہیں وہ ذلیل اور فرومایہ لوگوں کو ضرور اپنے شہر سے نکال دیں گے۔ حالانکہ عزت خدا، اس کے رسولؐ اور مومنوں سے مخصوص ہے۔ مگر منافقین نہیں جانتے۔

اس طرح عبداللہ بن ابی بکر ذلیل ہوا۔ یہاں تک کہ اس کے بیٹے نے

رسول اکرمؐ سے درخواست کی کہ اسے قتل کرنے کی مجھے اجازت دیجئے لیکن رسول اکرمؐ نے اجازت نہ دی۔ مدینہ لوٹنے کے بعد بیٹا باپ کے گھر کے دروازہ پر تلوار لے کر کھڑا ہوگیا اور کہا: رسولؐ سے اجازت حاصل کرو، ورنہ میں گھر میں داخل نہیں ہونے دوں گا۔ عبداللہ کے عزیز رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عبداللہ کے لئے اجازت حاصل کی۔[1]

اس شخص کی اولاد ایسی ہوئی کہ اسلام نے جوانی اور فکر و روح کی پاکیزگی کے زمانہ میں ان کی بہترین تربیت کی۔ اجمالی طور پر اس کے بیٹے کی شخصیت سے آپ واقف ہو چکے ہیں اب اس کی لڑکی کا تعارف کراتے ہیں جو کہ اپنے عہد کی بہترین ماؤں اور لائق بہنوں میں سے ایک تھی۔

اس کی سرفرازیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس کا عقد اسلام کے عظیم شہید حنظلہ سے ہوا تھا۔ معمول کے مطابق یہ صالحہ اور پاکیزہ لڑکی رخصت ہوکر اپنے شوہر کے گھر جانا چاہتی ہے۔ شادی و رخصتی کے اسباب فراہم ہوگئے ہیں لیکن تاریخ اسلام کی درخشاں لڑائی، جنگ احد چھڑ گئی، شب زفاف میں رسولؐ نے سب کو آمادہ ہونے کا حکم دیا، اس فرمان کے مطابق شمشیر زن افراد کو دشمن کے مقابلہ کے لئے نکلنا ہے جو کہ شہر کے نزدیک پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔

حنظلہ اب دوراہے پر کھڑے ہیں۔ ایک طرف رحمت اٹھا کر شادی کے مراحل طے ہوئے ہیں اس میں تاخیر کرنا شاید ممکن نہ ہو۔ شب زفاف، خصوصاً ایک عفیف و پاکیزہ جوان کی دیرینہ تمنا ہوتی ہے۔ لیکن دوسری طرف جہاد

---

[1] بحار الانوار طبع جدید/ج ۲۰ ص ۲۵۴

اتنا عظیم فریضہ ہے کہ جس کو کوئی شخص بھی عذر شرعی کے بغیر ترک نہیں کر سکتا۔

حنظلہ کا ایمان اتنا قوی ہے کہ وہ کسی بھی قیمت پر مجاہدین اسلام کی صف سے الگ ہو کر قاعدین میں شامل ہونے پر راضی نہیں ہیں۔ ان کی سمجھ میں صرف یہ طریقہ آیا کہ رسول اکرمؐ سے اجازت لے کر اس رات کو مدینہ میں بسر کریں اور زفاف کی رسمیں ادا کر کے طلوع آفتاب سے قبل اور جنگ شروع ہونے سے پہلے لشکر میں شامل ہو جائیں۔ مدینہ سے احد تک زیادہ فاصلہ بھی نہیں ہے۔

حنظلہ نے رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اجازت طلب کی رسولؐ نے ان اختیارات کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو کہ خدا نے آپؐ کو مرحمت فرمائے ہیں اجازت دیدی۔[1] حنظلہ کے لئے یہ سنہری موقعہ تھا کیونکہ ایک طرف تو رہبر کی طرف سے معشوق سے وصال کی اجازت مل گئی تھی اور دوسری طرف معشوق سے وصال کے بعد وہ اپنی آئیڈیالوجی کے سلسلہ میں فداکاری کر سکتے ہیں۔

رات کو دلہن کو وداع کر کے شوہر کے گھر لایا گیا وہ رات اس باایمان جوڑے کی اہم رات تھی۔ مثل ہے کہ شب زفاف صبح بادشاہت سے کم نہیں ہے لیکن تقدیر میں یہ لکھا تھا کہ حنظلہ و جمیلہ کی پہلی اور آخری رات ہے۔

عبداللہ کی بیٹی ایمان کی طاقت سے اس حقیقت کو جان گئی تھی۔ کیونکہ جب حنظلہ ہمیشہ کے لئے اپنی دلہن سے وداع ہونے لگے تو اس نے

---

[1] سورۂ نور آیت / ۶۲

انصار میں سے چار آدمیوں کو گواہی کے لیے بلایا اور ان سے کہا:

"آپ لوگ گواہ رہیں کہ آج کی رات میں نے اپنے شوہر کے پاس بسر کی ہے ممکن ہے اس بابرکت وصال کے نتیجہ میں خدا میری گود بھر دے۔ اور لوگ مجھے متہم کریں اور مجھے اور میرے معصوم بچہ کو صدمہ پہنچائیں"۔ گواہوں نے بھی پورے علم و اطلاع کے مطابق یہ بات قبول کرلی۔

حنظلہ کا دماغ میدان جنگ کی طرف تھا، عاشقانہ طور پر خود کو اسلحہ سے لیس کیا اور اپنی دلہن سے رخصت ہوئے۔ عبداللہ کی بیٹی — جمیلہ — نے جو کہ بصیرت اور اسلام و ایمان سے عشق کے ساتھ اپنے شوہر کا بدرقہ کر رہی تھی، ساتھ چلنے والوں سے کہا:

مجھے یقین ہے کہ اس کے بعد اپنے شوہر سے میری ملاقات نہ ہوگی۔ وہ اسلام پر قربان ہو جائیں گے۔ میں نے چار اشخاص کو اس لیے گواہ مقرر کیا تاکہ کل کوئی مجھ پر آوارگی کی تہمت نہ لگائے۔ کل رات میں نے اس سے متعلق ایک خواب دیکھا ہے لوگ حنظلہ کی دلہن سے جلد از جلد وہ خواب سننا چاہتے تھے۔ اس نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا آسمان شگافتہ ہو گیا اور حنظلہ اس شگاف میں داخل ہو گئے اور شگاف بند ہو گیا۔ اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ میرا شوہر میدان جنگ میں مارا جائے گا۔

جمیلہ کی پیشین گوئی صحیح تھی۔ حنظلہ نے شہادت پائی اور خدا نے جمیلہ کو ایک فرزند عطا کیا جس کا نام عبداللہ رکھا۔ عبداللہ کو ایمان و اخلاص اور جنگجوئی کی صلاحیت باپ سے میراث میں ملی تھی۔ پاک دامن و کم نظیر ماں کے دامن میں پرورش پائی اور اسلام کے نمایاں آدمیوں میں شمار ہوئے۔

خط و کتابت کی ہے، مگر مایوسی کے علاوہ انھیں کچھ بھی نصیب نہیں ہوا ہے کیا اس کے باوجود عبداللہ ہم جیسے غریبوں کی لڑکی سے شادی کر سکتے ہیں؟"

"پھر بھی تمہیں ناامید نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ میں نے عبداللہ کے خاندان والوں کو ان پر یہودیوں کے حملہ کرنے کی خبر دی ہے لہٰذا ان کی نظروں میں میرا احترام ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ میرے اس مخلصانہ کام کی وجہ سے ہماری بات کو رد نہیں کریں گے۔"

وہب کی بیوی، نیا لباس پہن کر یاس و اُمید کی کیفیت کے ساتھ عبدالمطلب کے گھر گئی۔ خوش قسمتی سے عبدالمطلب اس وقت اپنے بیٹوں سے یہودیوں کے حملہ کے سلسلہ میں گفتگو کر رہے تھے۔ عورت نے موقعہ کو غنیمت سمجھا، عبدالمطلب اور ان کے بیٹوں کے حق میں دعا کی جواباً عبدالمطلب نے بھی اسے دعا دی اور اس سے محبت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: "آج تمہارے شوہر نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے! ہم کبھی اس کا عوض نہیں دے سکیں گے۔ ان کی زحمتوں کے ہم تہہ دل سے شکر گذار ہیں۔"

عبدالمطلب کے طرز گفتگو سے وہب کی بیوی کو یقین ہوا کہ عبدالمطلب ہماری پیشکش پر غور کریں گے۔ عبدالمطلب نے مزید کہا:

"ہماری طرف سے اپنے شوہر کو بہت بہت سلام کہئے اور کہئے کہ اگر ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیں، انشاء اللہ انجام دیں گے۔"

عورت نے موقعہ غنیمت سمجھا اور عبدالمطلب سے اصل مدعا بیان کیا، نیز کہا: "میں چاہتی ہوں کہ آپ ہمیں خوش کر دیں۔ مجھے معلوم ہے کہ شام و عراق اور دوسری جگہوں کے رؤسا کی لڑکیاں عبداللہ کے حبالۂ نکاح میں آنے کو اپنے لئے باعث

عبد اللہ کے لیے یہی فخر کافی تھا کہ لوگ اس کے والد کو "غسیل الملائکۃ" کہتے تھے، یہ لقب انہیں رسول اکرمؐ نے دیا تھا۔ کیونکہ جب حنظلہ، حمزہ، عبد اللہ بن حزام اور انصار کی ایک جماعت کے سامنے شہید ہوئے تو رسول اکرمؐ نے فرمایا: "میں نے دیکھا کہ فرشتوں کی جماعت حنظلہ کو غسل دے رہی ہے۔

مدینہ میں یزید بن معاویہ کے خلاف انقلاب کے زمانہ میں عبد اللہ اور ان کے چار بیٹے شامی خونخواروں سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔ اس طرح حنظلہ کی نسل ختم ہوگئی اور پے در پے ان کی تین پشت دینی جنگوں میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئیں۔ یہ واقعہ ۶۳ھ میں رونما ہوا۔[1]

---

[1] بحار الانوار طبع جدید ج ۲۰ ص ۵۹ الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ حرف العین۔ (عبد اللہ بن حنظلہ)

شطیطہ نیشاپوری

حقیقت کو پہچان لینا اور اسے اختیار کر لینا انسان کے لئے بہت بڑا فخر ہے بلکہ ہر انسان کے لئے جداگانہ امتیاز ہے۔

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن میں انتخاب و تشخیص کی صلاحیت نہیں ہوتی وہ حق کو باطل سے جدا نہیں کر پاتے۔ یہ "مستضعفین" کا طبقہ ہے، ہمیں چاہئے کہ انھیں نجات دلانے کی کوشش کریں۔ ان کے افکار و خیالات کو صحیح سمت دیں اور ان کی راہنمائی کریں تاکہ وہ اپنی کمی کو پورا کر سکیں اور اس عظیم امتیاز سے محروم نہ رہیں۔ ان کے اندر بس یہی عیب ہے۔

یہ اپنی باطنی اور روحانی گناہگاری، آلائش کی وجہ سے نقصان اٹھاتے ہیں اور انھیں جو سزا ملتی ہے اس کا سبب خدا کی نافرمانی اور دینی قوانین کی خلاف ورزی نہیں ہوتی ہے بلکہ اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے فائدہ و ضرر کو صحیح طور پر نہیں سمجھ پاتے ہیں۔ وہ اس لئے نقصان و ابتلا میں رہتے ہیں وہ دوست کو دشمن اور دشمن کو دوست سمجھتے ہیں اور دوست نما دشمنوں سے ناقابل تلافی نقصان اٹھاتے ہیں۔

بعض لوگوں کو یہ آرزو کرتے دیکھا گیا ہے کہ کاش وہ کچھ نہ جانتے وہ اس بات کی طرف متوجہ نہیں ہو پاتے کہ وہ سب سے زیادہ لاچار ہیں۔

نادانی اور بے خبری کی وجہ سے یہ لوگ جو نقصان اٹھاتے ہیں۔ وہ اس نقصان سے کہیں زیادہ سنگین ہوتا ہے جو تعلیم یافتہ اور فہیم افراد کجروی کی بنا پر اٹھاتے ہیں اور جان بوجھ کر اپنے نفع وضرر کی طرف بڑھتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ پڑھے لکھے افراد کی ذمہ داری سنگین ہے اور نافرمانی پر انھیں سخت ترین عذاب دیا جائے گا، بہرحال کامیابی وخوشبختی کے دروازے ان پر کھلے ہوئے ہیں۔

پسماندہ اور استعمار کی شکار قوموں نے ان کے ہاتھوں جو نقصان اٹھائے ہیں اس کا سبب خود ان کی روح کی کمزوری ہے۔ قرآن مجید اس گروہ کو نجات دلانے کے لئے تعلیم یافتہ لوگوں کو آمادہ کرتا ہے اور ان کے لئے قتل کرنے اور ہو جانے کو فضیلت سمجھتا ہے اور اس جہاد سے پہلو تہی کرنے پر ملامت و مذمت کرتا ہے۔[۱]

دوسرے گروہ کو ملاحظہ کیجئے وہ فہیم اور سنجیدہ ہونے کے باوجود خطا اور غلطی کا مرتکب ہوتا ہے۔ ان کے اندر ایک دوسرا نقص، ایمان کی کمی، ہے ان پر ہوا وہوس اور طمع وشہوت غالب ہے۔ وہ ایمان وعقل کے نور سے استفادہ نہیں کرنا چاہتے اور پاک و سالم نہیں رہنا چاہتے۔ یہ اپنے شیطانی اعمال کی توجیہ کرنے اور دوسروں کو قصوروار ٹھہرانے کے لئے مغالطوں اور سفسطوں سے کام لیتے ہیں۔ ان مغالطوں اور سفسطوں کے نتیجہ میں یہ خود ہی فریب کھاتے ہیں۔

لیکن نیشاپور کی اس شیردل خاتون میں اس وقت بھی دونوں امتیاز موجود تھے کہ جس تاریک ماحول میں بنی عباسیوں کی حکومت وسیاست منصور اور اس کے کارندوں کی فریب کاری ومفاد پرستی اور منفعت طلبی، تہوّرانی

نے حقیقت کی شناخت اور اس کی اطاعت کو لوگوں کیلئے دشوار کر دیا تھا۔

نیشاپور اور مدینہ کے درمیان ــــ وہ بھی اس زمانہ میں ــــ بہت زیادہ فاصلہ تھا اس لئے امام تک رسائی اور ان کی طرف سے جھوٹے دعویداروں کی نشاندہی ایک دشوار کام تھا۔ ان حالات میں شطیطہ ایک گوہر ناب اور ایسی شیر دل خاتون اور روشن فکر و فاضل عورت تھی کہ جس کی عظمتِ بیکراں جس کی روح کے استحکام پر درود بھیجنا چاہیے۔

اب ہم قارئین کے سامنے اصل متن پیش کرتے ہیں۔ ابھی امام جعفر صادق[ع] بقید حیات تھے۔ نیشاپور اور اطراف کے لوگ اکٹھا ہوئے اور زمانہ کے حالات، باطل کے فروغ اور بڑھتے ہوئے ظلم وستم پر افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ ہم ہر سال اپنی شرعی رقوم امام[ع] کی خدمت میں ارسال کرتے ہیں۔ لیکن امامت کے جھوٹے دعویداروں کی کثرت کی بنا پر ہمیں یہ اطمینان نہیں ہے کہ ہماری رقم ہمارے مذہبی پیشواؤں تک پہنچی ہے یا نہیں۔

اس سال کوئی نئی تدبیر کرنی چاہیئے۔ اس کام کی انجام دہی کے لیئے ایسا آدمی ہونا چاہیئے جس پر ہمیں اطمینان و اعتماد ہو، اسے اپنے ہی درمیان سے انتخاب کر کے مدینہ بھیجیں تاکہ وہ ہمیں حقیقت سے آگاہ کرے اور کوئی ابہام و شک باقی نہ رہے۔ اس اہم ذمہ داری کی انجام دہی کے لئے انھیں محمد بن ابراہیم نیشاپوری کا انتخاب کیا اور ان کے ذمہ جو رقم واجب الادا تھی وہ ان کے سپرد کی یہ رقم تیس ہزار دینار، پچاس ہزار درہم اور کئی ہزار کپڑے پارچے تھے۔

سب کے بعد محمد کے پاس ہماری داستان کی ہیرو، شطیطہ

آئی اور معمولی سا ہدیہ لائی ، ایک درہم اور ایک کپڑا ۔ کہ جس کا سوت اس نے خود ہی کاتا تھا ۔ لائی جس کی قیمت چار درہم تھی۔ یہاں کمیت و کیفیت کا مسئلہ پیش آتا ہے ۔ اگر کوئی آدمی ظاہر کو دیکھتا ہے تو پیسہ ، کپڑے اور لباس کی کمیت و مقدار کو دیکھے گا اور کہے گا : ہزاروں درہم و دینار اور اتنے کپڑے کے سامنے اس ناچیز ہدیہ کی کیا حیثیت ہے ؟

بہتر یہ ہے کہ لوگوں کے نمائندہ کو اس قسم کی چیزوں میں اپنا قیمتی وقت صرف نہیں کرنا چاہئے اور ایسے لوگوں کی باتوں کو خاطر میں نہیں لانا چاہئے بلکہ اسے صرف شہر کے شرفاء ، سربرآوردہ اور بڑے لوگوں کے حکم پر عمل کرنا چاہئے ۔

واضح ہے کہ معاشرہ بھی ایسے نمائندہ سے کوئی گلہ نہیں کرے گا اور کسی کو یہ توقع نہیں ہوگی کہ وہ شطیطہ ایسی گمنام و ناتواں بوڑھی عورت کی بات پر کان دھرے گا یہ ظاہر بین لوگوں کا انداز فکر ہے جو کہ صرف ظاہر کو دیکھتے ہیں ، باطن سے انھیں سروکار نہیں ہوتا۔ وہ فقط کمیت کو دیکھتے ہیں ، کیفیت کو نہیں ! لیکن اگر انسان کیفیت پر بھی نظر رکھے تو اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اخلاص و تقرب خدا کی منزل اور پاکیزگی انھیں سادہ اور بے اہمیت لوگوں کے پاس ہے۔ اس وقت اطمینان حاصل ہوگا کہ شطیطہ کے تھوڑے سے درہم اور ناچیز ہدیہ بڑے بڑے مالداروں کے قیمتی ہدایا پر بھاری ہے ۔

لوگوں کا نمائندہ یہ دیکھ رہا تھا کہ اس کی ذمہ داری عظیم ہے وہ شہر کے سربرآوردہ افراد اور متمول لوگوں کے ہدایا اور اموال کا حامل ہے ، اسے تمام سوالات اور مشکلات لوگوں کے دینی پیشوا کی خدمت میں بیان کرکے جواب حاصل کرنا ہے اس نے شطیطہ کا ہدیہ قبول کرنے میں پس و پیش سے کام لیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس نے اپنی قضاوت کا معیار کمیت سمجھا تھا لیکن شطیطہ

کو یہ یقین تھا کہ امام صرف کیفیت پر توجہ فرماتے ہیں اور امام باطن واصلیت کوملاحظہ کرتے ہیں۔ظاہر اور باتوں کو نہیں۔ شطیطہ نے اصرار کیا کہ ان کے ہدیہ کو دوسروں کے ہدیہ کے ساتھ شامل کر لیا جائے: محمد و شطیطہ کی گفتگو درج ذیل ہے:

محمد: بی بی مجھے شرم آتی ہے کہ اس ناچیز ہدیہ کو امام کی خدمت میں پیش کروں۔

شطیطہ: تمہیں شرم کیوں آتی ہے؟ جو میں لائی ہوں وہ امام کا حق ہے، حق کے سلسلہ میں خدا بھی شرم نہیں کرتا ہے۔ تم کیوں شرم کرتے ہو؟ میں نہیں چاہتی کہ خدا سے ملاقات کے وقت میرے اوپر کوئی قرض رہے وہ کم ہو یا زیادہ۔

محمد کے پاس شطیطہ کی منطقی باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا لہٰذا خاموشی اختیار کر لی۔ اور اپنے تاریخی وحیرت انگیز سفر کا آغاز کر دیا۔ دوسروں کے عظیم ہدایا میں شطیطہ کا ناچیز ہدیہ بھی تالاب میں صاف وشفاف قطرہ کی مانند، شامل تھا۔ لیکن تقدیم کرنے والی کے اخلاص اور پاک دلی کے سبب دوسرے لوگوں کے گراں قیمت ہدیوں پر بھاری تھا۔

سفر کی منزلیں طے کرتے ہوئے وہ کوفہ پہنچے اور سب سے پہلے وہ امیر المؤمنین کے مرقد کی زیارت کے لئے گئے۔ مسجد کوفہ میں ایک ضعیف العمر آدمی کو دیکھا۔ جس کی ابرو آنکھوں پر جھکی ہوئی تھیں اور ان کی پیشانی کی شکنیں ان کے تجربہ اور طویل عمر ہونے کی حکایت کر رہی تھیں، نہایت ہی سادہ لباس پہنے ہوئے تھے۔ لوگ ان کے چاروں طرف بیٹھے ہوئے تھے اور اپنے دینی مسائل دریافت کر رہے تھے اور وہ بھی مکتب علیؑ سے منسلک ہونے کی بنا پر ان کے جواب دے رہے تھے۔

محمد نے ان میں سے کسی سے معلوم کیا: یہ ضعیف العمر کون ہیں؟ یہ ابوحمزہ ثمالی ہیں! وہ سلام کرکے بیٹھ گئے۔ ابوحمزہ ثمالی نے معلوم کیا: تم کون ہو اور کس کام سے آئے ہو؟

محمد نے اپنا تعارف کرایا اور اپنے سفر کا سبب بیان کیا۔ ابوحمزہ ثمالی نے فرطِ مسرت سے انھیں گلے لگایا اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور بشارت دی کہ عنقریب تمہارا مقصد پورا ہوجائے گا۔ محمد مسرور ہو گئے۔ ابھی اس مجلس کے حاضرین پراگندہ نہیں ہوئے تھے کہ ابوحمزہ ثمالی نے آنکھیں کھولیں اور حاضرین سے کہا: جو میں دیکھ رہا ہوں وہ تمہیں بھی نظر آرہا ہے یا نہیں؟

آپ کیا دیکھ رہے ہیں؟ میں ایک شتر سوار کو دیکھ رہا ہوں۔ حاضرین ایک نقطہ کی طرف توجہ کے ساتھ دیکھنے لگے جس کی طرف ابوحمزہ ثمالی نے اشارہ کیا تھا۔ شتر سوار انھیں نظر آگیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے شتر سوار ان کے پاس پہونچ گیا، اتر کر سلام کیا اور ایک گوشہ میں بیٹھ گیا۔

ابوحمزہ نے دریافت کیا: آپ کہاں سے آئے ہیں؟ مدینہ سے! مدینہ کی کیا خبر ہے؟ جعفر بن محمد نے دنیا سے قضا کی۔ نیشاپور خصوصاً شطیطہ کے نمائندہ کو جو کہ ہدایا لے کر چھٹے امام سے ملاقات اور مسائل کے جواب حاصل کرنے کی غرض سے مدینہ جارہے تھے۔ یہ خبر سنکر بہت مضطرب ہوئے۔ ابوحمزہ نے آنے والے سے معلوم کیا:

امام نے اپنا جانشین کسے مقرر کیا ہے؟ آپ نے تین آدمیوں:

١۔ عباسی خلیفہ منصور

٢۔ اپنے بیٹے عبداللہ افطح[1]

---

[1] افطح اس شخص کو کہتے ہیں جس کی ناک یا سر چپٹا ہوتا ہے۔

۲۔ اور اپنے بیٹے موسیٰ کو منتخب کیا ہے۔ ابو حمزہ ثمالی شاد ہوئے اور نیشا پور کے نمائندہ کو مخاطب کر کے کہا : فکر نہ کرو ! میں نے امام کو پہچان لیا ہے۔ بزرگوار! آپ نے امام کو کیسے پہچانا ہے ؟

منصور کو وصیت کر کے اس کے ظلم کی رسیاں کاٹ دی ہیں اور حقیقی امام کو اس کی نظروں سے پوشیدہ رکھا ہے اور جو اپنے سب سے بڑے اور سب سے چھوٹے بیٹے کو منتخب کیا ہے تو بڑے بیٹے کے معیوب ہونے سے واضح ہوتا ہے کہ چھوٹے بیٹے امام ہیں۔ یہ آپ نے کہاں سے کہدیا اور اس کی کیا دلیل ہے ؟

رسولؐ نے علیؑ سے فرمایا تھا : الامامۃ فی اکبر ولدك یا علی! مالم یکن ذا عاھۃ

اے علیؑ ! اگر آپ کے بڑے بیٹے میں کوئی عیب نہ ہو تو امامت اس کی ہے ہم دیکھتے ہیں چھٹے امام نے دو افراد کے بارے میں وصیت کی ہے اور افطح بڑے ہیں لہذا رسولؐ کی حدیث کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ آپؑ کے بیٹے موسیٰ امام ہیں۔

محمد نے ابو حمزہ ثمالی کو خدا حافظ کہا اور مدینہ کی سمت روانہ ہو گیا مدینہ پہنچ کر سرائے میں اسباب رکھا اور خود مسجد نبوی چلا گیا، قبر رسولؐ کی زیارت اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد اہل مدینہ سے پوچھا :

جعفر بن محمد نے اپنا وصی کسے مقرر کیا ہے ؟ اپنے بیٹے عبداللہ افطح کو۔ کیا وہ فتویٰ بھی دیتے ہیں؟ جی ہاں۔ محمد عبداللہ کے گھر گیا تو وہاں ایسے غلام اور خدمت گزار دیکھے جو والی شہر کے یہاں بھی نظر نہیں آتے۔

محمد نے تکلفات اور آرائش دیکھی انھیں افسوس ہوا۔ لیکن سوچا کہ :

امام ہے تو اپنا فریضہ خود بہتر سمجھتا ہے، مجھے ان چیزوں کے بارے میں سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد باریابی کی درخواست کی۔ غلام اندر گیا، واپس آیا اور پوچھا: تم کون ہو؟

نیشاپوریوں کے نمائندہ کو اس پر بھی افسوس ہوا اور سوچا کہ یہ وہ نہیں ہے مجھے جس کی تلاش ہے۔ تھوڑی دیر غور و فکر کرنے کے بعد خیال کیا ہو سکتا ہے کہ تقیہ کر رہے ہوں اس لئے کہا: کہدو! محمد خراسانی۔

غلام اندر گیا اور واپس آکر اسے باریابی کی اجازت دیدی۔ جب وہ اندر گئے تو دیکھا کہ عبداللہ بہترین مسند پر تکیہ کئے بیٹھے ہیں اور چند غلام ان کے سامنے کھڑے ہیں، اس صورت حال کو دیکھ کر اور زیادہ افسوس ہوا۔ لیکن پھر سوچا ان چیزوں کا مجھ سے کیا تعلق، امام ہیں وہ جیسا کہ بہتر سمجھتے ہیں انجام دیتے ہیں۔

اس کے بعد عبداللہ کو سلام کیا، عبداللہ نے انھیں اپنے پاس بٹھالیا اور پوچھا: ہمارے پاس آنے کا سبب؟ کچھ مسائل معلوم کرنا چاہتا ہوں، حج کا بھی ارادہ ہے۔ پوچھو! کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ دو سو درہم کی زکات کتنی ہے؟ پانچ درہم اور سو درہم کی کتنی ہے؟ اڑھائی درہم۔ خدا آپ کو سلامت رکھے۔

اگر کوئی شخص اپنی زوجہ سے کہے کہ میں نے تمہیں آسمان کے ستاروں کے برابر طلاق دی ہے تو کیا حکم ہے؟ یہ عورت تین طلاق والی ہے۔ محمد نے ان دو سوالوں سے اندازہ لگالیا تھا کہ عبداللہ کو اسلامی مسائل کا علم نہیں ہے، کیونکہ عبداللہ سے دوسرے مسئلہ میں غلطی ہوئی تھی اور تیسرے مسئلہ میں بھی۔ ان سے یہ غلطی ہوئی تھی کہ جب چاندی کے درہم دو سو ہوں تو ان کی زکوات پانچ درہم ہے۔ اور تیسرے مسئلہ کا جواب عبداللہ نے اہل سنت کے مذاق کے مطابق دیا تھا، شیعہ مذاق کے مطابق نہیں کیونکہ شیعوں کا نظریہ یہ ہے کہ جو طلاق ایک نشست میں واقع ہوتی ہے وہ تین بار ہو یا اس سے

زیادہ، وہ ایک ہی محسوب ہوتی ہے۔ محمد عبداللہ کی مجلس سے اٹھا اور کہا: میں کل حاضر ہوں گا۔ عبداللہ نے کہا: اگر اور کوئی کام ہو تو میں حاضر ہوں۔

محمد باہر آیا اور مرقد رسولؐ کی زیارت کے لئے چلا گیا۔ قبر رسولؐ پر اشک فشانی کے بعد اس طرح شکایت کی: اے اللہ کے رسولؐ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں کہاں جاؤں اور لوگوں کی ان امانتوں کو کسے دوں؟ یہودیوں کو؟ عیسائیوں کو؟ زرتشتیوں کو؟ ناصبی فقہا کو؟ کسے دوں؟

وہ یہ جملے کہتے جاتے تھے اور آنسو بہاتے جاتے تھے۔ اسی حال میں اس نے محسوس کیا کہ کوئی اسے اشارہ کر رہا ہے۔ اس نے سر بلند کیا۔ دیکھا کہ ایک کالا غلام جو کہ پرانا لباس پہنے ہوئے اور الجھا ہوا سا عمامہ سر پر رکھے ہوئے ہے اور کہہ رہا ہے: محمد میرے پاس آؤ، یہودیوں کے پاس جاؤ نہ زرتشتیوں اور ناصبیوں کے پاس۔ آؤ تاکہ میں تمہیں حجتِ خدا کے پاس لے چلوں۔ وہاں تمہیں تمہارے سوالات کے جواب مل جائیں گے اور وہاں شطیطہ کا پیسہ اور کپڑا کہ تھیلی میں چار سو درہم اور دو بلخی بھائیوں کا بوقچہ سپرد کرو گے۔

محمد ان باتوں کو سن کر حیرت زدہ تھا وہ اپنی جگہ سے اٹھا سر لئے میں آیا لوگوں کی امانتیں اٹھائیں اور امام کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ یہاں گھر کی دوسری ہی حالت دیکھی ایک غریب جیسا گھر ہے جہاں نہ کوئی آرائش وسجاوٹ ہے نہ کوئی دربان وخدمت گزار ہے۔ وہی ایک کالا غلام دروازہ پر کھڑا ہے جو کہ محمد انتظار کر رہا ہے تاکہ اسے امام کی خدمت میں لے جائے۔

محمد نے جب امام کے کمرے میں قدم رکھا تو اس نے دیکھا کہ سادگی در و دیوار سے آشکار ہے۔ ساتویں امام ایک چٹائی پر تشریف فرما تھے۔ نیشاپور والوں کے نمائندہ کو

افتخار سمجھتی ہیں۔ کمالِ عقیدت و اشتیاق کے ساتھ ہماری درخواست یہ ہے کہ عبد اللہ کا نکاح ہماری بیٹی سے کر لیجئے، اسی لئے میں آپ کے پاس آئی ہوں۔ عبد اللہؑ کی شخصیت ہمیں بہت زیادہ محبوب ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ مالی لحاظ سے ہم دوسروں کی برابری نہیں کر سکیں گے۔ لیکن امید ہے کہ عبد اللہؑ ہمارے اس ہدیہ کو رد نہیں کریں گے۔

وہب کی بیوی کی باتیں سن کر عبد المطلبؑ نے عبد اللہؑ کے چہرہ پر نگاہ کی کیونکہ پہلے جب بھی بڑے لوگوں کی لڑکیوں سے رشتہ کی بات چلتی تھی تو عبد اللہؑ کے چہرہ پر ناگواری کے آثار نظر آتے تھے۔ عبد المطلبؑ نے اپنے بیٹے عبد اللہؑ سے کہا: "بیٹا تمہارا کیا خیال ہے؟ خدا کی قسم مکہ کی لڑکیوں میں اس سے زیادہ پاک دامن اور با عفت لڑکی نہیں ہے۔ وہ باوقار، پاکیزہ اور عقلمند و دیندار ہے۔ پاک دامن اور باتقویٰ جوانوں کی ہمسری کے لئے ایسی ہی لڑکیاں موزوں ہیں۔"

عبد اللہؑ خاموش رہے۔ عبد المطلبؑ ان کی خاموشی سے سمجھ گئے کہ اس رشتہ سے راضی ہیں، اس لئے وہب کی بیوی سے کہا: "مجھے تمہاری بات قبول ہے اور تمہاری لڑکی کو اپنے بیٹے عبد اللہؑ کے لئے نامزد کرتا ہوں۔ عبد اللہؑ کی والدہ، عبد المطلبؑ کی شریک حیات، فاطمہ نے وہب کی بیوی سے کہا: "میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں تاکہ نزدیک سے آمنہ کو دیکھ لوں، اگر لائق ہوگی تو موافقت کروں گی۔"

یہ بات تقریباً طے ہو گئی تھی کہ عبد اللہؑ کی شادی آمنہ سے ہو گی۔ لڑکی والے خصوصاً اس کے والدین، عبد اللہؑ جیسے صالح داماد مل جانے سے بہت خوش تھے گویا عالم غیب سے آمنہ کی ماں کو ہاتف مخاطب کر کے کہہ رہا تھا: "مبارک ہو! محمد مصطفیٰؐ کی ولادت میں زیادہ دیر نہیں ہے"۔ وہب کی زوجہ واپس آئی تو انہوں نے پوچھا: "کیا ہوا؟"

دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: کیوں مایوس ہو گئے تھے۔ تمہیں میرے پاس آنا چاہئے تھا۔ یہودی، مسیحیوں اور زرتشتیوں کے پاس نہیں جانا چاہئے۔ میں ولیٔ خدا اور اس کی حجت ہوں جیسا کہ کوفہ کی مسجد میں ابو حمزۂ ثمالی نے تمہیں بتایا تھا۔

ان روح پرور باتوں نے نیشاپوری کا دل موہ لیا، اس کے ایمان واطمینان میں استحکام پیدا ہوا اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ جس کی تلاش تھی وہ مل گیا ہے۔ اس کے بعد امام نے فرمایا: تھیلیاں لاؤ، محمد نے تھیلیاں پیش کیں امام نے ایک تھیلی کھولی اور اس میں سے شطیطہ کے درہم نکالے اور فرمایا: یہ ہے اس کے درہم، پھر رومال کھولا اور شطیطہ کا کپڑا نکالا اور پھر فرمایا: شطیطہ سے میرا سلام کہنا اور کہنا کہ تمہارے کپڑے کو میں نے اپنے کفن میں شامل کر لیا ہے اور یہ کپڑا جو کہ اب میرے کفن کا جزء ہے جس کی روئی قریۂ "صریا" قریۂ فاطمۂ زہرا کی ہے جسے میری بہن حکیمہ نے کاتا ہے تمہیں دیتا ہوں اسے اپنے کفن میں رکھ لینا۔

اس وقت اطراف والوں میں سے ایک کو صدا دی اور فرمایا: ہمارے مخارج کی تھیلی لاؤ وہ تھیلی لایا، امام نے شطیطہ کے درہم اس میں ڈالے اور اس میں سے چالیس درہم نکالے اور فرمایا: شطیطہ سے میرا سلام کہنا اور کہنا کہ میرے ہاتھ سے کفن وصول کرنے کے بعد تم ۱۹ دن اور زندہ رہو گی۔

ان درہموں میں سے ۱۶ خرچ کرنا اور چوبیس درہم تصدق کر دینا۔ میں تمہاری نماز جنازہ پڑھوں گا۔ اے محمد! تم نے مجھے دیکھ لیا ہے، میں شطیطہ کی نماز جنازہ پڑھنے نیشاپور آؤں گا، اس بات کو مخفی رکھنا ورنہ تمہاری جان کے لئے خطرہ ہے۔ اب تم وہ سوالات پوچھ سکتے ہو جو اپنے ساتھ لائے ہو اور دیکھو کہ میں نے ان کے صحیح جواب دیئے ہیں یا نہیں؟

محمد نے جب خطوط نکالے تو انھیں اس وقت کسی نے چھوا بھی نہیں تھا، لیکن جب کھول کر دیکھا تو ان کے نیچے انکا جواب مرقوم تھا۔

ایک سوال یہ تھا کہ ایک آدمی یہ قسم کھاتا ہے کہ میں کثیر مال انفاق کروں گا۔ اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ حضرت نے اس کے ذیل میں رقم کیا تھا:

اگر اس کے پاس درہم ہیں تو ۸۴ درہم اور اگر گوسفند والا ہے ۸۴ گوسفند اور اگر اونٹ رکھتا ہے تو ۸۴ اونٹ دے گا۔ کیونکہ خداوند عالم قران مجید میں فرماتا ہے:

لقد نصرکم اللّٰہ فی مواطن کثیرۃ و یوم حنین

توبہ/۲۵

یقیناً خدا نے بہت سی جگہوں پر تمہاری مدد کی ہے۔

جب ان جگہوں کو شمار کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ۸۴ جنگ ہوئی ہیں اور خداوند عالم نے ان ۸۴ جنگوں میں مسلمانوں کی مدد کی ہے بنابر این "کثیر" ۸۴ کے بجائے استعمال ہوا ہے۔ نیشاپور والا نمائندہ بقیہ اموال سرائے بس لے آیا اور اس سال امام ہی کے ساتھ بیت اللّٰہ کے حج کے لئے گیا اور حج کے عظیم الشان مراسم میں شرکت کی۔ اور حج سے فارغ ہو کر خراسان کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ نیشاپور پہنچا تو اہل نیشاپور اور شطیطہ اس کے استقبال کے لئے آئی اور اسے خوش آمدید کہا۔

اہل نیشاپور کا نمائندہ گویا اس وقت صرف شطیطہ کا نمائندہ ہے، اس جم غفیر میں وہ شطیطہ کی طرف متوجہ ہوا اور سلام کے ساتھ انھیں امام کا پیغام پہونچایا اور امام کے عطا کئے ہوئے ہدیئے دیئے۔ شطیطہ بہت مسرور ہوئی۔

نیشاپور کے پاک دل لوگوں نے شطیطہ کے اس اخلاص و منزلت پر بہت

رشک ہوا اور یہ آرزو کرنے لگے، اے کاش ہم بھی اس مقام پر فائز ہوتے اور ہم پر بھی رشک و حسد کیا جاتا۔

محمد کی نیشاپور آمد اور شطیطہ کی موت کے درمیان کی ۱۹ شبیں دیکھتے ہی دیکھتے گذر گئیں۔ اور اس با اخلاص و با عظمت شیعہ خاتون کی موت سے نیشاپور شہر ماتم میں ڈوب گیا۔ ان کی نمازِ جنازہ اور تشییع میں حیرت انگیز مجمع تھا۔ لیکن محمد کو امام کا انتظار تھا۔ تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ نجیب مرکب پر سوار امام تشریف لائے، شطیطہ کی نماز جنازہ پڑھائی، ان کے دفن میں شرکت کی اور اپنے دست مبارک سے مٹی دی۔ اور پھر اپنے مرکب پر سوار ہوئے اور چلتے ہوئے محمد سے فرمایا: لوگوں کو میرے آنے کی اطلاع دو اور انھیں میرا سلام پہنچادو اور کہو:

ان من جری مجری اهل البیت لابد لنا من حضور جنائزکم ای بلد کنتم فاتقوا الله و احسنوا الاعمال لیعینونا علی خلاصکم و فکاک رقابکم من النار

جو شخص ہم اہل بیت کے مسلک کے مطابق عمل کرتا ہے، ہم اس کے جنازہ میں شریک ہوتے ہیں۔ اللہ سے ڈرو! اور نیک اعمال بجالاؤ تاکہ جہنم سے تمھیں آزاد کرانے میں تم ہماری مدد کر سکو۔

جب امام چلے گئے تو محمد نے لوگوں سے واقعہ بیان کیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ شتر سوار تیزی کے ساتھ چلا جارہا ہے۔ وہ امام کو پہچاننے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے لہٰذا اپنے محبوب امام کو نہیں پہچان سکے تھے، چلے جانے کے بعد انھیں بہت غم ہوا۔

ان تمام باتوں سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے امام کے لیے ہدیے ارسال کیے تھے وہ عبداللہ افطح کی امامت کے معتقد ہوگئے اور راہ راست سے

بھٹک گئے تھے۔ اس لئے ان میں ولی خدا کے الطاف و عنایات کو جذب کرنے کی قابلیت نہیں تھی اور نہ ہی ان کے ہدایا اور اموال امام کی بارگاہ میں مقبول ہو سکتے تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ خدا اور اولیاء معصومینؑ کے نزدیک وہی چیز قیمتی ہے جس میں اخلاص و محبت کارفرما ہے۔[۱]

۱۔ مدینۃ المعاجز ص ۲۶۳ ۔ ص ۴۶۷ ، بحار الانوار طبع قدیم ج ۱۱ ص ۲۵۳

بنی نجار کی ایک عورت

"تاریخ اسلام میں کبھی ایسے افراد بھی ملتے ہیں کہ جن کے نام رقم نہیں ہوئے ہیں، لیکن عظمت و بزرگی کے لحاظ سے کم نظیر ہیں۔ انھیں میں سے وہ عورت بھی ہے جس کا تعلق قبیلۂ بنی نجار سے ہے۔ اس عورت کے بارے میں لکھا ہے کہ جنگ احد میں اس نے اپنے والد، شوہر اور بیٹے کی قربانیاں دی تھیں۔

جنگ ختم ہونے کے بعد عورتیں مدینہ سے احد کی طرف گئیں تاکہ اپنے عزیزوں کے حالات معلوم کر سکیں۔ احد جانے والی عورتوں میں سے ایک یہ تھی۔ جب یہ میدانِ جنگ میں پہونچی تو دیکھا کہ باقی بچ جانے والے مسلمان رسولؐ کے چاروں طرف جمع ہیں اور رسولؐ کے دندانِ مبارک شہید ہو جانے اور زخم کھانے پر افسوس کر رہے ہیں۔

وہ قریب گئی اور اپنے عزیزوں کا حال دریافت کئے بغیر ایک مرد سے کہا: مجھے یہ بتاؤ رسولؐ زندہ ہیں یا نہیں؟ اس نے کہا: ہاں زندہ ہیں۔

کیا میں انھیں نزدیک جا کر دیکھ سکتی ہوں تاکہ مجھے اطمینان حاصل ہو جائے؟ کیوں نہیں! مرد اس ایمان اور اعتقاد والی عورت کے احترام میں ایک طرف ہٹ گئے تاکہ وہ آگے بڑھ کر اپنی آنکھوں سے اللہ کے رسولؐ کو دیکھ لے۔

عورت قریب آئی اور جیسے ہی اس نے مسلمانوں کے آسمانی رہبر کو قریب سے دیکھا اور انھیں زندہ پایا تو کہا:

آپ زندہ ہیں تو پھر ہر مصیبت ہمارے لئے آسان ہے۔ اس کے بعد واپس پلٹ گئی۔[۱]

---

[۱] بحار الانوار طبع جدید ج ۲۰ ص ۹۸، سیرہ ابن ہشام ج ۳ ص ۱۰۵

ہند، عمرو بن جموح کی زوجہ

یہ عمرو بن حزام کی بیٹی اور مشہور صحابی جابر بن عبداللہ انصاری کی پھوپھی تھیں۔

جب ہم ان کے عزیزوں کو دیکھتے ہیں تو ان کے شوہر، بھائی، بھتیجے اور ان کے فرزند سبھی اسلام کے ناصر و مددگار نظر آتے ہیں۔ شہامت و شجاعت کے لحاظ سے یہ عورت خود بھی بڑی عورتوں میں سے ایک ہے۔

جنگ احد میں مسلمانوں نے عزیزوں کی قربانی دے کر اور اس کے نتیجہ میں پڑنے والی مصیبت کو برداشت کر کے یہ ثابت یہ کر دیا تھا کہ وہ صرف آسائش و آرام ہی کے زمانہ میں آنحضرتؐ کے ہمنوا نہیں ہیں بلکہ وہ اسلام کی مدد کے لئے سر بہ کف ہیں چاہے کامیاب ہوں یا غم و اندوہ سے دو چار ہوں۔ جنگِ بدر میں مسلمانوں کو مال غنیمت ملا تھا اور دشمنوں کو قتل و اسیر کیا تھا لیکن جنگ احد میں اس کے برعکس ہوا۔

شاید دشمن کو یہ غلط فہمی تھی کہ یثرب والے صرف اس صورت میں تعاون کرتے ہیں کہ جب ان کا فائدہ ہوتا ہے اور فتح و ظفر متوقع ہوتی ہے۔ لیکن اگر کہیں انھیں یہ احساس ہو جائے کہ فلاں کام میں ان کے لئے خطرہ یا نقصان ہے تو پھر وہ ان کی حمایت نہیں کریں گے۔

جنگ احد نے ان کی اس غلط فہمی کو دور کر دیا۔ خصوصاً اسلام کی شکست خوردہ فوج نے زخمی ہونے کے باوجود دشمن کا "حمراء الاسد" تک

تعاقب کیا اور یہ ثابت کر دیا کہ جنگ سے فرار کرنے والے نے شکست کھائی ہے اور دشمن کا تعاقب کرنے والا کامیاب ہے۔

ہند کے چار جوان اور شیر سے بیٹے جنگی اسلحہ سے لیس ہیں، جنگ میں جانے کے لئے تیار ہیں۔ ہند کے شوہر ضعیف بھی ہیں اور لنگڑے بھی اسلامی جہاد کے فریضہ کیلئے ضعیفی اور لنگڑا پن دونوں ہی عذر ہیں، اس کے باوجود وہ جنگ میں شریک ہونے کے لئے تیار ہیں۔

جو لوگ انھیں جنگ میں شرکت کرنے سے منع کرنا چاہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں، تم ایک ضعیف و لنگڑے آدمی ہو، جنگ میں تمہارے بیٹوں کی شرکت کافی ہے۔ وہ کہتے ہیں کیا عجیب بات ہے وہ جنگ کریں اور جنت میں جائیں اور میں تمہارے پاس بیٹھا رہوں؟ ہند نے سنا کہ ان کا بوڑھا شوہر خدا سے لو لگائے ہوئے کہہ رہا ہے: اللہ! مجھے میرے اہل و عیال کے پاس واپس نہ پلٹانا۔ اے اللہ! مجھے جام شہادت سے سیراب فرما!

اس کے بعد وہ رسولؐ کی خدمت میں شرف یاب ہوئے اور عرض کی: اللہ کے رسولؐ! بعض لوگ مجھے جنگ میں شریک ہونے سے روکنا چاہتے ہیں۔ خدا کی قسم میری تمنا یہ ہے کہ جام شہادت پی کر جنت میں جاؤں۔ خدا نے تمہیں جہاد سے معذور رکھا ہے۔ تم پر جہاد واجب نہیں ہے۔ مجھے معلوم ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ مجھے اس عظیم سعادت سے محروم نہ فرمائیں۔

رسولؐ نے اجازت مرحمت فرمائی اور ان لوگوں سے کہا، جو اسے جنگ میں شرکت کرنے سے منع کر رہے تھے، اسے منع نہ کرو، ہو سکتا ہے خدا اسے بھی درجۂ شہادت پر فائز کرے۔ احد کے شہیدوں میں سے ایک یہی

پیر مرد تھا، ہند پر اس جنگ میں بڑی مصیبت پڑی تھی کیونکہ اس جنگ میں ان کے شوہر، بھائی اور ایک بیٹا شہید ہوا تھا۔

جنگ ختم ہوچکی ہے، ہند ایک اونٹ لے کر احد پہونچیں تاکہ شہید ہونے والے اپنے شہیدوں کی لاشیں اپنی تحویل میں لے جاسکیں۔ اونٹ کو بٹھایا، ایک ایک کرکے اپنے عزیزوں کی لاش اونٹ پر رکھی اور اس کے بعد اونٹ کی مہار پکڑ کر مدینہ کی طرف روانہ ہوگئیں تاکہ انھیں بقیع میں دفن کریں۔

ہند نے محسوس کیا کہ جس قدر وہ اونٹ مدینہ کی طرف تیزی سے ہکانا چاہتی ہیں وہ اتنا ہی سست ہوجاتا ہے، گویا اس کی کمر پر سنگین بار ہے لیکن جب احد کی طرف اس کا رخ کرتی ہیں تو وجد کناں تیزی سے راستہ طے کرتا ہے۔ گویا اس کی پشت پر بار ہی نہیں ہے۔

یہ بات ہند کے لئے حیرت انگیز تھی، اس معمہ کو سمجھنے کے لئے وہ رسولؐ کی خدمت میں شرف یاب ہوئیں، واقعہ سنایا رسولؐ نے فرمایا: اونٹ حکم کے تابع ہے کیا جنگ میں جاتے وقت عمرو نے کچھ کہا تھا؟ ہاں، کہہ رہے تھے، اے اللہ! مجھے میرے اہل و عیال میں واپس نہ پلٹانا! اے اللہ مجھے جام شہادت سے سیراب فرما۔ اسی لئے اونٹ احد سے نہیں جارہا ہے۔ تم انصار میں سے بعض خدا کے نزدیک بہت معزز ہیں۔ اے ہند! جان لو کہ تمہارے بھائی کی قبر پہ تا قیامت آسمان کے فرشتے توجہ رکھیں گے۔

ہند کے عزیزوں کے دفن کے وقت رسولؐ خدا ان کی قبر میں اترے اور کچھ دیر ٹھہر کر فرمایا: اے ہند تمہارے شوہر اور بھائی جنت میں ساتھ ہیں اے اللہ کے رسولؐ! دعا کر دیجئے کہ میں انھیں کے ساتھ رہوں۔ ایسی عورتوں کی

مکتب اسلام نے پرورش کی ہے۔ انھیں کو اسلام پر ناز نہیں تھا بلکہ اسلام کو بھی ان پر ناز تھا، کیونکہ ان کے عزم و ارادہ اور فضائل اس مکتب کی عظمت و حقانیت پر واضح ثبوت ہیں جس کے آغوش میں انہوں نے تربیت پائی ہے۔

جس وقت وہ اپنے عزیزوں کے جنازے اپنے ساتھ مدینہ لے جانا چاہتی تھیں اور اونٹ مدینہ کی طرف نہیں بڑھ رہا تھا تو رسول اسلام کی ازواج بھی احد کی طرف چلی آرہی تھیں تاکہ رسول اسلامؐ اور مجاہدین کے حالات معلوم کر سکیں ان میں سے ایک نے ہند سے پوچھا میدان جنگ کی کیا خبر ہے؟ بہت اچھی خبر ہے، رسول خداؐ زندہ اور صحیح و سلامت ہیں اس کے علاوہ ہر مصیبت معمولی ہے۔

ایسے جواب کے لئے روح کی بلندی، اخلاصِ ایمان اور شیر کا دل چاہئے رنجیدہ اور غمزدہ آدمی ایسا جواب ہرگز نہیں دے سکتا۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ رسولؐ اسلام کا صحیح و سالم بچ جانے پر کوئی بھی حادثہ ہماری ہمت کو پست نہیں کر سکتا، جائے مسرت ہے کہ ہمارے رہبر صحیح و سلامت ہیں، نیز کہا: ایک اور خوشخبری ہے ہمارے بعض مومن مرد درجۂ شہادت پر فائز ہوئے ہیں، دوسری خبر یہ ہے کہ کافر ناکام واپس لوٹ گئے اور خدا نے مومنوں کو کامیابی عطا کی ہے۔

ازواج رسولؐ اس حوصلہ مند عورت کی باتوں سے متحیر تھیں، انہوں نے دریافت کیا: اونٹ پر کیا لادے ہوئے ہو؟ کچھ نہیں، میرے شوہر، بھائی اور بیٹے کی لاش ہے جنھیں مدینہ لے جاکر سپرد خاک کرنا چاہتی ہوں۔ درود و سلام ہو ایسے عزم و ہمت پر[1]

---

[1] بحار الانوار طبع جدید ج ۲ ص ۱۲۱، سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۹۴، الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ، حرف الباء کتاب النساء

"آپ کا نصیب جاگ گیا، عالم بالا کے لوگوں کے درمیان آپ کو جگہ مل گئی، عبدالمطلب نے آپ کی لڑکی کو پسند کر لیا ہے۔ لیکن ابھی اطمینان کی سانس نہیں لی جا سکتی کیونکہ عبداللہ کی ماں لڑکی کو قریب سے دیکھنے کے لئے آرہی ہیں۔ خدانخواستہ اگر انھیں ہماری لڑکی پسند نہ آئی تو ساری محنت اکارت ہو جائے گی۔"

وہب نے بیوی سے کہا: "بیٹی کو نیا لباس پہنادو، اور زیور وغیرہ سے سجا سنوار دو! کیونکہ لڑکیوں میں اتنی کشش ہونی چاہئے کہ جس سے پسندیدہ بن جائیں۔"

آمنہ کی ماں نے بیٹی کو آراستہ کر دیا، جس سے بیٹی کا حسن دوبالا ہو گیا، نیز ماں نے تاکید کر دی کہ فاطمہ کے سامنے ادب و احترام کا خاص لحاظ رکھنا۔ ہو سکتا ہے فاطمہ بھی اس رشتہ کو پسند کر لیں اور لڑکی والوں کی قسمت جاگ جائے۔

اسی اثناء میں فاطمہ گھر میں داخل ہوئیں۔ آمنہ ادب و احترام کے ساتھ انکی تعظیم کے لئے کھڑی ہو گئی۔ فاطمہ مستقبل میں اپنی ہونے والی بہو کے حسن وجمال کی شیفتہ ہو گئیں۔ آمنہ کی والدہ سے کہا: میں نہیں جانتی تھی کہ تمہاری بیٹی اتنی حسین اور باوقار ہے۔ پہلے بھی میں نے بارہا آمنہ کو دیکھا تھا لیکن اس کے کمالات کی طرف متوجہ نہیں ہو سکی تھی۔"

"یہ بھی آپ کے خاندان کی برکت سے ہے۔"

فاطمہ نے آمنہ سے کچھ باتیں کیں تو آمنہ کو ایسی شائستہ اور شیریں سخن لڑکی پایا کہ مکہ کی عورتوں اور لڑکیوں میں جس کی نظیر نہیں تھی۔

فاطمہ، جو کہ بہت خوش تھیں، اپنے شوہر اور اپنے بیٹے کے پاس گئیں اور عبداللہ سے کہا: بیٹا! آمنہ جیسی لڑکی عربوں میں نہیں ہے۔ میں نے اسے پسند کر لیا ہے۔ وہ تمہاری ہمسری کے لائق اور تمہارے بچہ کے لئے نمونہ ماں ہے۔

مہر اور دلہن کے لوازمات سے متعلق جو گفتگو ہوئی وہ یہ تھی۔ لڑکی کے باپ نے

نسیبہ

جنگ احد میں رسول اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ آج نسیبہ کا درجہ فلاں فلاں کے درجہ سے بلند ہے۔ یہ بات رسولؐ نے نسیبہ کے بارے میں اس وقت کہی کہ جب انھیں اسلام و مسلمین سے دفاع کرتے ہوئے جرأت کے ساتھ جنگ کرتے دیکھا انہوں نے ۱۳ زخم کھائے تھے۔

جس شخص نے مذکورہ بالا روایت نقل کی ہے وہ یہ بیان نہیں کرنا چاہتا تھا کہ رسولؐ نے نسیبہ کو کس کس پر فضیلت دی ہے؟ اس لئے شارح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید اس سے گلہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ راوی کو ان کے بھی نام بیان کرنے چاہئیے تھے تاکہ کوئی شبہہ نہ رہتا اور ہمیں بھی یہ معلوم ہو جاتا کہ رسولؐ کی مراد کون ہیں؟

علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں: راوی معذور تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دو اشخاص مخالفوں کے سربراہوں اور قریش کے بتوں میں سے تھے، جن کے ذہن میں کوئی غرض تھی ـــ اور پھر کبھی کنایہ تصریح سے زیادہ کام کرتا ہے ـــ ایسے افراد کے نام ایسی روایات میں۔

پھر لوگ ان سے واقف ہیں، اس لئے راوی تقیہ کرنے پر مجبور تھا چنانچہ اس نے اعتراضات سے بچنے کی غرض سے ان اشخاص کا نام نہیں لیا، کتنا اچھا ہوتا کہ ان میں تیسرے کا بھی اضافہ ہو جاتا۔ کیونکہ علی بن ابراھیم کی روایت میں تیسرے

کا نام بھی ہے کہ جنگ احد میں یہ بھی بھاگ جانے والوں میں سے تھے ۔

بہرحال جو لوگ شکست کے موقع پر ثابت قدمی سے کام لیتے ہیں ، فرار نہیں کرتے ۔ ان کی عظمت مسلم ہے ۔ جنگ احد میں بڑے بڑے سورما بھاگ گئے تھے لیکن نسیبہ تیرہ زخم کھانے کے باوجود ثابت قدمی کے ساتھ دفاع کر رہی تھی ۔ وہ جنگ کے لئے میدان میں نہیں گئی تھی بلکہ اس کی ذمہ داری زخمیوں کو پانی پلانا تھی کیونکہ عورت پر جہاد واجب نہیں ہے ۔ لیکن جب مسلمانوں کی فوج پراگندہ ہو گئی تو اس نے دفاع کرنے کی غرض سے اسلحہ اٹھایا اور جنگ کرنے لگی ۔ البتہ جہاد اسلامی اور دفاع میں فرق ہے ۔ اسلام نے عورتوں کو جہاد کا حق نہیں دیا ہے ہاں دفاع کا حق دیا ہے ۔ جس زمانہ میں مسلمانوں پر دشمن حملہ آور ہو اس وقت دفاع کرنا سب کا فریضہ ہے ۔ اس سلسلہ میں مرد و عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے ۔

نسیبہ اپنے بچوں ، عمارہ اور عبداللہ ، اور اپنے شوہر غزیہ کے ساتھ احد میں آئی تھی ۔ اسی کی زبانی یہ قصہ ملاحظہ فرمائیں ، ام سعد نام کی ایک عورت کہتی ہے ۔ میں ان کے پاس گئی اور کہا : خالہ ! اپنی داستان مجھے سنائیے !

نسیبہ نے کہا : میں صبح سویرے احد پہنچ گئی تھی تاکہ زخمیوں کو پانی پلاؤں شروع میں تو ہم لوگ کامیاب ہوئے ۔ لیکن دیکھتے ہی دیکھتے ہمارا لشکر پسپا ہو گیا اور دشمن نے رسول ؐ پر حملہ کر دیا میں نے تلوار اور کمان سے آنحضرت ؐ سے دفاع کیا اس دوران میں نے بھی چند زخم کھائے ۔ ام سعد نے دیکھا کہ نسیبہ کے دوش پر ایک زخم کا نشان ہے ۔ اس نے پوچھا : عمارہ کی اماں ! یہ زخم آپ کو کس نے لگایا تھا ؟ ابن قمیئہ نام کا ایک

مرد تھا۔ لوگ رسولؐ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اور یہ شخص کہہ رہا تھا، مجھے بتاؤ! محمدؐ کہاں ہے؟ اگر وہ زندہ ہے تو میں ہرگز زندہ نہ رہوں گا۔ مصعب بن عمیر نے ہم لوگوں کے تعاون سے اس پر حملہ کیا۔ اس شخص نے یہ زخم لگایا تھا۔ لیکن میں نے اس سے چشم پوشی نہیں کی بلکہ پے در پے اس کو کئی ضربیں لگائیں۔ یہ دشمنِ خدا دو زرہ پہنے ہوئے تھا۔ منہ بھی چھپائے ہوئے تھا، لہٰذا میری ضربوں کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔

اس کے بعد ام سعد نسیبہ کے کٹے ہوئے ہاتھ کی طرف متوجہ ہوئی۔ نسیبہ کا کٹا ہوا ہاتھ بھی اس کی ہیجان آور یادداشتوں میں سے ایک تھا۔ رسولؐ کے انتقال کے بعد مسیلمہ نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ چند جاہل اس کے طرفدار ہو گئے مسلمانوں نے اس فتنہ کو رفع کرنے کی غرض سے ان سے جنگ کی اور انھیں پراگندہ کر دیا۔ اس جنگ میں شرکت کرنے والوں میں سے ایک نسیبہ بھی تھی۔ ام سعد نے پوچھا: آپ کا ہاتھ کیا ہوا؟ جنگ یمامہ میں کٹ گیا تھا۔ اس جنگ میں بادیہ نشین عربوں نے مسلمانوں پر سخت حملہ کیا تھا۔ میں بھی ان ہی مسلمانوں میں شامل تھی، سب نے ہتھیلی پر جان رکھ کر جنگ کی، یہاں تک باغ مرگ تک پہنچ گئے وہاں ایک گھنٹہ تک جنگ کی۔ اسلام کے سرباز ابودجانہ انصاری اس درہ کو کھولنے میں لگے ہوئے تھے جو مسیلمہ کے گمراہ ساتھیوں نے بند کر دیا تھا۔ میں نے بھی موقعہ سے فائدہ اٹھایا اور اس قلعہ تک پہنچ گئی میں دشمنِ خدا مسیلمہ کو قتل کرنا چاہتی تھی۔ اسی وقت ایک مرد نے میرے اوپر حملہ کر دیا اور میرا ہاتھ قلم کر دیا، خدا کی قسم جب میں نے اس سے ہاتھ اٹھایا تو اسے مردہ پایا۔ عبداللہ کا بیٹا اپنی تلوار سے خون صاف کر رہا

تھا۔ میں نے کہا تم نے اسے قتل کیا ہے ؟ اس نے کہا : ہاں، اس فتح پر میں خدا کا شکر بجا لانے کیلئے سجدہ میں گر پڑی۔ اس عورت کو تاریخ اسلام کی شیر دل عورت کا لقب دیا جانا چاہیئے۔[1]

---

[1] بحار الانوار ج ۲۰ ص ۱۳۲ اور اس کے بعد طبع جدید

قبیلۂ بکر بن وائل کی ایک عورت

تاریخِ اسلام میں جو باکمال و اخلاص عورتیں حق اور اہلِ حق کی مدد کو دوڑی ہیں اور ان کی زبان سے نکلے ہوئے چند جملوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ نازیبا کام وہ لوگ انجام دیتے ہیں جن کا دامن ہر قسم کی فضیلت و شرافت سے خالی ہوتا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے، جو نام کے بغیر تاریخ کی نامدار عورتوں میں شامل ہے۔

وہ اپنے شوہر کے ساتھ ابن سعد کی فوج میں تھی۔ عصر عاشور تک اس کی آنکھیں نہیں کھلی تھیں یا اگر اس کی چشم بصیرت وا بھی ہو گئی تھی تو بھی وہ حیرت و افسوسناک حالت میں تنہائی میں بیٹھی ہوئی کربلا کا خونی منظر دیکھ رہی تھی۔ اس عورت کو جس نازک لمحہ نے ستمگروں کے خلاف اٹھنے پر مجبور کیا وہ لمحہ وہ تھا کہ جب فاتح کی حیثیت سے دشمنوں نے امام حسینؑ اور آپ کے اہل بیت کا اسباب و اثاثہ لوٹنا شروع کیا۔

یہ حالت دیکھ کر اس عورت نے تلوار کھینچ لی اور چلائی: اے بکر بن وائل کے خاندان والو! تم زندہ ہو اور یہ رسولؐ زادیوں کے خیمے لوٹ رہے ہیں؟ ایک عظیم انقلاب برپا کرنے کے لئے یہی جملہ کافی ہے۔ اگرچہ یہ انقلاب اسی وقت بپا نہ ہوا اور اس آواز نے ان کانوں پر اثر نہ کیا لیکن انھیں اعتراضات کی وجہ سے ایک بڑی طاقت وجود میں آگئی اور خاندان رسولؐ کے بازماندگان

کی تقریروں سے یہ طاقت حرکت میں آگئی اور اس نے ظلم و استبداد کے محل کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

گویا اس حق شناس عورت کی یہ آواز جو کہ اس نے امام حسینؑ کے اہل بیتؑ سے دفاع کرنے کی غرض سے ہاتھ میں تلوار اٹھا کر بلند کی تھی اب لوگوں کے کانوں تک پہنچی ہے۔ اس کی تقریر کے چند جملے یہ ہیں:

"حکومت، خدا کی طرف سے ہے، آؤ اور رسولؐ کی خوشنودی کی خاطر خون کا انتقام لیں[1]"

آخر کار اس کا شوہر آیا اور اسے خیمہ میں لے گیا، لیکن اس کے بدنہاد شوہر نے رسوائی کو یادگار چھوڑا اور اس نیک نہاد نے فخر و فضیلت کو[2]

---

1. لا حکم الا للہ یا ثارات رسول اللہ

2. ناسخ التواریخ ج ۲ ص ۲۰۸

ہند

یزید بن معاویہ کی بیوی

جو چیزیں لوگوں کی شخصیت و افکار، احساسات و عقائد اور رویوں کی تشکیل پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک ماحول ہے۔ لوگوں کی وہ کثیر تعداد جو غور و فکر اور تشخیص کی زحمت برداشت نہیں کرتی اور لوگوں کے رنگ میں رنگ جانے کو ایک قسم کا آرام رسوائی و بے چینی سے نجات تصور کرتی ہے وہ ماحول ہی کی پیروی کرتی ہے۔

جبکہ معاشرہ میں ایسے بھی لوگ پائے جاتے ہیں جو کہ نہ صرف ماحول کا اثر نہیں قبول کرتے بلکہ جہاں تک ممکن ہوتا ہے۔ اس کی اصلاح کی کوشش کرتے ہیں۔ ہر مسلمان کی اسلامی تربیت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ تم اپنی طاقت و بساط بھر اپنے معاشرہ و ماحول کی کجرویوں اور انحرافات کے ذمہ دار ہو اور ان سے نمٹنے کے لئے کوشش کرتے رہو۔

رسولؐ فرماتے ہیں :

لینصح الرجل منکم اخاہ کنصیحتہ لنفسہ

تم میں سے ہر شخص اپنے بھائی کے لئے ایسا ہی خیر خواہ ہو جیسا

اپنے نفس کے لئے ہوتا ہے۔[1]

اسلام نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا ذمہ دار قرار دیا ہے تاکہ کوئی شخص بھی خود کو دوسروں سے جدا خیال نہ کرے اور ان کے نیک و بد سے سروکار نہ رکھے رسولؐ کا ارشاد ہے :

اذا امتی تواکلت الامر بالمعروف والنھی عن المنکر فلیاذنوا بوقاع من اللہ[2]

جب میری امت والے نیکی کا حکم دینے اور برائیوں سے روکنے کے فریضہ کو ایک دوسرے کی گردن پر ڈال دیں گے تو انھیں اسی دنیا میں خدائی عذاب کا انتظار کرنا چاہیئے۔

جس دن سے اہل شام خصوصاً دمشق والے خلیفہ دوم کی فوج کے ذریعہ اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے تھے وہ اسی زمانہ سے بنی امیہ کے زیر اثر تھے سنہ ۱۴ ھ یعنی جس سال شام والوں نے خود کو سپاہ اسلام کے حوالے کیا تھا۔ یزید بن ابی سفیان نے اٹھارہویں سال تک ان پر حکومت کی اور جب وہ اسی سال طاعون کی وباء میں مرگیا تو اس کا بھائی معاویہ اس کا جانشین ہوا۔

معاویہ نے سنہ ۴۰ ھ تک شام اور اس کے دیگر علاقوں پر حکومت کی اور جب اسی سال حضرت علیؑ نے شہادت پائی تو اس نے پوری دنیائے اسلام کو اپنی قلمرو حکومت میں داخل کر لیا اور سنہ ۶۰ ھ تک حکومت کرتا رہا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے یزید کی نوبت آئی۔ سنہ ۶۱ ھ میں امام حسینؑ نے شہادت پائی اور آپ کے اہل بیتؑ کو اسیری کی حالت میں دمشق میں لانے گئے۔

۱۔ کافی ج ۲ ص ۲۰۸ ۲۔ کافی ج ۵ ص ۵۹

دمشق کو روم کے شہنشاہ کے چنگل سے نکلے ہوئے -- اور باستثنائے علیؑ خلفاء کے تحت آئے -- ۷۴ سال ہوچکے ہیں۔ اس نصف صدی میں اہل دمشق جس اسلام سے آشنا ہوئے ہیں وہ بنی امیہ کی زہریلی تبلیغ کا رہین منت ہے۔ امویوں نے اسلام کی نقاب ڈال کر جاہلیت کی رسم و رواج کی تبلیغ و ترویج کی اور لوگوں کو اسلام سے آشنا نہیں ہونے دیا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بنی امیہ نے اہل بیتؑ کی عظمت و منزلت کو کس طرح شام والوں کی نظروں میں گھٹایا ہے۔ دمشق والوں نے امویوں کی طرفداری میں اہل بیت کے ساتھ جو سلوک کیا ہے -- جسے تاریخ نے اپنے دامن میں محفوظ رکھا ہے -- اس سے یہ حقیقت بخوبی آشکار ہوجاتی ہے۔

شام والوں کے ضمیروں کو بیدار کرنے کا ایک ہی طریقہ تھا اور وہ تھا شام میں اسیروں کا داخلہ اور ہر ایک کا مناسب موقعہ سے فائدہ اٹھا کر خطبہ دینا اس سے روشن فکر طبقہ میں بہت جلد بیداری کی لہر دوڑی اور وہ اجتماعی حوادث کا تجزیہ و تحلیل کرکے یزید کے جھوٹے پروپیگنڈے کے باوجود حقیقت کو پہچان گئے۔

قبل اس کے کہ امام حسینؑ کے پسماندگان اپنے آتشیں خطبوں سے ایسے لوگوں کے اذہان روشن کرنے کیلئے زمین ہموار کریں، ہمارے سامنے ایسے افراد آئے ہیں کہ جنھوں نے جان بوجھکر قدم اٹھایا اور اپنے فیصلہ میں کسی قسم کی غلطی سے دوچار نہیں ہوئے۔

ان افراد میں بعض یزید اور دوسرے امویوں کے ظلم وستم پر خاموش رہنے کو چونکہ گناہ خیال کرتے تھے اس لئے وہ ہر مناسب موقع پر تقریر کرتے اور حقائق بیان کرتے تھے۔ یہ یزید کی رسوائی اور لوگوں کی بیداری کے لئے نہایت مفید طریقہ تھا۔ ان لوگوں کے ردعمل سے ایک ایسی موج اٹھتی تھی

جیسے بنی امیہ کی زہریلی تبلیغ اور ان کی طاقت کچل دیتی تھی۔

لیکن جناب زینبؑ اور امام زین العابدینؑ نے جو تبلیغات کی ہیں، ان کے نتیجہ میں ایسی موج اٹھی کہ جس کو کوئی طاقت نہ دبا سکی۔ جن نمایاں لوگوں کو احترام سے یاد کیا جاتا ہے اور جنھیں ممدوح پرچم داروں کی صف میں کھڑا کیا جاتا ہے انھیں میں سے ایک عبد اللہ بن عامر کی بیٹی اور یزید کی بیوی ہند ہے۔

ہند دمشق — یا پورے عالم اسلام — کی ملکہ ہیں۔ اجتماعی اور مادی لحاظ سے اس کی منزلت بہت بلند ہے۔ اور وہ اس بات سے بھی بخوبی واقف ہے کہ یہ منصب و حیثیت مظالم اور سنگ دلی ہی کے طفیل میں ہے۔ لہٰذا وہ اپنی انسانیت اور ضمیر کو جاہ و حشم پر قربان نہیں کر سکتی اور نہ ہی اسے یزید اور بنی امیہ کے ہاتھ فروخت کر سکتی ہے۔

ہند نے چند سال امام حسینؑ کے گھر میں بسر کئے تھے۔ اس نے آپؑ کے اخلاق اور شخصیت سے مرعوب ہونے کے علاوہ آپ سے فضائل و کمالات حاصل کئے تھے، اچھی طرح واقف تھی۔ اہل بیتؑ کو بھی نزدیک سے جانتی تھی۔ ہند کا ماحول یزید، بنی امیہ اور اہل دمشق کے گھر کے ماحول سے مختلف ہے۔ حق شناسی اور حقیقت کی پاسداری کا سبق اس نے اہل بیتؑ رسولؐ سے لیا ہے اور پاک و صاف کو ایمان اپنی کتاب زندگی کا سرنامہ قرار دیا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ اس وقت اسے تقدیر نے ایک ظالم و ستمگر کے محل میں پہونچا دیا ہے اور اسے اس کی زوجہ بنا دیا ہے لیکن اگر کوئی قیمتی گوہر کوڑے میں بھی گر جائے تو بھی اس کی قیمت پر حرف نہیں آتا ہے۔ ہند نے ٹھیک وقت پر آواز بلند کی اور اپنی بانگِ اعتراض کو سب کے کانوں تک پہنچا دیا۔ یزیدلعین بہت

عبد المطلب سے کہا: "میری بیٹی آپ کے بیٹے کے لئے ایک ہدیہ ہے، مجھے کسی قسم کے مہر کی ضرورت نہیں ہے۔" "خدا آپ کو جزاء خیر عطا کرے، اس سے مفر نہیں ہے، لڑکی کا مہر ہونا چاہئے اور ہمارے عزیزوں میں سے بعض کو گواہ بھی ہونا چاہئے۔"

عبد المطلب لڑکی کو کچھ دینا چاہتے تھے کہ ایک شور مچا، وہب نے سراسیمگی کی حالت میں شمشیر اٹھالی، دیگر افراد بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ قصہ یہ تھا کہ جو یہودی حملہ کرکے عبد اللہ کو قتل کرنا چاہتے تھے، وہ وہب کے گھر میں قید تھے۔ انہوں نے سوچا کہ موقعہ سے فائدہ اٹھا کر اس محفل میں معزز افراد کو پتھروں اور لاٹھیوں سے مار ڈالیں بڑا خطرناک ماحول بن گیا تھا، یہودی اندھیرے سے انھیں دیکھ رہے تھے اور یہ روشنی میں ہونے کی وجہ سے انھیں نہیں دیکھ پا رہے تھے۔ انہوں نے پتھروں سے اپنے حملہ کا آغاز کر دیا۔

لیکن عبد المطلب اور آپ کے ساتھیوں نے جواں مردی سے کام لیا اور ان کے حملہ کو ناکام کر دیا۔ یہودیوں کی اس بزدلانہ حرکت کی سزا انھیں قتل کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتی تھی۔

اس کے بعد عبد المطلب جہاں بھی جاتے شمشیر اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ جب گھر واپس آنے لگے تو عبد المطلب نے وہب سے کہا: "کل اپنے رشتہ داروں کو بلا کر نکاح کر لیں گے"

اگلے دن صبح کے وقت عبد المطلب نے اپنے رشتہ داروں کو بلایا، سب نے فاخرہ لباس زیب تن کیا، جس سے ایک باشکوہ محفل کا سماں بندھ گیا۔ عبد المطلب محفل میں آئے حاضرین تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد عبد المطلب نے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا:

"خدا کی نعمتوں پر ہم اس کی حمد و سپاس کرتے ہیں۔ اس نے ہمیں اپنے گھر۔ کعبہ۔ کا ہمسایہ قرار دیا اور اپنے حرم میں سکونت عطا کی۔ لوگوں کے دلوں میں ہماری

زیادہ مغرور ہے اس کی بے حیائی اور ظلم وستم کی انتہا ہو چکی ہے ۔ امام حسینؑ کے اہل بیتؑ کو سخت تکلیف دہ قید خانہ میں بند کر رکھا ہے ۔ امام حسینؑ کا سر مبارک قصر کے دروازہ پر لٹکا رکھا ہے تاکہ حکومت کے مخالف اس سے عبرت حاصل کریں ۔

دوسری طرف دمشق کے باحیثیت لوگوں، سفیروں اور دوسری حکومت کے سیاسی نمائندوں کو بلایا گیا ہے تاکہ وہ یزید کے جشن فتحیابی میں شریک ہو کر اسے مبارک پیش کریں ۔

ظاہر ہے کہ اگر ایسے نازک وقت میں، مخالفت واعتراض کی آواز بلند کی جائے اور جن بے خبر لوگوں کو دور دراز سے دمشق بلایا گیا ہے، انھیں حقیقت سے روشناس کرایا جائے تو بہت مؤثر اقدام ہو گا ۔ اس جشن کا انتظام کچھ اس طرح کیا گیا ہے کہ اسیر بھی یزید کے ظلم وستم کو بیان کر کے اسے رسوا نہیں کر سکتے ہیں ۔ اس نازک مہم سر کرنے اور اس عظیم پیغام کو پہنچانے کے لئے خود یزید کی زوجہ موزوں ہے، سب اس کی بات کو سنیں گے اور اسے اہمیت دیں گے اور اس کے ہر لفظ پر غور کریں گے ۔ اس زمانہ کے تمام رسم و رواج کے خلاف ہند سراسیمگی کی حالت میں آئی ۔ حاضرین اس کی آمد سے متحیر تھے، وہی سب کی نگاہوں کا مرکز تھی ۔

عجیب بات ہے ۔ ہند اس وقت قصر خلافت کی نمایاں اور ممتاز ملکہ ہے اس نے ان سنتوں اور وضع داریوں کو کیونکر پامال کر دیا اور مجلس میں آگئی اور اعتراض کر دیا ۔ سب کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ بات بہت اہم ہے، حقیقت اس کے برخلاف ہے جو ظاہر کیا جا رہا ہے ۔ اس لئے ابھی سے حوادث کی تحقیق و تجزیہ اور تحلیل ہونی چاہئے اور یزید کے اسرار مظالم سے پردہ اٹھانا چاہئے ۔

ہند ایسی وقت شناس اور نامور مجاہد عورت کی مثال بہت کم ملتی ہے

زیادہ مغرور ہے اس کی بے حیائی اور ظلم وستم کی انتہا ہو چکی ہے۔ امام حسینؑ کے اہل بیتؑ کو سخت تکلیف دہ قید خانہ میں بند کر رکھا ہے۔ امام حسینؑ کا سر مبارک قصر کے دروازہ پر لٹکا رکھا ہے تاکہ حکومت کے مخالف اس سے عبرت حاصل کریں۔

دوسری طرف دمشق کے باحیثیت لوگوں، سفیروں اور دوسری حکومت کے سیاسی نمائندوں کو بلایا گیا ہے تاکہ وہ یزید کے جشن فتحیابی میں شریک ہو کر اسے مبارک پیش کریں۔

ظاہر ہے کہ اگر ایسے نازک وقت میں، مخالفت و اعتراض کی آواز بلند کی جائے اور جن بے خبر لوگوں کو دور دراز سے دمشق بلایا گیا ہے، انھیں حقیقت سے روشناس کرایا جائے تو بہت مؤثر اقدام ہوگا۔ اس جشن کا انتظام کچھ اس طرح کیا گیا ہے کہ اسیر بھی یزید کے ظلم وستم کو بیان کر کے اسے رسوا نہیں کر سکتے ہیں۔ اس نازک مہم سر کرنے اور اس عظیم پیغام کو پہنچانے کے لئے خود یزید کی زوجہ موزوں ہے، سب اس کی بات کو سنیں گے اور اسے اہمیت دیں گے اور اس کے ہر لفظ پر غور کریں گے۔ اس زمانہ کے تمام رسم و رواج کے خلاف ہند سراسیمگی کی حالت میں آئی۔ حاضرین اس کی آمد سے متحیر تھے، وہی سب کی نگاہوں کا مرکز تھی۔

عجیب بات ہے۔ ہند اس وقت قصر خلافت کی نمایاں اور ممتاز ملکہ ہے اس نے ان سنتوں اور وضع داریوں کو کیونکر پامال کر دیا اور مجلس میں آگئی اور اعتراض کر دیا۔ سب کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ بات بہت اہم ہے، حقیقت اس کے برخلاف ہے جو ظاہر کیا جا رہا ہے۔ اس لئے ابھی سے حوادث کی تحقیق و تجزیہ اور تحلیل ہونی چاہئے اور یزید کے اسرار مظالم سے پردہ اٹھانا چاہیئے۔

ہند ایسی وقت شناس اور نامور مجاہد عورت کی مثال بہت کم ملتی ہے

وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور ہند کے پاس گیا۔ پہلے ہند کے اوپر چادر ڈالی اور پھر ایک ماہر سیاست داں اور موقع شناس کی طرح ہند کے ساتھ بہت نرمی سے پیش آیا اور اسکی دلجوئی کرتے ہوئے کہا:

"ہند تم جانتی ہو بنت رسولؐ کے بیٹے پر گریہ کرو کہ وہ خاص اور خالص قریش ہے۔ خدا ابن زیاد پر لعنت کرے کہ اس نے حسینؑ کے سلسلہ میں جلدی کی اور انھیں قتل کر ڈالا۔ خدا اسے غارت کرے۔"

اس موقع پر یزید نے جس مہارت سے کام لیا ہے وہ یہ تھی کہ اس نے خود کو قتل حسینؑ سے بری قرار دیا اور اس کا مظلمہ ابن زیاد کی گردن پر ڈال دیا اور اس عظیم گناہ کو اس کی خودسری قرار دیا۔ اس طرح حقیقت پر پردہ ڈال دیا اور لوگوں کو فریب دینے کے لئے نیا راستہ اختیار کیا۔ لیکن اس راہ پر گامزن رہنے کا لازمہ یہ تھا کہ اس کے بعد وہ حسینؑ کے پسماندگان پر روا رکھی جانے والی سختیوں کو گھٹائے گا اور انھیں کسی حد تک آزادی دے گا۔

مجبوراً اس نے یہی کام کیا اور امام زین العابدینؑ کی زیادہ سے تعظیم کرنے لگا۔ یہاں تک کہ آپؑ کو دمشق کی بڑی مسجد کے منبر پر تشریف فرما ہونے اور اہل دمشق کو امیوں کے مظالم سے آگاہ کرنے کا موقع مل گیا۔[1]

---

[1]. ناسخ التواریخ طبع امیر کبیر ج ۲ ص ۳۴۶ و ص ۳۴۷

زوجہ جابر بن عبداللہ انصاریؓ

جابر تاریخ اسلام کی نمایاں شخصیتوں میں سے ایک ہیں۔ وہ خود کہتے ہیں: "میں نے اُن ۱۹ اسلامی جنگوں میں شرکت کی ہے جو زمانۂ رسولؐ میں ہوئی تھیں۔" ان کے والد جنگ احد میں کام آگئے تھے۔ خدا نے انھیں طویل عمر عطا کی، چنانچہ وہ زمانۂ رسولؐ سے عہدِ امام محمّد باقرؑ تک بقید حیات تھے۔ اس طرح انہوں نے پانچ ائمہ کو درک کیا ہے۔

جابر کو جن جنگوں میں شریک ہونے کا فخر حاصل تھا ان میں سے ایک جنگِ خندق تھی۔ یہ جنگ ۵ھ کو ماہِ شوال میں ہوئی تھی[۱]۔ اس جنگ میں رسولؐ نے حکم دیا کہ مدینہ کا جو حصہ فوجی ٹیکنک کے لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے وہاں خندق کھودی جائے تاکہ دشمن ہر طرف سے مدینہ پر حملہ نہ کر سکے۔ مسلمان شوق و ہمہمہ کے ساتھ خندق کھودنے میں مشغول تھے۔ جابر بھی اپنے فریضہ کو انجام دے رہے تھے۔ خندق کھودتے وقت ان کے سامنے ایک بڑا پتھر آیا۔ اس کا اکھاڑنا دشوار تھا، رسولؐ کو اطلاع دی گئی۔ فرمایا: "اس پر پانی چھڑک دو" پانی چھڑک دیا گیا تو رسولؐ تشریف لائے، بھوک کی شدت سے شکم سے پتھر باندھے ہوئے تھے، کلنگ ہاتھ میں لیا، تین بار اللہ کا نام لیا اور پتھر کے ٹکڑے کر دیئے۔

جابر رسولؐ کے شیفتہ افراد میں سے تھے، ان سے یہ برداشت نہ ہو سکا کہ

۱۔ سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۲۲۴ اور اس کے آگے۔

رسولؐ بھوکے رہیں۔ لہٰذا عرض کی: "اے اللہ کے رسولؐ! میں گھر جانا چاہتا ہوں اجازت ہے؟" رسولؐ نے اجازت مرحمت کی۔ جابر گھر پہنچے۔ بیوی سے پوچھا: "گھر میں کچھ ہے؟" "تین سیر جو اور ایک بکری کا بچہ ہے۔"

جابر اور ان کی بیوی نے یہ طے کیا کہ آج رسولؐ کی اپنے گھر دعوت کریں گے۔ بیوی آٹا پیسنے لگی۔ جابر نے بکری کا بچہ ذبح کیا اور اس کا گوشت بنایا اور عورت کے سپرد کیا۔ خود رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گھنٹہ بھر اپنے فریضہ کی انجام دہی میں مشغول رہنے کے بعد دوبارہ رسولؐ سے اجازت طلب کی، رسولؐ نے اجازت مرحمت کی، گھر آئے تو دیکھا کہ آٹا گندھا ہوا ہے اور گوشت پک چکا ہے۔ واپس گئے اور عرض کی:

اے اللہ کے رسول! ہمارے گھر میں کھانا تیار ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آج آپؐ اور آپ کے دو اصحاب ہمارے گھر تناول فرمائیں۔ "کتنا کھانا ہے؟ رسولؐ نے سوالؐ کیا؟" "تین کیلو جو اور ایک بکری کا بچہ"۔ رسولؐ نے جابر کو بتائے بغیر خندق کھودنے میں مشغول مسلمانوں سے کہا: آج ہم سب کی جابر کے گھر دعوت ہے۔ آؤ جابر کے گھر چلتے ہیں۔ سارے مسلمان رسولؐ کے ساتھ جابر کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ اس صورت حال سے جابر مخمصہ میں تھے، ڈر رہے تھے کہ اتنے لوگوں کو کیسے شکم سیر کرائیں گے۔ لیکن شرم وحیا کی بنا پر کچھ نہ کہا۔ مگر دل ہی دل میں سوچ رہے تھے ان لوگوں کے درمیان بے عزتی ہوگی۔

یہاں اس عورت کی ایمانی طاقت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جس کو اسلام اور مسلمانوں کے رہبر کی میزبانی کا فخر حاصل ہے۔ جابر اس صورت حال سے مضطرب ہیں۔ جابر مسلمان مہمانوں کے آنے سے پہلے گھر پہنچے اور بیوی سے کہا: غضب ہوگیا

رسولؐ سب لوگوں کے ساتھ کھانا کھانے آرہے ہیں، کیا کیا جائے ؟

عورت شوہر کی طرح پریشان ہی نہیں ہوئی بلکہ نہائت اطمینان سے پوچھا: کیا رسولؐ نے آپ سے غذا کی مقدار کے بارے میں معلوم کیا؟ ہاں معلوم کیا اور میں نے بھی کہدیا ہے کہ تین کیلو جو اور ایک بکری کا بچہ ہے۔ عورت نے کہا: تو تمہیں پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ خدا ور رسولؐ ہم سے زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ ہم نے رسولؐ سے حقیقت بیان کی ہے۔

جابر کہتے ہیں کہ اس عورت کی باتوں نے مجھے پریشانی سے نجات دلائی۔ رسولؐ مہمانوں کے ہمراہ تشریف لائے اور عورت سے فرمایا: گوشت مجھے دد۔ رسولؐ نے گوشت کی بوٹی بوٹی کرکے مہمانوں کو دیا اور رسولؐ کے ہاتھ کی برکت سے سب مہمانوں نے شکم سیر ہوکر کھانا کھایا اور سب کے بعد جابر کے خاندان نے کھایا اور سب شکم سیر ہوگئے۔[1]

---

[1] بحار الانوار، طبع جدید ج ۲۰ ص ۱۹۸، سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۲۲۶، استیعاب حرف ج

سبیعۂ اسلمیہ

ہجرت کے چھٹے سال رمضان و شوال گذر جانے کے بعد ماہ ذی قعدہ میں رسول صلعم عمرہ مفردہ بجالانے کیلئے عازم مکہ معظمہ ہوئے ۔ اگرچہ رسولؐ کے ہمراہ جم غفیر تھا۔ لیکن آپؐ کے سفر کی صورتحال سے معلوم ہوتا تھا کہ آپؐ جنگ کے ارادہ سے نہیں نکلے ہیں ۔ کیونکہ احرام باندھنا اور اپنے ساتھ قربانی کے جانور لے جانا اس بات کی دلیل ہے کہ سفر عبادی ہے جنگی نہیں ! اگرچہ رسولؐ کی جنگیں بھی دوسرے لحاظ سے عبادت تھیں ۔ اہل مکہ کو مسلمانوں سے دشمنی تھی ۔ رسولؐ نے ضروری احتیاط سے چشم پوشی نہیں کی ۔

مشرکین نے یہ طے کر لیا تھا کہ جیسے بھی ہو سکے گا رسولؐ اور مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے باز رکھیں گے ۔ مختصر یہ کہ کافی طویل گفتگو کے بعد فریقین کے درمیان صلح نامہ لکھا گیا ۔ رسولؐ نے سر منڈوایا اور قربانی کر کے واپس لوٹنے کا قصد کیا ۔

فریقین کے درمیان جو صلح ہوئی وہ "صلح حدیبیہ" کے نام سے مشہور ہے صلح نامہ میں اس بات پر اتفاق کیا گیا تھا کہ فریقین دس سال تک جنگ نہیں کریں گے اور دونوں ہی سکون و اطمینان کے ساتھ تجارت اور دیگر کاموں میں مشغول رہیں گے ۔ اس کے علاوہ اگر قریش کا کوئی آدمی رسولؐ کے پاس آجائے گا تو وہ اسے واپس کریں گے اور اگر کوئی مسلمان مکہ چلا گیا تو وہ واپس نہیں کریں گے ... [1]

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۳۲۱ اور اس سے آگے ۔

اس صلح نامہ سے مسلمانوں میں وہ لوگ ناراض ہوئے جو اجتماعی مفاد کو نہیں سمجھتے تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس صلح کے نتائج بلند اور روشن تھے۔

صلح نامہ پر دستخط ہو جانے کے بعد سبیعہ اسلمیہ اپنے خاندان سے نظر بچا کر نکل آئی اور رسولؐ کی پناہ حاصل کی۔ سبیعہ کا شوہر ــــ جو کہ کفار مکہ میں سے تھا ــــ رسولؐ کے پاس آیا اور کہا: محمدؐ! میری بیوی مجھے دیجئے۔ جو دستاویز ہمارے اور آپ کے درمیان لکھی گئی ہے ــــ جس کی روشنائی ابھی خشک نہیں ہوئی ہے ــــ اس کی رو سے جو آدمی بھی ہمارا آپؐ کے پاس آئے گا اسے ہماری طرف واپس پلٹا یا جائے گا۔

لیکن رسولؐ نے فرمایا: یہ معاہدہ مردوں کے سلسلے میں ہوا ہے عورتوں سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو عورتیں رسولؐ کے پاس آتی تھیں، قرآن کے حکم کے مطابق ان کا امتحان لیا جاتا تھا جو امتحان میں کامیاب ہو جاتی تھیں انھیں واپس نہیں کیا جاتا تھا۔ ایسی عورتوں کے بارے میں قرآن مجید یہ حکم دیتا ہے:

"مومنو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں آئیں تو ان کا امتحان لو۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ایمان کی خاطر آئی ہیں تو انہیں کفار کی طرف نہ لوٹا دو۔ کیونکہ وہ نہ کفار کے لئے حلال ہیں اور نہ کفار ان کے لئے حلال ہیں، ہاں جو کچھ کفار نے خرچ کیا ہے وہ انھیں واپس کر دو اور جب تم نے ان کا مد واپس کر کے ان سے نکاح کیا تو پھر تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ ہاں کافر عورتوں کو اپنے پاس نہ روکو جو تم نے خرچ کیا ہے اس کا تم مطالبہ کرو اور جو کافروں نے خرچ کیا ہے کافر اس کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔

یہ ہے اللہ کا حکم جسے وہ تمہارے درمیان نافذ کرتا ہے اور خدا جاننے والا اور حکمت والا ہے۔[1]

حقیقت یہ ہے کہ اس آسمانی حکم نے خاندانوں کو پاک کر دیا ہے۔ کیونکہ اس حکم کا لازمہ یہ تھا: اولاً اگر مسلمان عورت اسلام کی خاطر اپنے شوہر کو چھوڑ کر آتی ہے تو اسے دوبارہ اس کے شوہر کو واپس نہ کیا جائے بلکہ مسلمانوں کو اس سے شادی کرنی چاہئے۔ دوسرے مکہ میں جن مسلمانوں کے ساتھ کافر عورتیں تھیں وہ انھیں چھوڑ دیں اور اسی حکم کے مطابق مسلمان عورتوں سے نکاح کریں۔ اس طرح غیر مسلم مرد مسلمان عورتوں سے اور غیر مسلم عورتیں مسلمان مردوں سے جدا ہو جاتی تھیں اور ایسے خاندان وجود میں آجاتے تھے کہ جس کے تمام افراد مسلمان ہوتے تھے۔
چونکہ خاندان، اجتماع کے پیکر کا بنیادی عنصر ہے۔ لہٰذا اس بات میں کوئی شک باقی نہیں رہتا ہے کہ خاندانوں کی اصلاح معاشرہ کی اصلاح میں بہت مؤثر ہوتی ہے۔ اس آیت کے نازل ہونے پر مکہ میں رہنے والے بعض مسلمانوں نے اپنی کافر بیویوں کو طلاق دیدی اور مسلمان عورتوں سے نکاح کر لیا۔ اس حکم کے مطابق عمرو نے بھی اپنی زوجہ کو طلاق دیدی اور سبیعہ سے نکاح کر لیا۔

صدر اسلام کے مفسر ابن عباس کہتے ہیں:

"ایسی عورتوں کا امتحان یہ تھا کہ وہ یہ قسم کھائیں کہ انھوں نے شوہر سے نفرت، مدینہ کے شوق سفر، طلب دنیا اور کسی مسلمان مرد سے محبت کی بناء پر ہجرت نہیں کی ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سبیعہ سے قسم لی۔ رسم قسم کا آغاز ہوا۔ سبیعہ نے کہا:

---

[1] سورۂ ممتحنہ: آیت ۱۱

"میں خدائے واحد کی قسم کھاتی ہوں کہ میں نے صرف خدا و رسول (ص) پر ایمان کے سبب ہجرت کی ہے۔" اس کے بعد رسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے سبیعہ کو اپنی پناہ میں لے لیا اور اس کا مہر ان کے پہلے شوہر کو واپس کر دیا۔"[1]

---

[1] بحار الانوار، طبع جدید، ج ۲ ص ۳۳۷ و ص ۳۳۸، و الاصابۃ، کتاب النساء۔ حرف السین

محبت ڈالی، ہمیں آفتوں اور خطروں سے محفوظ رکھا، ہمیں نکاح کرنے اور حرام سے دور رہنے کا حکم دیا۔ لوگو! میرا بیٹا عبداللہؑ معین مہر پر آمنہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے، کیا تم راضی ہو؟"

وہب نے کہا: "ہم راضی ہیں"

عبدالمطلب نے حاضرین کو گواہ قرار دیا۔ اس پرشکوہ جشن میں سب نے خوشی منائی اور عبدالمطلب نے سب کو اس نمونہ شادی کا ولیمہ دیا، جس کا سلسلہ چار روز تک جاری رہا ہے۔ ولیمہ میں صرف اہل مکہ ہی نے شرکت نہیں کی بلکہ گرد و نواح کے لوگوں نے بھی ولیمہ کھایا۔

آمنہ شوہر کے گھر چلی گئیں۔ کچھ عرصے کے بعد ایسے بچہ سے حاملہ ہوئیں کہ جو آئندہ دنیا کو کمال و سعادت کی طرف دعوت دے گا۔

خدا کا ارادہ تھا کہ آدم کی پیدائش سے پہلے آمنہ کے نوزاد کا نام آسمانوں میں احمدؐ، زمین پر محمدؐ اور جنت میں ابوالقاسم ہو۔

نیز اس کی قضا و قدر میں ثبت تھا کہ یہ عظیم بچہ دنیا میں آنے سے پہلے والد کے سایہ سے محروم ہو جائے گا اور اس کا بچپنا یتیم بچوں جیسا گزرے گا۔

شوہر نامدار کے بعد حضرت آمنہ بھی عرصۂ دراز تک زندہ نہ رہیں۔ چنانچہ محمدؐ سات سال کے ہوئے تو آمنہ نے دنیا کو خیرباد کہا اور اس طرح عبداللہؑ و آمنہ کی یادگار کی ساری ذمہ داری عبدالمطلب پر آگئی اور آپ نے بخیر و خوبی اس ذمہ داری کو پورا کیا۔ ہمیشہ ام ایمن سے فرماتے تھے: "اے ام ایمن! میرے بچے سے غافل نہ رہنا، اہل کتاب کہتے ہیں کہ یہ پیغمبرؐ ہوگا۔"

---

[1] بحارالانوار طبع جدید ج ۱۵ ص۹۱ اور اس کے بعد ص۱۱۱ و ص۴۰۳

صفیہؓ

زوجۂ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

صفیہ کا تعلق خیبر کے یہودیوں سے ہے اور ان کا سلسلۂ نسب حضرت موسیٰ کے وصی حضرت ہارون تک پہنچتا ہے۔ خیبر فتح ہونے سے قبل وہ ایک یہودی کی بیوی تھیں. ایک رات خواب دیکھا کہ چاند ان کے دامن میں ہے۔ اگلے روز یہ خواب اپنی ماں سے بیان کیا۔ ماں نے ان کے رخسار پر زور سے ایک طمانچہ مارا اور ملامت کرتے ہوئے کہا: "تم عرب کے بادشاہ کی بیوی بننا چاہتی ہو۔"

فتح خیبر کے بعد جب صفیہ اسیر ہوئی تو رخسار پر اس وقت بھی طمانچہ کا نشان باقی تھا۔ خیبر کے سات قلعوں میں سے ایک قموص تھا۔ قلعے یکے بعد از دیگرے فتح ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ اس قلعہ کی نوبت آئی۔ اس میں ابی الحقیق کا خاندان رہتا تھا، صفیہ بھی اسی قلعہ میں تھیں جو دیگر یہودی عورتوں کے ساتھ اسیری میں آئیں۔

صفیہ اور ان کی چچازاد بہن کو حضرت بلال لائے اور انھیں یہودیوں کے کشتوں کی طرف سے گذارا۔ صفیہ کے چچا کی بیٹی یہودیوں کی لاشیں دیکھ کر رونے لگی اور سر و سینہ پیٹنے لگی۔ رسولؐ کے حکم سے صفیہ کو آپؐ کے پیچھے کھڑا کر دیا گیا اور صفیہ کی چچازاد بہن کو وہاں سے دور کر دیا گیا۔ صفیہ کو لباس پہنایا گیا۔ لوگ سمجھ گئے کہ

صفیہ کو رسولؐ کی ہمسری کا افتخار حاصل ہو گا۔

آپؐ نے بلال سے فرمایا: "کیا تمہارے دل میں بالکل رحم نہیں رہا کہ تم عورتوں کو لاشوں کی طرف سے لائے ہو؟"

صفیہ حسین اور عقلمند عورت تھی اور رسولؐ خدا سے الفت رکھتی تھی۔ اسی لئے رسولؐ بھی ان کا احترام کرتے تھے۔ عائشہ و حفصہ کو ان سے رقابت تھی، لہذا کہتی تھیں: "رسولؐ کی نظروں میں ہم معزز ہیں کیونکہ ہم آنحضرتؐ کی چچا زاد ہیں۔" صفیہ نے ان کی یہ بات روتے ہوئے رسولؐ سے نقل کی۔ رسولؐ نے فرمایا: "تم ان سے یہ کہہ سکتی تھی کہ تم کس طرح مجھ سے بہتر ہو، محمدؐ میرے شوہر ہیں، ہارون میرے والدین اور موسیٰؑ میرے چچا ہیں؟"

صفیہ کو جب مدینہ لایا گیا تو انھیں حارثہ بن نعمان کے گھر لے جایا گیا۔ مدینہ کی عورتیں جوق در جوق انھیں دیکھنے گئیں۔ عائشہ بھی اجنبی بن کر انھیں دیکھنے گئیں۔ رسولؐ نے ان سے معلوم کیا: تم نے صفیہ کو کیسا پایا؟ "ایک یہودی عورت ہے" اسے یہودی نہ کہو وہ اسلام کی گرویدہ اور اس کا اسلام بہترین ہے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ صفیہ عاقل اور صاحب فضیلت عورت تھیں۔

ایک کنیز نے عمر سے صفیہ کی چغلی کی اور کہا: "وہ سنیچر کے دن کو دوست رکھتی ہے اور یہودیوں کی مدد کرتی ہے"۔ عمر نے صفیہ کو بلایا اور اس سلسلے میں سوال کیا۔ انھوں نے کہا: سنیچر کے دن کے بارے میں تم مطمئن رہو کیونکہ جب سے خدا نے مجھے "جمعہ" عطا کیا ہے اس دن سے مجھے سنیچر سے کوئی رغبت نہیں ہے۔ رہا یہودیوں کی مدد کا مسئلہ تو ان کی مجھ سے قرابتداری ہے اسی بنا پر میں ان کی مدد کرتی ہوں۔ جب صفیہ دربار عمر سے چلی گئیں تو عمر نے کنیز سے پوچھا: "تمہیں میرے سامنے

"یہ بات بیان کرنے پر کس چیز نے اکسایا؟ کسی چیز نے نہیں بس شیطانی فکر سوار ہوگئی تھی۔"
"ٹھیک ہے، جاؤ آج سے تم آزاد ہو۔" صفیہ کو جناب فاطمہؑ سے بہت محبت تھی چنانچہ جب وہ رسولؐ کی زوجیت میں آئیں تو اپنے گوشوارے حضرت فاطمہؑ کو دیدیئے۔

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بستر علالت پر تھے، اور آپؐ کی زندگی کے آخری ایام گذر رہے تھے، اس وقت صفیہ نے کہا تھا: اے اللہ کے رسولؐ! خدا کرے آپ کی بیماری مجھے لگ جائے اور آپ صحت یاب ہو جائیں۔ ازواج رسولؐ نے صفیہ کی یہ بات سن کر آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کی طرف اشارہ کیا مطلب یہ تھا کہ دیکھو! صفیہ تظاہر سے کام لے رہی ہے۔ زبان سے کچھ کہہ رہی ہے دل میں کچھ اور ہے۔

رسولؐ نے ان سے فرمایا: "کلی کرو!"۔ "ہم کلی کیوں کریں؟" اس لئے کہ تم نے آنکھوں کے اشارہ سے صفیہ کو جھوٹی قرار دیا ہے۔ خدا کی قسم اس نے تہہ دل سے یہ بات کہی ہے۔ صفیہ علم و کمال کی پیکر ہے وہ رسولؐ سے سنی ہوئی باتوں کو یاد رکھتی تھیں اور صداقت و امانت داری کے ساتھ ان لوگوں سے بیان کرتی تھیں جو رسولؐ کے مکتب سے کمال اور آدمیت کا درس لینا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بھتیجے، غلام اور اسحاق نے ان سے روایات نقل کی ہیں۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ امام زین العابدینؑ نے بھی ان سے روایت کی ہے۔

رسولؐ سے نکاح کے وقت صفیہ کی عمر سترہ[1] سال تھی اور چونکہ ۷ھ میں خیبر فتح ہوا تھا اور صفیہ نے معاویہ کے عہد حکومت میں ۵۲ھ کو انتقال کیا۔ اس طرح آپ کی عمر ۶۲ تھی۔ رسولؐ نے صفیہ سے جو دفاع کئے ہیں وہ اس بات کا بہترین ثبوت ہیں کہ رسولؐ کو صفیہ کا ایمان و اخلاص اور درایت پسند تھی۔[1]

---

[1] بحار الانوار طبع جدید ج ۲۱ ص ۵، الاصابۃ والاستیعاب۔ کتاب النساء۔ حرف الصاد۔

امِّ حبیبہ

زوجۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

دشمن مسلمانوں کو مکہ میں بہت ستا رہے تھے اس لئے رسولؐ نے حکم دیا کہ حبشہ کی طرف ہجرت اور وہاں کے نیک منش بادشاہ کی پناہ میں زندگی بسر کرو۔ اگرچہ مشرکین نے حبشہ کے حکام سے قضیہ کو اس طرح بیان کیا کہ وہ مسلمانوں کو اپنے ملک سے نکال دیں لیکن ان کی سعی لاحاصل ثابت ہوئی اور اس کے برعکس حکام کی نظروں میں مسلمانوں کا اور احترام بڑھ گیا۔

جو لوگ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے ان میں سے ایک ام حبیبہ تھیں۔ آپ ابوسفیان اور ہند جگر خوار کی بیٹی اور معاویہ کی بہن ہیں لیکن ان میں کچھ ایسے خصوصیات ہیں کہ جن کی بناء پر ہم انھیں نمونہ مسلمان عورت سمجھتے ہیں۔

جس زمانے میں مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی اس زمانہ میں ام حبیبہ رسولؐ کے پھوپھی زاد بھائی عبید اللہ بن جحش کی بیوی تھیں، چونکہ دونوں مسلمان ہو گئے تھے اس لئے مشرکین نے ان کا جینا دشوار کر دیا تھا لہٰذا دیگر لوگوں کے ساتھ وہ بھی حبشہ چلے گئے۔

تمام فضیلتوں میں سے ہر انسان کے لئے ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ ہر ماحول

ہیں اور حالت میں اپنے عقیدہ کو محفوظ رکھے اور ذلت سے بچنے کیلئے، "خواہی نشوی رسوا ہمرنگ جماعت شو" کو شعار بنائے۔ اگر انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ جس راہ پر گامزن ہے وہ صحیح ہے تو پھر اس مخمصہ میں نہ پڑے کہ لوگ اسے پسند کرتے ہیں یا نہیں۔ کیونکہ وہ جس معاشرہ کا رکن ہے وہ یا اسی راہ پر گامزن ہوگا یا دوسری کو اختیار کرے گا۔ جن افراد میں یہ صلاحیت ہوتی ہے، اگر وہ عقلِ سلیم اور روشن فکری سے کام لیتے ہیں اور تعصب و تنگ نظری کا شکار نہیں ہوتے ہیں تو وہ بڑی قدر و قیمت کے حامل بنتے ہیں۔

عبید اللہ بن جحش حبشہ میں مسیحیت کی تبلیغات سے متاثر ہو کر مسیحی ہو گئے اور "جیسا دیس ویسا بھیس" کے مصداق بن گئے۔ بہت سی عورتیں اپنے شوہر کی عقل و فکر کا اتباع کرتی ہیں اور شوہر کے سامنے سراپا تسلیم ہو جاتی ہیں۔ لیکن ام حبیبہ نے ماحول کا رنگ اختیار نہیں کیا اور نہ ہی اپنے شوہر کے غلط رویہ کی پیروی کی بلکہ نہایت ہی ثابت قدمی سے مبارزہ کیا۔

ایک شب خواب میں دیکھا کہ ان کے شوہر کا چہرہ بگڑ گیا ہے اور صورت منفور بن گئی ہے۔ بیدار ہوئیں تو خیال کیا ان کے شوہر راہِ حق سے بھٹک گئے ہیں اور راہ باطل اختیار کر لی ہے۔ کیونکہ شکل و صورت کا منفور ہونا سیرت کے منفور ہونے پر دلالت کرتا ہے اور ظاہر کا بدل جانا باطن کی تبدیلی کی علامت ہے۔ اتفاق سے ان کا خیال صحیح ثابت ہوا۔ اس صبح عبید اللہ نے ان سے کہا:

"دین کے بارے میں میں نے بہت غور و فکر کیا ہے۔ مسیحیت سے بہتر میں نے کوئی دین نہیں پایا ہے لہٰذا میں دین محمدؐ کو چھوڑ کر مسیحیت اختیار کرتا ہوں۔"

"خدا کی قسم تمہیں مذہب بدلنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ کل رات میں نے تمہارے بارے میں یہ خواب میں دیکھا ہے۔ جتنی جلد ہو سکے توبہ کرو اور اس سے باز رہو"

لیکن عبید اللہ نے ان کی باتوں پر کان نہ دھرے، اس کی حالت پہلے جیسے نہ رہی، بے پناہ شراب پینے کے سبب اپنے کیفر کردار کو پہنچا۔ عبید اللہ کے انتقال کے بعد ام حبیبہ نے دوسرا خواب دیکھا۔ کہتی ہیں: گویا مجھے خواب میں کسی نے ام المومنین کہا۔ میں نے اپنے اس خواب کی یہ تعبیر لی کہ رسول خدا مجھ سے نکاح کریں گے۔ جب ام حبیبہ کا عدہ تمام ہوگیا تو ایک نجاشی کا بھیجا ہوا قاصد ان کے گھر آیا اور اُن سے داخل ہونے کی اجازت طلب کی۔ یہ قاصد "ابرہہ" نام کی ایک کنیز تھی، جو مکمل طور پر آراستہ تھی۔

ام حبیبہ نے اسے داخل ہونے کی اجازت دی۔ کنیز نے مختصر گفتگو کے بعد کہا:

"نجاشی نے فرمایا ہے کہ مجھے رسول نے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہارے ساتھ رسول کا عقد کر دوں۔ تم کسی کو اپنا وکیل مقرر کر دو تاکہ نکاح کی رسم ادا ہو جائے۔"

ام حبیبہ نے خالد بن سعید کو بلایا اور انھیں اپنا وکیل مقرر کیا۔ اور پھر اس بشارت پر "ابرہہ" کو اپنے گوشوارے، دست بند اور انگوٹھی عطا کی۔ رات ہوئی تو نجاشی نے جعفر بن ابی طالب اور دیگر مسلمان مہاجرین کو دربار میں طلب کیا اور عظیم الشان نشست میں اس طرح گویا ہوا:

"میں خدائے بزرگ و برتر کی حمد کرتا ہوں اور اس کی وحدانیت اور محمد کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں کہ جن کے آنے کی بشارت حضرت عیسیٰ نے دی ہے۔ حاضرین! مجھے رسول خدا نے لکھا ہے کہ میں ام حبیبہ بنت ابی سفیان کے ساتھ آنحضرت کا عقد پڑھ دوں۔ چنانچہ اب میں رسول خدا کے حکم کو جاری کر رہا ہوں اور ۴۰۰ دینار مہر پر ام حبیبہ کا عقد آنحضرت کے ساتھ

پڑھ رہا ہوں۔"

ام حبیبہ کے وکیل خالد بن سعید نے اس طرح کہا:

"میں خدا کی حمد کرتا ہوں اور اسی سے مغفرت چاہتا ہوں، اس کی وحدانیت اور محمدؐ کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔ خدا نے انھیں لوگوں کی ہدایت کے لئے منتخب کیا اور دین حق کے ساتھ مبعوث کیا تاکہ دین حق کو تمام ادیان پر غالب کرے۔ خواہ مشرکوں کو یہ ناگوار ہی ہو۔ جان لو میں نے بھی رسولؐ کی دعوت قبول کر لی ہے اور ام حبیبہ بنت ابی سفیان کا عقد آنحضرتؐ سے پڑھتا ہوں۔ خداوند اس ازدواج کو رسولؐ کے لئے بابرکت قرار دے۔"

اس کے بعد خالد بن سعید کو مہر کی رقم دی گئی۔ حاضرین اٹھ کر جانے لگے تو نجاشی نے کہا: "بیٹھ جاؤ کہ پیغمبرؐ شادی کے وقت ولیمہ دیتے ہیں۔ اس کے بعد کھانا کھلایا گیا۔ خالد مہر کی رقم ام حبیبہ کے پاس لائے۔ ام حبیبہ نے "ابرہہ کنیز" کو بلایا۔ اس وقت میں نے اپنا زیور اس لئے بخشدیا تھا کہ میرے پاس پیسے نہیں تھے۔ لو اب پیسے بھی لے لو۔" ابرہہ کنیز" نے زیور اور پیسے ام حبیبہ کو واپس کرتے ہوئے کہا: "نجاشی نے حکم دیا ہے کہ میں آپ سے کوئی چیز نہ لوں۔ میں نجاشی سے انعام لوں گی۔ مجھے رسول خداؐ سے محبت ہے۔ نجاشی کی عورتیں بھی آپ کے پاس مدینے لے کر آئیں گی۔ میری گذارش ہے کہ جب آپ رسولؐ کی خدمت میں پہونچیں میری طرف سے سلام عرض کریں اور بتا دیں کہ میں نے ان کا دین قبول کر لیا ہے۔" اس کے بعد نجاشی کی کنیز کی ام حبیبہ سے جب کبھی ملاقات ہوتی تو کہتی تھی: "بھول نہ جائیےگا میرا سلام وپیام رسول خداؐ تک پہونچا دیجئےگا۔"

جب ام حبیبہ مدینہ آئیں اور اپنے شوہر نامدار کی خدمت میں پہونچیں تو اس وقت

انکی عمر تیس سال سے اوپر تھی۔ سنہ ۶ھ میں مدینہ پہونچی تھیں وہ خود کہتی ہیں: جب میں رسولؐ کی خدمت میں پہونچی، میرے پاس سارے تحفے و ہدیئے تھے، خود کو ان سے آراستہ کر رکھا تھا۔ میں نے رسولؐ سے حبشہ میں گذری ہوئی زندگی کا زمانہ اور عقد کرنے والوں کے حالات بیان کئے اور ابرہہ کنیز کا سلام و پیام بھی پہونچا دیا۔

آنحضرتؐ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: "خدا کی رحمت و برکت ہو اس گرامی و مسلمان کنیز پر" جبکہ ام حبیبہ اسلام کا اتنا پاس کرتی تھیں اور رسولؐ کی بیوی ہونے کا بھی فخر حاصل تھا۔ اسی زمانہ میں ان کا باپ ابو سفیان شرک و عناد میں مبتلا زندگی گذار رہا تھا اور فتح مکہ تک اسی حالت میں باقی رہا۔ اس وقت بھی اس نے مسلمان دلیروں کی تلواروں کے خوف سے اسلام کا اظہار کیا تھا لیکن بعد میں رونما ہونے والے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ اسے اسلام سے ہرگز کوئی عقیدت و محبت نہیں تھی کہ وہ ہر ہاتھ آنے والے موقع پر اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کرتا تھا۔ جب اسے یہ خبر ملی کہ ام حبیبہ نے رسولؐ سے نکاح کر لیا ہے تو کہا: یہ عظیم شخص شکست نہیں کھائے گا۔

ام حبیبہ کا اصلی نام "رملہ" تھا جب ام حبیبہ مدینہ میں رسولؐ کے گھر میں تھیں اس زمانہ میں ابو سفیان مدینہ آیا اور صلح کو محکم کرنے کی غرض سے اپنی بیٹی ام حبیبہ کے گھر گیا۔ گھر میں معمولی بستر بچھا ہوا تھا۔ ابو سفیان نے اس بستر پر بیٹھنا چاہا۔ ام حبیبہ نے بستر لپیٹ دیا اور اس پر اپنے باپ کو نہیں بیٹھنے دیا۔ اس پر ابو سفیان نے تعجب سے پوچھا:

"کیا تم مجھے اس بستر پر بیٹھنے کے لائق نہیں سمجھتی ہو؟" "نہیں میں نے تمہیں اس لائق نہیں سمجھا! کیونکہ یہ بستر رسولؐ خدا کا ہے اور تم مشرک و نجس ہو۔ ام حبیبہ نے رسولؐ سے کچھ روایات بھی نقل کی ہیں۔ سنہ ۴۴ھ کو مدینہ میں وفات پائی۔ مرتے دم

ازواج رسولؐ کو بلایا اور ان سے کہا:

"عورتوں میں سوتن ہونے کی وجہ سے کینہ اور رقابت رہتی ہے، ڈرتی ہوں کہ میں نے کوئی بات کہی ہو یا ایسا کام کیا ہو کہ جس سے اس دنیا میں کوئی پریشانی پیش آئے، لہٰذا مجھے معاف کر دو تاکہ میں اطمینان کے ساتھ دنیا سے اٹھوں۔"

ازواج رسولؐ نے انھیں معاف کر دیا اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی۔ ام حبیبہ نے ان سے کہا:

"تم نے مجھے خوش کیا ہے خدا تمہیں مسرور کرے گا۔"

امام زین العابدینؑ سے منقول ہے کہ علیؑ کے گھر کے کونے میں ایک پتھر دیکھا گیا، جس پر لکھا تھا "قبر رملہ بنت صخر"۔[1]

---

[1] بحار الانوار طبع جدید ج ۲۱ ص ۴۳ تا ص ۴۵، الاصابت و استیعاب، کتاب النساء، حرف الراء، القسم الاول۔ رملہ۔

اسمارؑ

بنتِ عمیس، زوجہ جعفر طیار

اسماءؑ اور آپ کی بہنیں تاریخ اسلام کی حیرت انگیز عورتوں میں سے ہیں۔ رسول خداؐ نے ان کی تعریف کی ہے۔ اسماء کی شادی پہلے جعفر ابن ابی طالب سے ہوئی تھی۔ اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔

جن لوگوں نے حبشہ کی طرف ہجرت نہیں کی تھی وہ رسولؐ کے ہمراہ مدینہ آ گئے تھے۔ یہ حبشہ کے مہاجروں پر مباہات کرتے اور خود کو بلند سمجھتے تھے۔ یہ بات اسمار کو گراں محسوس ہوتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے رسولؐ سے عرض کی: "اے اللہ کے رسولؐ! بعض لوگ فخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم اسلام کے اولین مہاجر نہیں ہو۔"

رسولؐ نے فرمایا: "تم نے دو ہجرت کی ہیں، یعنی ایک حبشہ کی طرف اور دوسری مدینہ کی طرف۔ حبشہ ہی میں خدا نے انھیں تین بیٹے عطا کئے جن کے نام عبداللہ، محمد اور عون رکھے گئے۔ عبداللہ کی شادی زینب کبریٰ سے ہوئی۔ اسلامی معاشرہ میں جناب عبداللہ کی بڑی حیثیت ہے۔ مدینہ میں رہ کر جعفر طیار دیگر مسلمانوں کی مانند جنگوں میں شرکت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ "جنگ موتہ" کے موقعہ پر رسولؐ نے آپ کو لشکر اسلام کا سپہ سالار مقرر کیا۔ "جنگ موتہ" میں بہ ترتیب جعفر، زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ سپہ سالار

حضرت خدیجہ

زوجۂ رسولِ اکرمؐ

رسول اکرمؐ کے مدینہ ہجرت کرنے سے ٦٨ سال پہلے خدیجہ نے ایک شریف وبا فضیلت خاندان میں ولادت پائی۔ بہترین طریقہ سے پرورش ہوئی۔ عقل و دوراندیشی اور عفت و پاک دامنی کے لحاظ سے اپنے خاندان اور رشتہ داروں میں بے نظیر سمجھی جاتی تھیں۔ بہت مال دار تھیں۔ بہت سے ان کے لئے تجارت کرتے تھے۔ خدیجہ کا تجارتی قافلہ قریش کے تمام تجارتی قافلوں کی برابری کرتا تھا۔

خدیجہ کو معلوم ہوا کہ محمدؐ سچے، امین و خوش خو ہیں اور ابوطالب نے ان سے یہ پیشکش کی ہے کہ غربت و مفلسی کو دور کرنے کے لئے چچا کی مدد کریں اور خدیجہ کے مال سے تجارت کریں۔

خدیجہ نے کسی کو محمدؐ کے پاس بھیجا اور یہ پیشکش کی کہ تجارت کے لئے میرا مال لے کر شام چلے جائیں۔ رسولؐ نے خدیجہ کی پیشکش قبول کر لی اور خدیجہ کے غلام "میسرہ" کے ساتھ شام چلے گئے۔ وہاں تجارتی سامان فروخت کیا اور خریداری کر کے مکہ لوٹ آئے۔

رسولؐ اسلام کے اس اوّلین تجارتی سفر میں بہت فائدہ ہوا۔ بعد والے سفر میں خدیجہ نے آپؐ کو زیادہ مال دیا۔ جب بھی میسرہ سفر سے واپس آتا تو محمدؐ کے فضائل

مقرر ہوئے اور درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ آخر میں خالد بن ولید نے یہ ذمہ داری سنبھالی اور فوج کو میدانِ معرکہ سے نکالا اور سب مدینہ لوٹ آئے۔

آپؐ اسماء اور ان کے بچوں کو تسلیت دینے کے لئے ان کے گھر تشریف لے گئے ان کے بچوں کو سینہ سے لگایا اور ان کے سر پر دست شفقت پھیرا۔ اسماء عقل مند تو تھی ہی، تاڑ گئی لہٰذا عرض کی: "اے اللہ کے رسولؐ! کیا یہ یتیم ہو گئے ہیں؟ آپؐ ان کے سروں پر اس طرح ہاتھ پھیر رہے ہیں جیسے یتیموں کے سر پر پھیرا جاتا ہے۔ رسولؐ نے اسماء کی اس بات پر تعجب کرتے ہوئے گریہ کیا اور فرمایا:

"جعفر شہید ہو گئے ہیں اور دشمنوں نے انھیں شہید کرنے سے پہلے انکے دونوں ہاتھ قلم کر دیئے تھے۔ لیکن ہاتھوں کی بجائے خدا نے انھیں دو پر عطا کئے ہیں تا کہ وہ بہشت میں فرشتوں کی مانند پرواز کیا کریں"۔

اس کے بعد رسول اکرمؐ نے اپنی دختر جناب فاطمہؑ سے فرمایا کہ: "جعفر کے گھر کھانا لے جاؤ" اور اپنی ازواج سے فرمایا کہ: اظہار ہمدردی کے لئے اسماء کے پاس جاؤ۔ یہیں سے یہ سنّت رائج ہوئی کہ مرنے والے عزیزوں کے یہاں تین دن کھانا پہونچائیں۔

جب رسولؐ نے اسماء کو جعفر کی شہادت کی خبر دی تو انہوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسولؐ میرا دل چاہتا ہے کہ لوگ جمع ہوں تا کہ ان کے سامنے میں جعفر کی عظمت و فضیلت بیان کر دوں تا کہ فراموش نہ ہو سکے۔ رسول اللہؐ جب بھی جعفر کے گھر تشریف لے جاتے، گریہ کرتے اور فرماتے تھے۔ یہ میرے ہمدم تھے، مجھ سے گفتگو کرتے تھے، افسوس کہ دونوں اٹھ گئے۔

جعفر کی شہادت کے بعد اسماء سے ابوبکر نے نکاح کیا۔ اس نکاح کا ثمرہ محمد بن ابوبکر ہیں۔ محمد بہت ہی نیک منش آدمی تھے۔ حضرت علیؑ سے عشق و محبت رکھتے تھے۔ آپؑ کے مقاصد کے حصول میں بہت فداکاری کی ہے آخر کار مصر میں معاویہ کے کارندوں کے ہاتھوں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ شہادت کے بعد معاویہ کے بے درد کارندوں نے ان کی لاش کو گدھے کی کھال میں بھر کر نذر آتش کر دیا۔

محمد ابن ابی بکر کی موت کا حضرت علی کو ہمیشہ قلق رہا یہاں تک کہ ابن عباس کو جو خط لکھا تھا اس میں تحریر فرماتے ہیں: مصر ہاتھ سے نکل گیا اور محمد بن ابی بکر شہید کر دیئے گئے۔ اس نیک بیٹے کی موت... پر میں خدا سے فریاد کرتا ہوں۔ [1]
اسماء کو بھی محمد کی موت پر بہت صدمہ ہوا، لیکن نالہ و شیون نہ کیا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ اسی وجہ سے ان کے پستانوں سے خون جاری ہو گیا تھا۔

ابوبکر کے انتقال کے بعد علیؑ نے اسماء سے عقد کر لیا تھا۔ آپؑ سے عون و یحییٰ دو بیٹے ہیں، اس خاتون کے باعظمت تین بیٹوں کے حالات سے روشن ہوتا ہے کہ وہ نمایاں عورتوں میں سے ایک اور نمونہ ماؤں میں سے ایک تھیں کہ جنہوں نے لائق مؤمن اور پاک دامن بچوں کی تربیت کی ہے۔ اسماء نے رسولؐ سے کچھ روایت بھی نقل کی ہیں۔ ابوبکر نے وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد اسماء انھیں غسل دیں گی۔ عمر نے بھی اُن کی دیانت کی تجلیل کی ہے اور جب بھی عمر کوئی خواب دیکھتے تھے تو اسماء ہی سے اس کی تعبیر معلوم کرتے تھے۔

منقول ہے کہ ایک روز محمد بن جعفر اور محمد بن ابوبکر کے درمیان اختلاف ہو گیا۔

---

[1] نہج البلاغہ / مکتوب ۳۵

ہر ایک اپنے اپنے باپ کو دوسرے کے باپ پر ترجیح دینے لگا۔ علیؑ نے اسماء سے فرمایا کہ: ان کا فیصلہ کر دو تاکہ ان کا اختلاف رفع ہو جائے۔ اسماء نے دونوں مختلف الاب بھائیوں کے درمیان اس زیرکی سے فیصلہ کیا کہ دونوں خاموش ہو گئے۔ اس موقع پر علیؑ نے اپنی زوجہ اسماء کی بہت تعریف کی۔[1]

[1] بحار الانوار طبع جدید، ج ۲۱ ص ۵۳ تا ص ۵۶ الاصابۃ، استیعاب کتاب النساء - اسماء

ام حکیم

ابوجہل اسلام کا سخت ترین دشمن تھا جو کہ بدر میں دلاورانِ اسلام کے ہاتھوں مارا گیا۔ عکرمہ بن ابی جہل بھی اپنے باپ کے راستہ پر گامزن تھا۔ جنگ احد میں مشرکین بدر میں مارے جانے والوں کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ اس جنگ میں عکرمہ اپنی بیوی ام حکیم کے ساتھ شریک تھا۔

مکہ مسلمانوں نے فتح کر لیا، جن لوگوں کا ماضی اچھا نہیں تھا وہ جان کے خوف سے فرار ہو گئے۔ ان مفرور لوگوں میں سے ایک عکرمہ بھی تھا۔ اس کے برعکس اس کی بیوی، کہ جس نے ہر جگہ اپنے شوہر کی مدد کی تھی، رسولؐ سے حسن ظن رکھنے کی بنا پر مسلمان ہو گئی۔ رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور باکمال ادب عرض کی:

"میرا چچا زاد عکرمہ جان کے خوف سے یمن فرار کر گیا ہے۔ اسے ڈر تھا کہ آپ اسے قتل کر دیں گے۔ اسے امان دیجیے۔" رسول اللہؐ نے فرمایا: میں نے خدا کی امان اسے امان عطا کی، کوئی بھی اسے نہیں چھیڑے گا۔" جب ام حکیم عکرمہ کے لئے رسول سے امان حاصل کر چکی تو وہ اپنے شوہر کی تلاش میں مکہ سے نکلی اور جب وہ تہامہ کے ساحل پر کشتی میں سوار ہو کر فرار ہونا چاہتا تھا اس وقت اس کے پاس پہنچی اور کہا:

"ابن عم! میں بہترین اور عظیم ترین آدمی کے پاس سے آئی ہوں، تم خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو! میں نے تمہارے لئے ان سے امان مانگی تو انہوں نے امان دیدی۔" سچ کہہ رہی

ہو؟ تم نے ان سے میرے لئے امان لے لی ہے؟" "ہاں میں نے خود ان سے گفتگو کی اور تمہارے لئے امان حاصل کر لی ہے"۔ دونوں میاں بیوی مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مکہ پہنچے تو رسول ص نے اپنے اصحاب سے فرمایا: "عنقریب عکرمہ تمہارے پاس آئے گا۔ کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کے باپ کو برا بھلا کہے۔ کیونکہ یہ گوئی کا مردوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا ہے ہاں اس سے زندہ لوگ ضرور آزردہ خاطر ہوتے ہیں۔

تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ عکرمہ منہ پر نقاب ڈالے ہوئے اپنی بیوی کے ساتھ آ گیا۔ ام حکیم نے باریابی کے لئے رسول سے اجازت طلب کی۔ رسول ص نے اجازت مرحمت فرمائی۔ باریاب ہونے کے بعد اس نے عرض کی: "میں عکرمہ کو لے آئی ہوں"۔ رسول ص خوش ہوئے اور فرمایا: "اسے میرے پاس لاؤ"۔ عکرمہ رسول ص کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: "اس عورت نے مجھے خبر دی ہے کہ آپ ص نے مجھے امان دیدی ہے"۔ "اس نے سچ کہا ہے، تم امان میں ہو"۔ عکرمہ نے جب خود کو رسول ص کے لطف، رحمت وعفو کے سایہ میں دیکھا اور یہ کہ آپ نے اس کی اور اس کے باپ کی تمام برائیوں سے درگذر کیا ہے تو وہ آپ ص کا اتنا شیفتہ ہو گیا کہ اپنے دل کی گہرائی میں یہ احساس کرنے لگا کہ اب تک کی زندگی باطل پرستی میں گذاری ہے اور سب سے بڑی کامیابی دین اسلام قبول کرنے میں ہے چنانچہ اس نے کہا:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ آپ ص اس کے بندے اور رسول ص ہیں۔ اے اللہ کے رسول! آپ سب سے اچھے اور سب سے زیادہ وفادار ہیں۔ اب ان باتوں کو کہتے ہوئے شرم وحیا سے میرا سر جھکا جا رہا ہے۔ آپ ص کے چہرہ پر نظر نہیں ڈال سکتا، آپ ص کے ساتھ میں نے بڑی دشمنی کی ہے اور شرک پھیلانے میں بہت کوشش کی ہے۔"

اللہ کے رسولؐ نے اس کیلئے دعائے خیر کی۔ اس کے بعد عکرمہ نے عرض کی: "نیک راستہ کی طرف میری راہنمائی کیجئے، تاکہ میں اسی پر گامزن ہو جاؤں۔"

رسولؐ نے فرمایا: "کہو کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کے رسولؐ ہیں۔ اور راہ خدا میں جہاد کرو۔"

اس کے بعد عکرمہ کی زندگی اور اخلاق میں انقلاب آ گیا اور جتنی توانائی اس نے شرک کے سلسلہ میں صرف کی تھی اس سے کئی گنا زیادہ راہِ خدا میں صرف کر کے مجاہدِ اسلام بن گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ انہیں راہ پر لگانے میں ام حکیم لائق تحسین و ستائش ہیں۔ ام حکیم کی کوششوں سے ایک بڑے سابقہ والا مغرور مشرک، مخلص و مجاہد مسلمانوں کی صف میں شامل ہو گیا اور روم سے ہونے والی ایک جنگ میں کفار کے ہاتھ سے مارا گیا۔

ام حکیم چند ماہ تک بیوہ رہی۔ عدت ختم ہونے کے بعد خالد بن سعید نے ان سے عقد کر لیا۔ یہ عقد واقعہ مرج الصفر" کے وقت ہوا تھا۔ اس واقعہ نے زن و شوہر کو عروسی کی بھی مہلت نہ دی، دونوں ایک ساتھ روانہ ہوئے ام حکیم اپنے شوہر سے کہتی تھیں کہ عروسی کو جنگ ختم ہونے تک موقوف رکھیں، لیکن خالد نے کہا:

"میرا دل کہتا ہے کہ میں اس جنگ میں مارا جاؤں۔ بہتر ہے کہ ہم عروسی کے مراسم "پلِ مرج" کے کنارے انجام دیں، جنگوں میں ام حکیم کا حوصلہ بہت بلند تھا۔ وہ ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کی کامیابی چاہتی تھیں۔ گویا انھیں زندگی میں سب سے زیادہ لطف اسی میں آتا تھا۔ اپنے شوہر کا دل رکھنے کے لئے اسی پل کے نزدیک ایک خیمہ نصب کیا اور زفاف کی رسم ادا ہو گئی، ام حکیم کے افتخار میں اس پل کا نام "ام حکیم پل" رکھ دیا گیا۔

دوسرے روز صبح کے وقت روم کی فوج نے حملہ کر دیا، جنگ شروع ہو گئی اور خالد اپنی پیشین گوئی کے مطابق قتل ہو گئے۔ ام حکیم نے لباس کو سمیٹ کر باندھ لیا اور حجلہ عروسی کے خیمہ کی ایک چوب اٹھا کر جنگ شروع کر دی اور دلیرانہ حملے کر کے سات رومیوں کو قتل کر دیا۔[1]

[1] بحار الانوار طبع جدید ج ۲۱ ص ۱۴۳ سے ص ۱۴۴ تک، استیعاب، کتاب النساء، الاصابہ

امِّ ہانی

حضرت علی علیہ السلام کی خواہر

فتح مکہ میں رسولؐ نے یہ حکم دیا تھا کہ صرف ان لوگوں کو قتل کرنا کہ جنہوں نے جنگ کے شعلے بھڑکائے ہیں، چند اور آدمی بھی ایسے تھے کہ جنھیں بد نظمی پیدا کرنے کے جرم میں رسولؐ نے قتل کرنے کا حکم دیا تھا، خواہ وہ جنگ میں شریک ہوئے ہوں یا نہ۔

علیؑ جنگ کر رہے تھے اور دشمنانِ دین کو تہ تیغ کر رہے تھے، آپؑ کو اطلاع ملی کہ مشرکین میں سے چند آدمی آپؑ کی خواہر کے گھر میں پناہ لیے ہوئے ہیں۔ آپؑ چہرہ پر آہنی نقاب ڈالے ہوئے اپنی خواہر کے گھر گئے اور فرمایا:

"جنھیں پناہ دے رکھی ہے، انھیں باہر نکال دو"۔ پناہ گزینوں پر خوف و وحشت طاری ہو گئی۔ ام ہانی اپنے بھائی کو نہ پہچان سکیں، چلائیں: "خدا کے بندے میں علیؑ ابن ابی طالب کی خواہر اور رسولؐ کی چچازاد بہن ہوں، میرے گھر سے چلے جائیے۔"

"انھیں اپنے گھر سے باہر نکالو!"

"خدا کی قسم میں ابھی جا کر رسولؐ خدا سے تمہاری شکایت کروں گی۔"

حضرت علیؑ نے چہرہ سے آہنی نقاب ہٹائی، ام ہانی نے بھائی کو پہچان لیا اور عرض کی:

"بہن قربان! میں نے یہ قسم کھائی ہے کہ رسولؐ سے تمہاری شکایت کروں گی۔"

حضرت علیؑ نے فرمایا: "جاؤ قسم پوری کرو، رسولؐ فلاں جگہ کھڑے ہیں۔" ام ہانی رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اس وقت رسولؐ نہانے دھونے میں مشغول تھے اور فاطمہؑ چادر ڈالے کھڑی تھیں۔ جب رسولؐ نے ام ہانی کی آشنا آواز سنی تو فرمایا:

"ام ہانی شاباش تمہیں۔"

"میرے ماں باپ آپ پر قربان، میں آپ سے علیؑ کی شکایت کرنے آئی ہوں!"

"جس کو تم نے پناہ دی ہے میں بھی انھیں پناہ دیتا ہوں۔"

فاطمہؑ نے فرمایا: "ام ہانی! تم علی کی شکایت کرنے آئی ہو؟ یہ کہنا چاہتی ہو کہ علیؑ نے خدا اور رسولؐ کے دشمنوں کو خوف زدہ کیا ہے؟

ام ہانی نے معذرت چاہی۔ رسولؐ نے فرمایا: "خدا علیؑ کی سعی کا اجر عطا کرے ام ہانی کو جو علیؑ سے نسبت ہے، میں اس کے پیش نظر ان لوگوں کو پناہ دیتا ہوں جن کو ام ہانی نے پناہ دی ہے۔"

پھر جب ام ہانی اور ان کے شوہر میں جدائی ہو گئی تو رسولؐ نے خواستگاری کی۔ ام ہانی نے عرض کی: "آپؐ میرے نزدیک میری آنکھ سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ شوہر کا حق بہت زیادہ ہوتا ہے، ہو سکتا ہے کہ میں اپنے فرائض کو پورا نہ کر سکوں، میرے بچے بھی ہیں۔ اگر میں بچوں کی دیکھ بھال کروں گی تو آپ کا حق ضائع ہوگا اور اگر آپکی خدمت کروں گی تو بچوں کا حق ضائع ہوگا اور میں ماں کے فرائض انجام نہیں دے سکوں گی۔"

رسول اکرمؐ کو ام ہانی کی یہ باتیں بہت بھلی معلوم ہوئیں فرمایا:

قریش کی عورتیں بہترین عورتیں ہیں اپنے بچوں پر مہربان اور اپنے شوہر

کے حق سے واقف ہیں۔" ام ہانی نے رسولؐ سے ۴۶ حدیثیں نقل کی ہیں۔ وہ ادیب اور عقلمند عورت شمار ہوتی ہیں، وہ اپنے بھائی حضرت علیؑ کے بعد تک زندہ رہیں۔

زمانہ جاہلیت اور عہد اسلام میں وہ بے آسرا اور عاجز لوگوں کی مدد کرتی تھیں۔ چنانچہ رسولؐ سے اپنے بھائی کی شکایت بھی اسی لئے کی تھی۔ رسولؐ نے بھی اس سلسلہ میں ان کی تشویق کی اور جن لوگوں کو انہوں نے پناہ دی تھی انھیں رسولؐ نے بھی معاف کر دیا۔[1]

---

[1] بحار الانوار طبع جدید ج ۲۱ ص ۱۲۱، وسطور مع نساء مومنات

وکرامت اور آپؐ کے سر پر بادل کے سایہ فگن ہونے کو خدیجہ سے بیان کرتا تھا۔ اس سے خدیجہ پیغمبر اسلامؐ کی شیفتہ ہو گئی تھیں۔ آخر کار خدیجہ نے آپؐ کے ساتھ شادی کرنیکا فیصلہ کیا۔ کسی کے ذریعہ رسولؐ کے پاس یہ پیغام بھیجا:

"ابن عمّ آپؐ سے قرابتداری اور آپؐ کے فضائل، امانتداری، حسن خلق اور راست گوئی کی بنا پر آپؐ سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔"

رسولؐ نے یہ بات اپنے چچاؤں سے نقل کی۔ ان میں سے چند اشخاص حضرت ابوطالب کی قیادت میں خدیجہ کے چچا، عمر ابن اسد — بقولے خویلد بن اسد — کے گھر گئے۔ ابوطالبؑ نے اس طرح گفتگو کا آغاز کیا:

"تمام تعریفیں اس خدا سے مخصوص ہیں جس نے ہمیں ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی نسل میں قرار دیا اور ہمیں کعبہ کی ہمسایگی اور اپنے حرم کے امن میں سکونت عطا کی، لوگوں کے درمیان ہمیں عزّت و شرف بخشا اور اس سرزمین کو ہمارے لئے بابرکت بنایا۔

ہماری آمد کا مقصد یہ ہے کہ میرا بھتیجا ایک تہی دست جوان ہے۔ لیکن عزت و شرف کے لحاظ سے تمام قریش پر برتری رکھتا ہے، وہ خدیجہ کا خواستگار ہے، خدیجہ بھی اس کی طرف راغب ہے۔ جتنا مہر ہوگا، میں اپنے مال سے ادا کر دوں گا، خدا کے نزدیک اس کی بڑی عظمت ہے اور اس کا مستقبل نہایت ہی تابناک ہے۔"

خواستگاری اور نکاح کی رسوم ادا ہو گئیں اور بیس اونٹ مہر کے طور پر دیئے گئے۔ اور خدیجہ محمدؐ کے حبالۂ نکاح میں آگئیں۔ نکاح کے وقت حضرت محمدؐ کی عمر ۲۵ اور خدیجہ کی عمر ۴۰ سال تھی۔ وہ رسولؐ کی پہلی بیوی ہیں۔ خدیجہ کے جیتے جی رسولؐ نے دوسرا نکاح نہیں کیا۔ مبعوث بہ رسالت ہونے سے قبل خدیجہ کے بطن سے فاطمہ زہراؑ، قاسم اور عبداللہ پیدا ہوئے۔

سودہ بنت زمعہ

زوجۂ رسول اکرمؐ

آپ عالم اسلام کی نمایاں عورتوں میں سے ایک ہیں۔ رسولؐ کے حبالۂ نکاح میں آنے سے پہلے وہ اپنے چچازاد سکران بن عمرو کی زوجیت میں تھیں۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ سکران کے انتقال کے بعد خولہ بنت حکیم رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: اے اللہ کے رسولؐ! "شادی کیجیے گا؟" فرمایا: کس سے؟" عرض کی: "سودہ سے جو کہ آپؐ پر ایمان لائی اور آپ کی اطاعت گذار بنی ہے فرمایا: "خواستگاری کرو"۔ خولہ، سودہ کے پاس گئیں۔ سودہ کا بوڑھا باپ بھی موجود تھا۔ اس سے رسولؐ کے لئے سودہ کی خواستگاری کی۔ بوڑھے نے کہا: "نیک و شریف آدمی ہیں، سودہ کیا کہتی ہے؟" کہا: "وہ راضی ہے۔ اس طرح سودہ رسولؐ کی زوجیت میں آگئیں۔

ابن عباس کہتے ہیں: اس وقت سودہ کی پانچ یا چھ یتیم لڑکیاں تھیں، وہ ڈرتی تھیں کہ ان کی یتیم لڑکیوں سے رسولؐ ناراض نہ ہوں۔ لیکن چونکہ وہ یتیم لڑکیوں پر مہربان و شفیق تھیں اس لئے ان کا بہت احترام کرتے تھے۔

ایک قول کے مطابق رسولؐ نے سودہ سے بعثت کے سولھویں سال نکاح کیا تھا اور ایک قول کی رو سے بعثت کے آٹھویں سال کیا تھا۔ مہر چار سو درہم سے زیادہ نہ تھا۔

سودہ نے بڑھاپے میں اپنا حصہ عائشہ کو بخش دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ عائشہ کا حصہ دو کے برابر ہو گیا تھا۔ سودہ رحلتِ رسولؐ تک آپؐ کی زوجیت میں تھیں۔

آیت حجاب سودہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، بلند قامت تھیں۔ رسولؐ کی ازواج رات میں گھر سے باہر نکلتی تھیں۔ ایک رات میں عمر نے انھیں پہچان کر آواز دی تو آیت حجاب نازل ہوئی۔

سودہ صدقہ دینے کو پسند کرتی تھیں، جو کچھ انہیں ملتا تھا وہ اسے فقیروں میں تقسیم کر دیتی تھیں۔ پسندیدہ اخلاق کی دشمن بھی تعریف کرتے تھے۔

سودہ نے رسولؐ سے پانچ حدیثیں نقل کی ہیں۔ ۵۴ھ کو مدینہ میں انتقال کیا، اس زمانہ میں معاویہ خلیفہ تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ عمر کے زمانہ خلافت میں انتقال کیا۔

سودہ کا انتقال ہوا تو ابن عباس نے سجدہ کیا۔ بعض لوگوں نے سجدہ کرنے کی وجہ معلوم کی تو جواب دیا: رسولؐ نے فرمایا ہے کہ جب تم کوئی آیت۔ علامت۔ دیکھو تو سجدہ کرو۔ رسولؐ کی بیوی کی وفات سے بڑی اور کیا آیت ہوگی۔

امّ سلیم

راہ اسلام کی مجاہدہ

یہ اسلام کے سابقین میں سے ایک ہیں۔ ان عورتوں میں سے ہیں جنہوں نے رسولؐ کی بیعت کی ہے۔ ان کا شوہر مالک بن نضر ان کے مسلمان ہوجانے سے بہت غضبناک ہوا، انھیں ملامت کی کہ پیغمبر اسلام کی باتوں سے مسحور ہوگئی ہے۔ لیکن انہوں نے اپنے شوہر سے کہا: میرے اوپر جادو نہیں چلا ہے بلکہ میں نے علم و آگہی کے ساتھ اسلام قبول کیا ہے۔

مائیں اپنے بچوں کے ایمان کے سلسلہ میں اہم کردار ادا کرسکتی ہیں۔ ام سلیم نے اس بچہ کو شہادتین کی تلقین کی کہ جس نے ابھی بولنا شروع کیا تھا۔ لیکن مالک نے ان سے کہا: "میرے بچے کو برباد نہ کرو۔" انہوں نے جواب میں کہا: آپ مطمئن رہیں یہ برباد نہیں ہوگا۔"

تھوڑے دن کے بعد مالک شام گیا اور راستہ میں اسے دشمنوں نے قتل کر دیا۔ انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ انس کو دودھ پلاتی رہیں گی یہاں تک کہ وہ خود چھوڑ دے۔

مالک کے قتل کے بعد ابوطلحہ نے ان سے پیغام دیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ "تم مشرک ہو، پتھروں اور لکڑیوں کی پوجا کرتے ہو جو نہ فائدہ پہنچا سکتی ہیں نہ نقصان۔ تمہیں شرم نہیں آتی کہ ان کی پرستش کرتے ہو، اگر تم مسلمان ہوگئے، تو میں تم سے نکاح کرلوں گی۔

ابوطلحہ مسلمان ہوگیا اور اسی مہر پر انہوں نے اس سے شادی کرلی۔

آپ محدثہ بھی ہیں۔ رسول ص سے ۱۴ حدیثیں نقل کی ہیں۔ ان سے ان کے بیٹے انس، عبداللہ ابن عباس اور عمرو بن عاصم انصاری نے حدیث نقل کی ہیں۔

جنگ احد[1] میں بعض مسلمان مقاومت اور ثابت قدمی کے لحاظ سے چٹان تھے انہوں نے استقلال و استقامت کا امتحان دیا۔ آپ بھی احد میں موجود تھیں، ان کا کام پیاسوں اور زخمیوں کو پانی پلانا تھا۔

ام سلیم جنگ حنین میں بھی شریک تھیں۔ حنین مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر اور ایک قول کے مطابق دس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

جنگ حنین بھی بڑی شدید جنگ تھی، رسول ص اور چند دوسرے افراد کے علاوہ مارے خوف کے سبھی فرار کر گئے تھے، ام سلیم اس جنگ میں بھی استقامت کا نمونہ تھیں، اپنے پاس ایک خنجر رکھے ہوئے تھیں، ان کے شوہر نے رسول ص سے عرض کی: اے اللہ کے رسول ص! ام سلیم کے پاس خنجر ہے!

ام سلیم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ص! اگر ان مشرکوں میں سے کوئی میرے قریب آیا تو میں اس کا پیٹ چاک کر دوں گی۔

اے اللہ کے رسول ص یہ لوگ جو جنگ سے بھاگ رہے ہیں یہ بھی انھیں لوگوں کی طرح قتل کئے جانے کے لائق ہیں جو آپ سے جنگ کر رہے ہیں، میں انھیں قتل کر ڈالوں گی۔

رسول ص نے فرمایا: ام سلیم، ہمارے لئے خدا کافی ہے اور اسی نے ہمیں نیکی سے نوازا ہے[2]۔

---

[1] وہ اسلام کے احکام کی پابند تھیں، یقیناً اس کا مقصد دو سال دودھ پلانا تھا

[2] اعلام النساء ج ۲ ص ۲۵۶ و ص ۲۵۷

سیدہ

حافظ قرآن اور دانشور

یہ ساتویں صدی ہجری میں ٹیونس میں پیدا ہوئی۔ ان کے والد عبد الغنی نے ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا تاکہ یہ بعد میں عورتوں کو تعلیم دیا کرے، اس سے وہ ایک خدمت بھی کر سکے گی اور کسب معاش بھی۔

سیدہ جہد مسلسل کے نتیجہ میں حافظ قرآن ہوگئی، اور خوش خطی اور تبحر علمی میں شہرت پائی۔ جہاں بھی کوئی علمی پروگرام ہوتا تھا وہاں جاتی اور اپنے نظریات بیان کرتی تھی۔

ٹیونس والوں کے گھر گھر جاتی اور ان کی لڑکیوں کو تعلیم دیتی تھی، خود خوش خط قلم سے اخلاقی کتابیں لکھتی اور شائقین تک پہنچاتی تھی۔

اس نے تعلیم و تربیت اور عبادت کے سلسلہ میں اتنی زیادہ کوشش کی کہ بیمار و کمزور ہوگئی اور گھر کی تنہائی میں محدود ہوگئی۔ لیکن اس نے دو لڑکیاں یادگار چھوڑی ہیں۔ انہوں نے اس کے مشن کو ترقی دی ہے۔ اس کی خدمت اور آثار کے نتیجہ میں اسے بہت سے انعامات سے نوازا جاتا تھا لیکن ہر ایک انعام کو وہ ضرورت مندوں اور اسیروں پر خرچ کردیتی تھی۔ بروز منگل ۲۵، محرم سنہ ۶۲۷ھ میں وفات پائی اور مشہور مقبرۂ "سلسلہ" میں دفن ہوئی[1]

[1] اعلام النساء ج ۲ ص ۲۷۵

ست ملک

فاطمیوں نے اسلامی ملک مصر پر عرصۂ دراز تک حکومت کی ہے، اس سلسلہ کے حاکموں میں سے ایک "الحاکم بامر اللہ" تھا۔ اسے اپنی حکومت وجاہ کا غرور ہو گیا تھا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس نے مصر کے فراعنہ کی طرح خدائی کا دعویٰ کر دیا۔ اسے کمزور لوگوں کو قتل کرنے، قرآن و سنّت رسولؐ کے احکام کو پامال کرنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں تھا۔

اس کے عزیز و اقارب میں سے اسے کوئی بھی نہیں چھیڑتا تھا۔ صرف اس کی بہن ست ملک اسے اس کام سے منع کرتی تھی۔ لیکن "الحاکم بامر اللہ" نہ صرف یہ کہ اس سے بیدار نہ ہوا بلکہ بہن کا بھی دشمن ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس پر تہمت بھی لگا دی۔

ست ملک جانتی تھی کہ اس کا بھائی اپنی نفسانی خواہشوں کی بھینٹ چڑھ جائے گا اور اگر جان بچ بھی گئی تو بھی لوگوں کے غصہ کی آگ بھڑکے گی اور وہ سوز نہاں میں مبتلا ہو جائیں گے۔

اس نے اس مشکل کو حل کرنے کی فکر کی اور خفیہ طور پر سیف الدولہ سے ملاقات کی، جو کہ خلیفہ سے ناراض تھا اور موجودہ مشکلات اس کے سامنے بیان کیں اور کہا: "تم جانتے ہو کہ میرے بھائی کتنے غلط نظریات رکھتے ہیں اور اگر اس کا بس چلے تو مجھے اور تمہیں اور ہر اس شخص کو قتل کر دے گا جو اس پر تنقید کرتا ہے۔

سیف الدولہ نے کہا: "صحیح ہے۔ لیکن کیا، کیا جا سکتا ہے؟" ست ملک

نے کہا: اس کے قتل کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں ہے، اسے قتل کر دیں اور اس کے بیٹے کو اس کا جانشین بنا کر حکومت تم چلاؤ، میں عورت ہوں، پس پردہ رہوں گی۔ میرا مقصد صرف فتنہ ختم کرنا ہے۔

اس کے بعد ست ملک نے ضروری وسائل سیف الدولہ کے لئے فراہم کئے اور کہا: اپنے دو معتمد غلاموں کو تیار کرو کہ وہ صبح اس وقت بھائی کو قتل کر دیں جب وہ کوہ نوردی کے لئے جاتے ہیں۔"

"الحاکم بامر اللہ" کا یہ معمول تھا کہ وہ تنہا کوہ نوردی کے لئے جاتا تھا۔ کبھی کبھی کسی کو ساتھ لے جاتا تھا، سر پر قضا تھی اس دن، الحاکم بامر اللہ تنہا گیا۔ غلاموں نے اس پر حملہ کر کے قتل کر دیا اور اس کی لاش سیف الدولہ کے پاس لائے۔ سیف الدولہ خفیہ طور اس کا جسد ست ملک کے پاس لایا اور اسے وہیں دفن کر دیا۔ ست ملک نے راز فاش کئے بغیر دست کشی اختیار کر لی۔ الحاکم بامر اللہ کا بیٹا پہلے دمشق میں وہاں کے حاکم کی حیثیت سے زندگی گذارتا تھا اسے وہاں سے بلایا۔ لیکن علی بن داؤد کو فرمانروا — جو ایک ساحلی شہر تھا۔ بنا کر بھیجدیا اور اسے حکم دیا کہ "خلیفہ کے بیٹے کو اس شہر میں آتے ہی گرفتار کر کے تنیس لے جاؤ۔"

دو دن گذر گئے اور خلیفہ کا کوئی پتا نہ چلا، قاہرہ کا دربان شہر کے دروازے بند کئے خلیفہ کا منتظر تھا۔ تیسرے دن لوگ شہر سے باہر نکلے، پہاڑ کی طرف گئے، لیکن تلاش بسیار کے باوجود اسے نہ پاسکے، کچھ لوگ اس کی بہن ست ملک کے پاس گئے اس سے خلیفہ کے متعلق پوچھا، اس نے کہا: خلیفہ نے مجھ سے کہا تھا کہ "میں ایک ہفتہ غائب رہوں گا۔"

اس ایک ہفتہ میں ست ملک نے انتظامات کر لئے۔ فوج کو چوکنا کر دیا اور سیف الدولہ سے کہا کہ اس کے بیٹے کے لئے بیعت لے لو۔

ایک ہفتہ کے بعد خلیفہ کے بیٹے ۔ علی ۔ کو فاخرہ لباس پہنایا، سیف الدولہ کو بلایا اور کہا: یہ بچہ آپ کا ہی بیٹا ہے، مملکت کے امور آپ انجام دیں اور اس سلسلہ میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کریں۔" اس کے بعد مصر والوں کے سامنے علی کو باپ کے جانشین کے عنوان سے پیش کیا اور کہا: اس کی اطاعت کیا کرو۔

مصر والوں کو اپنے زمانہ کے فرعون سے نجات مل گئی تھی۔ انہوں نے اس عورت کی عقل و فراست کی داد دی اور تکبیر و تہلیل کے نعرے بلند کر کے علی کی حکومت قبول کر کے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ ست ملک نے سنہ ۴۱۵ھ میں انتقال کیا۔

جہاں لوگوں کی جان و مال اور ان کی سرنوشت پر ایسے مفسد لوگ مسلط ہو جائیں اور تنقید و یاد دہانی سے کوئی فائدہ نہ ہو تو وہاں اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے کہ فداکار انسان اپنی جان پر کھیل کر فساد کی جڑ کاٹ دیں اور لوگوں کو آرام پہنچائیں۔

حکومت و منصب ان لوگوں کے لئے ظلم و ستم کا وسیلہ بن جاتے ہیں جن پر نہ خود ان کا نفس ملامت کرتا ہے اور نہ وہ انسانوں کی نصیحت پر کان دھرتے ہیں۔ لیکن جن کے اندر تقوے کی ایسی جھڑکنے والی صلاحیت ہوتی ہے اور نصیحت کرنے والوں کی نصیحت قبول کرتے ہیں وہ نہ ظلم کرتے ہیں اور نہ زبردستی برتتے ہیں۔

لیکن اگر ان میں سے ایک بھی نہ ہو تو بہت بڑا خطر پیدا ہو جاتا ہے جو لوگوں کی پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔[1]

---

[1] اعلام النساء ج ۲ ص ۱۶۶ اور اس کے بعد

ام عقبہ

مظہر وفا

وہ عرب کی شاعرہ و سخن ور تھی، غسان سے شادی ہوئی تھی، دونوں میں بہت زیادہ محبت تھی۔ مرتے وقت غسان نے تین شعر کہے اور بیوی سے کہا: یہ تین اشعار میں تمہیں سناتا ہوں توجہ کے ساتھ سنو! اور مجھے جواب دو، ام عقبہ نے وعدہ کیا کہ اسے صدق وصفا کے ساتھ جواب دے گی۔

غسان نے یہ اشعار پڑھے:

اخبری بالذی تریدین بعد والذی تضمرین یا ام عقبہ!
تحفظینی من بعد موتی لما قد کان منی من حسن خلق وصحبۃ
ام تریدین ذا جمال ومال وانا فی التراب فی سحق غربۃ

اے ام عقبہ مجھے یہ بتاؤ کہ میرے بعد تمہارا کیا ارادہ ہے؟ کیا میرے بعد میرے بہترین اخلاق اور پسندیدہ ہمنشینی کو یاد رکھو گی اور اس کی حفاظت کروگی؟ یا جب میں خاک کی غربت میں اسیر ہو جاؤں گا اس وقت تم کسی خوبصورت مال دار کو تلاش کروگی؟

ام عقبہ نے اس کا جواب دیا:

قد سمعت الذی تقول وما قد یا بن عمی تخاف من ام عقبہ

انا من احفظ النساء وارعی　　لما قد اولیت من حسن صحبہ

سوف ابکیک ما حییت بنوح　　ومراث اقولها وبندبہ

"میرے چچا کے بیٹے جو تم نے کہا اور جس سے تم ڈر رہے ہو وہ میں نے سنا، میں باوفا ترین عورت ہوں، میں پسندیدہ ہمنشینی کو فراموش نہیں کروں گی۔ میں زندگی بھر تجھ پر گریہ کرونگی اور تیرا مرثیہ پڑھا کروں گی۔"

ام عقبہ کا جواب سن کر غسّان خوش ہو گیا اور کہا: مجھے تمہارے اوپر اطمینان ہے لیکن اس بات کا بھی خوف ہے کہ کہیں تم میرے ساتھ بیوفائی نہ کرو، تم بہترین عورت ہو، تمہاری وفا کی مجھے امید ہے۔ حسن وفا کے ساتھ میرا حق ادا کرنا، امید ہے کہ تم مجھ سے کئے ہوئے عہد کو فراموش نہیں کرو گی، اسی امید کے ساتھ میں دنیا سے جاتا ہوں۔

غسّان نے اس فانی دنیا سے رخت سفر باندھا اور عالم بقاء کی طرف روانہ ہوئے تھوڑے دن نہ گذرے تھے کہ ام عقبہ کے چاروں طرف سے پیغام آنے لگے، اس کی وجہ ام عقبہ کی نیک خصلتیں تھیں۔ اس نے سب کے پیغام ٹھکرا دیئے اور کہا:

"باوجودیکہ غسّان مجھ سے دور ہو گیا ہے۔ لیکن میں اس سے کئے ہوئے عہد کو فراموش نہیں کروں گی تاکہ روز قیامت اس کا دیدار کر سکوں۔ میں کسی سے دل نہیں لگاؤں گی اور خاک کے نیچے سونے والے شوہر سے بے وفائی نہیں کرونگی میں اس پر اتنا رؤنگی کہ میرے رخسار آنسو بہنے سے زخمی ہو جائیں۔"

روز و شب اپنی منزلیں طے کرتے رہے۔ آخر کار ام عقبہ نے شوہر سے کئے ہوئے عہد کو فراموش کر دیا اور کہا: جو مر گیا وہ واپس نہیں آتا اور ایک خواستگار کی خواستگاری قبول کر کے اس کے حبالۂ نکاح میں آ گئی۔ وصل کی رات خواب میں دیکھا غسّان اس کے پاس آیا ہے اور کہہ رہا ہے:

رسول اکرمؐ پر سب سے پہلے خدیجہ ایمان لائیں اور ہر طرح سے حضرتِ محمدؐ کی حمایت کی۔ اگر مکہ کے با اثر مشرکین آپؐ کو ستاتے اور آپ کی باتوں کو جھٹلاتے تھے تو گھر میں آپکی مہربان وباوفا بیوی آپکی غمگساری کرتی تھیں اور آپؐ کو استقامت وثابت قدمی کی تشویق کرتی تھیں۔

عائشہ کہتی ہیں: "وحی کا اولین اثر رسولؐ پر خواب کی حالت میں ظاہر ہوا۔ رسولؐ کے خواب صبح کے نور کی مانند روشنی بخش اور باشکوہ تھے۔ انھیں خوابوں کی وجہ سے عزلت گزینی کی طرف مائل ہوئے اور اس گوشہ نشینی کے لیۓ آپؐ نے غار حرا کا انتخاب کیا۔

مدتوں غار حراء کی تنہائی میں زندگی بسر کی اور ایک عظیم کارنامہ انجام دینے اور ایک تاریخی و بے نظیر پیغام پہنچانے کے لیۓ خود کو تیار کیا۔ غار کی تنہائی میں صرف خدا ہی ہمدم تھا اور گھر میں خدا کے علاوہ بھی آپؐ کا ایک ہمراز تھا کہ جس سے قلبی اسرار بیان کرتے تھے۔

آخر کار وہ نازک لمحہ بھی آگیا جب وحی لے کر فرشتہ نازل ہوا اور کہا:

پڑھو! اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھو کہ تمہارا پروردگار باعظمت ہے۔ (سورۂ علق ۱-۳)

گھر واپس آئے تو آپؐ کا دل شدت کے ساتھ دھڑک رہا تھا، گھر کی تنہائی میں لیٹ گئے اور فرمایا:

"مجھے کچھ اڑھادو، مجھے کچھ اڑھادو"! کمبلی اڑھادی گئی۔ تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد پہلی حالت پر لوٹ آئے۔ خدیجہ سے واقعہ بیان کیا اور فرمایا: "مجھے اپنی جان کا خوف ہے"! خدیجہ نے عرض کی: "ایسا نہیں ہے، خدا آپؐ کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا۔ آپؐ صلۂ رحم کرتے ہیں، بے نواؤں کی حمایت کرتے ہیں، مہمانوں کی عزت

"تم نے بے وفائی کی اور اپنے شوہر کی حرمت کا کوئی پاس و لحاظ نہ رکھا، اس کے حق کو نہ پہچانا اور اس کے عہد کو یاد نہ کیا، اس کی حفاظت نہ کی جبکہ تم نے قسم کھائی تھی، ایک سال بھی صبر نہ کیا اور خاک کے نیچے سونے والے کی کوئی پروا نہ کی۔ ہاں لحد میں سونے والے بھلا دیئے جاتے ہیں۔"

ام عقبہ پریشان حال خواب سے بیدار ہوئی۔ گویا غسانؒ کو گھر کے گوشہ میں دیکھ رہی تھی۔ اس کے اشعار عورتوں کے سامنے پڑھے، عورتیں کوشش کرتی تھیں کہ یہ اس کے ذہن سے نکال دیں۔ ام عقبہ نے کہا: غسان سے شرم کی وجہ سے زندگی کی ضرورت نہیں ہے۔ جب اس کے شوہر کو اس واقعہ کی خبر ملی تو کہا: پھر غسانؒ کے بعد وہ کسی سے ہم بستر نہیں ہوگی اور ہشام بن عبدالملک نے اس کے بارے میں کہا: یہ ہے وفاداری کا نمونہ۔

لہ اعلام النساء ج ۳ ص ۳۱۷ - ص ۳۱۹۔ اس داستان کی قدر و قیمت اس میں ہے کہ ایسی عورتیں اپنے شوہر کی وفادار رہیں، اگرچہ وہ اپنے وعدہ سے منحرف ہونے کی کوشش بھی کریں تو ایک خواب دیکھنے سے ہمیشہ کے لئے شوہر کرنے سے منحرف ہوجاتی ہیں۔

ہمیں اس داستان سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے کہ وہ عورتیں اور شوہر آخری عمر تک غیر شادی شدہ رہیں کہ جن کا شریک حیات دنیا سے اٹھ گیا ہے، ہر انسان کو یہ حق ہے کہ وہ مناسب شریک حیات کا انتخاب کرے۔ اگر گناہ میں ملوث ہونے کا خطرہ ہو تو اس پر شادی کرنا واجب ہے۔

اصولی بات یہ ہے کہ کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے شریک حیات سے یہ کہے کہ تم میرے بعد شادی نہ کرنا اور نہ ہی کسی کو اپنے شریک حیات سے ایسا وعدہ کرنا چاہیئے۔

لیکن اگر ایسا عہد کر لیا جائے تو اخلاقی طور پر اس عہد کو پورا کرنا ضروری ہے۔ ان میاں بیوی کے درمیان ایسی ہی صورت حال پیدا ہوگی۔ عورت پہلے اپنا عہد پورا کرنے کی کوشش کرتی ہے، پھر عہد توڑنا چاہتی ہے پھر اندرونی طور متاثر ہوتی ہے اور اپنے عہد پر باقی رہتی ہے۔

مریمؑ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ

یہ عمران کی بیٹی ہیں ۔ باپ کا انتقال ان کی پیدائش پہلے ہی ہو گیا تھا ۔ ماں کی دلی تمنا یہ تھی کہ خدا انھیں بیٹا عطا کرے ۔ ماں نے نذر کی تھی کہ بچے کو بیت المقدس کا خدمت گار بنائیں گی اس لئے ان کا ارادہ تھا کہ پیدا ہونے کے بعد بچہ کو بیت المقدس کے متولیوں کے سپرد کر دیں گی مریم کی والدہ کا نام "حنہ" تھا وہ پارسا، عبادت گذار اور خدا جو تھی، قرآن ان کی زبان میں کہتا ہے :

ربّ انی نذرت لک ما فی بطنی محرراً فتقبل
منی انک انت السمیع العلیم (آل عمران/۳۶)

پالنے والے میں نے یہ نذر کی ہے کہ میرے شکم میں جو بچہ ہے وہ تمام قیود سے آزاد رہکر تیرے گھر کی خدمت کرے اب تو قبول فرمالے، بیشک تو سننے والا اور جاننے والا ہے ۔

بچہ پیدا ہوا، ماں کو — اپنی نذر اور شوہر عمران کی بشارت سے تقریباً — اطمینان تھا کہ بیٹا پیدا ہوگا لیکن جب دیکھا بیٹی ہے تو تعجب کی انتہا نہ رہی اس لئے کہتی ہیں :

ربّ انی وضعتہا انثیٰ (آل عمران/۳۵)

"پالنے والے میرے بطن سے تو بیٹی پیدا ہوئی ہے۔"

حنّہ نے اپنے شوہر عمران سے ــ کہ ان پر وحی ہوتی تھی ــ سنا تھا کہ خدا انھیں ایک بیٹا عطا کرے گا جو برص کے مریضوں اور اندھوں کو شفا دے گا اور مردوں کو زندہ کرے گا اور بنی اسرائیل کا نبی ہوگا۔

حنّہ یہ تصور کرتی تھیں کہ جو ان کے شکم میں ہے وہ وہی ہے جس کی عمران نے خبر دی ہے اور انھیں امید تھی کہ وہ خدا کے انبیا میں سے ایک نبی کی اپنی آغوش میں پرورش کریں گی۔ مگر خدا نے یہ مقدر کر دیا تھا کہ اس عظیم پیغمبر کو اسی نوزاد کی آغوش میں پرورش کرائے گا۔ چنانچہ وہ فرماتی ہیں:

والله اعلم بما وضعت وليس الذكر كالانثى[۱]

(آل عمران / ۳۶)

اللہ بہتر جانتا ہے کہ ان کے بطن سے کیا پیدا ہوا ہے اور بیٹا، بیٹی جیسا نہیں ہے۔

درحقیقت خدا فرماتا ہے کہ ہم بہتر جانتے ہیں کہ ان کے بطن سے بیٹی پیدا ہوئی ہے۔ لیکن اگر حنّہ کو یہ معلوم ہو جاتا کہ انھیں جس بیٹے کا انتظار ہے وہ اس بیٹی کی عظمت کو نہیں پہنچ سکتا جو ہم نے انھیں عطا کی ہے تو حنہ کو افسوس نہ ہوتا۔ کیونکہ زیادہ سے زیادہ وہ بیٹا حضرت عیسیٰ کی مانند ہوتا۔ لیکن یہ بیٹی وہ ہے کہ جس پر کلمۂ خدا تمام ہوتا ہے اور اس کے بطن سے عیسیٰؑ بغیر باپ کے پیدا ہوتے ہیں، اور وہ خود اور ان کا بیٹا دونوں ہی دنیا والوں کے لئے نشانی بن جاتے ہیں۔ ان کے بطن سے ایسا بچہ پیدا ہوتا ہے جو گہوارہ سے لوگوں سے گفتگو کرتا ہے، روح خدا اور اس کا کلمہ قرار پاتا ہے اور ان کی مثال حضرت آدم کی سی ہے۔ اس بنا پر یہ بیٹی اور اس کا بیٹا دنیا میں ایسی

نشانی اور اسرار ہیں، کہ جو ایک بیٹے کی پیدائش سے ۔ اگرچہ وہ حضرت عیسیٰ کے مرتبہ پر پہنچ جاتے ۔ وجود پذیر نہیں ہو سکتے۔

حنّہ اس سے زیادہ نہیں سوچتی ہیں، بلکہ خدا کے ارادہ کے سامنے نیک بندوں کی مانند سر تسلیم خم کر دیتی ہیں اور بعد والے فرائض کو ایک نمونہ و شائستہ ماں کے عنوان سے انجام دیتی ہیں۔

بچے کے لئے ماں کا پہلا فریضہ ۔ خصوصاً اس بچہ کے لئے جو کہ باپ سے محروم ہو ۔ اس کا نام رکھنا ہے۔ تمام آسمانی مذاہب خصوصاً اسلام نے بچوں کے نام رکھنے کے سلسلہ میں سبق آموز وصیت کی ہیں۔ ہم یہاں بھی یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ حنّہ ۔ بظاہر جنھیں ایک پیغمبر کی زوجہ ہونے کا فخر حاصل ہے ۔ اپنے نوزاد بچہ کا نام مریم ۔ جس کے معنی خدا کی عبادت کرنے والے کے ہیں ۔ رکھتی ہیں۔ قرآن مجید ان کی زبان سے نقل کرتا ہے ۔

وانّی سمیتها مریم و انّی اعیذها بک من الشیطان الرّجیم ۔ (آل عمران / ۲۹)

اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے، میں انھیں شیطان رجیم سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔"

اب مریم کی ماں ۔ جس کے یہاں بیٹا نہیں ہوا ہے، کہ بیت المقدس کا خادم بنے ۔ انھیں خدائی کام کی انجام دہی کے لئے قرار دیتی ہیں، تاکہ دنیا کی برگزیدہ عورتوں میں شامل ہو جائیں۔ اس بنا پر مریم کی والدہ اپنے نوزاد بچے کو تمام قیود سے آزاد اور دنیوی امور سے الگ رکھ کر، معبود کی خدمت کے لئے وقف کر دیتی ہیں، گویا کہ حنّہ مریم کی نام گذاری کی رسم کے ضمن میں ایک اور نذر انجام دے رہی ہیں

اور توقع رکھتی ہیں کہ خدا انھیں شیطان کے مکر و فریب اور نیرنگ سے اپنی حفظ و امان میں رکھے گا۔

اس بات کا ثبوت کہ مریم کی ماں نے نئی نذر کی ہے درج ذیل آیت ہے:

فتقبلها ربها بقبول حسن وانبتها نباتا حسنا وکفلها زکریا۔ (آل عمران/۳۶)

"پس ان کے پروردگار نے انھیں بہترین طریقہ سے قبول کر لیا اور انکی بہترین نشو ونما کا انتظام کر دیا اور زکریاؑ کو ان کا کفیل بنا دیا۔"

خدا نے مریم کو عبادت گذار عورت بنانے کو قبول کر لیا، اور انھیں شیطان کے وسوسوں سے محفوظ رکھنے اور بہترین طریقہ سے پرورش کرنے کے سلسلہ میں حنہ کی دعا مستجاب کی۔

بیشک مریمؑ خدا کی پسندیدہ ہیں اور اس راہ پر لگا دی گئی ہیں کہ اپنے زمانہ کی بہترین اور برگزیدہ عورت قرار پائیں۔

مریم، خدا کے بہترین طریقہ سے قبول کرنے کی وجہ سے برگزیدہ ہوگئیں اور خدا کی طرف سے بہترین پرورش کی بنا پر پاک و پاکیزہ ہوگئیں، چنانچہ فرشتے ان سے کہتے ہیں:

اِنّ اللہ اصطفاکِ وطہّرکِ واصطفاکِ علیٰ نساء العالمین۔ (آل عمران/۴۲)

بے شک خدا نے آپ کو چن لیا ہے اور برگزیدہ کیا ہے اور عالم بھر کی عورتوں پر برگزیدہ کیا ہے۔

مذکورہ آیت سے چند نکات سمجھ میں آتے ہیں :

۱۔ مریم محدثہ ہیں، کیونکہ فرشتے ان سے گفتگو کرتے تھے اور انھیں منصب طہارت و انتخاب کی بشارت دیتے تھے اور کہتے تھے کہ تم قنوت و سجود اور رکوع کرنے والوں میں شامل ہو جاؤ۔ (آل عمران / ۴۳)

اس فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشراً سویا اور دوسری آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح خدا ان پر نازل ہوتے تھے اور بشر کی صورت میں ان سے گفتگو کرتے تھے اور انھیں بیٹے کی بشارت دیتے تھے۔ یہ عظیم مرتبہ، خدا بعض شائستہ اور برگزیدہ بندوں ہی کو عطا کرتا ہے۔

۲۔ وہ مقام اصطفا پر فائز ہیں اور پہلی آیت میں اصطفا مطلق طور پر آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصطفا کے معنی یہاں لوگوں پر برگزیدہ کرنے کے نہیں ہیں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح ان کی ماں نے ان کا نام عابدہ رکھا ہے وہ اسی طرح حکم خدا کے سامنے سراپا تسلیم ہیں اور خدا نے ان کے لئے یہ صفت قبول کی ہے۔

۳۔ وہ مرتبۂ تطہیر پر فائز ہیں اور تطہیر سے مراد بظاہر مریمؑ کی عصمت ہے اور یہ مرتبہ تاریخ بشریت میں مدتوں بعد جناب فاطمۂ زہراؑ کو ملتا ہے۔

۴۔ وہ عالم کی عورتوں پر برگزیدہ کی گئی ہیں۔ نکتہ قابل بحث ہے کہ کیا مریم عالم کی ساری عورتوں — مطلق طور — برگزیدہ کی گئی ہیں یا بعض لحاظ سے ان پر برگزیدہ ہیں۔ البتہ اس میں کلام نہیں ہے کہ اس آیت کی رو سے وہ دنیا کی ہر زمانہ کی ساری عورتوں پر برگزیدہ کی گئی ہیں، یہ بعید معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف اپنے زمانہ کی عورتوں پر برگزیدہ کی گئی ہیں یا بعض جہات سے۔

پہلے احتمال کا فائدہ یہ ہے کہ دنیا کی عورتوں میں کوئی بھی عورت مریمؑ سے

بلند و برتر نہ تھی ، نہ ہے اور نہ ہو گی ۔ لیکن دوسرے احتمال کی بنا پر کوئی عورت ایسی پیدا ہوتی ہے یا ہو سکتی ہے جو بعض جہات سے مریم سے افضل ہے ۔

کیا اس آیت کی مدد سے مریم کو جناب فاطمہ زہراء پر ترجیح ہے یا نہیں ؟ شیعہ وسنی روایات میں وارد ہوا ہے کہ خدا نے چار عورتوں ، آسیہ بنت مزاحم ، مریم بنت عمران ، خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد کو دنیا کی عورتوں پر برگزیدہ کیا ہے ۔ لیکن ان روایات میں سے بعض میں اس بات کی تصریح ہوئی ہے کہ مریم جنت کی عورتوں کی سردار نہیں ہیں بلکہ فاطمہ ہیں ۔ اس بنا پر یہ صحیح ہے کہ مذکورہ چاروں عورتیں دنیا کی عورتوں سے افضل ہیں ۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ چاروں مقام و منصب کے لحاظ سے یکساں ہوں ۔

نتیجہ : مریم ہر لحاظ سے دنیا کی عورتوں پر برگزیدہ نہیں ہے ؟ بلکہ اس لحاظ سے برگزیدہ ہیں کہ وہ شوہر کے بغیر روح خدا کے پھونکنے سے حاملہ ہوئیں اور ایسا بیٹا پیدا ہوا کہ جو خدا کے اولوالعزم پیغمبر ہیں ۔ ایسی صفت دنیا کی کسی عورت میں نہیں ۔

اس خاتون میں کچھ دوسرے پہلو بھی ہیں کہ جن کی وجہ سے وہ دنیا کی عورتوں سے افضل ہیں لیکن چونکہ وہ انھیں میں منحصر نہیں ہیں ۔ لہذا وہ سب سے بلند نہیں ہو سکتی ہیں جیسے ان کا محدثہ و مطہرہ ہونا اور خدا کے کلمات و کتابوں کی تصدیق کرنا ، یہ خصوصیات دوسری عورتوں میں بھی پائے جاتے ہیں اور فاطمہ زہرا کا امتیاز انھیں خصوصیات میں ہے ۔ اور چونکہ مریم کے بطن سے عیسیٰ پیدا ہوئے ہیں ۔ لہٰذا وہ روح خدا کے پھونکے جانے کی بنا پر برگزیدہ ہیں اور یہ مرتبہ انھیں سے مخصوص ہے اور اس لحاظ سے مریم دنیا کی تمام عورتوں سے افضل ہیں ، لیکن دوسرے اوصاف و کمالات انھیں سے مختص نہیں ہیں ۔

جناب مریم کے حالات کے یہاں اس نکتہ پر توجہ کی جائے کہ ہماری روایات

کی رو سے "محدث" یا "محدثہ" اسے کہتے ہیں جو کہنے والے کی آواز سنتا ہے لیکن اسے دیکھتا نہیں ہے۔ جبکہ نبی، فرشتۂ وحی کو خواب و غنودگی کی حالت میں دیکھتا ہے اور رسولؐ فرشتۂ وحی کو بیداری کی حالت میں دیکھتا ہے۔

جناب مریم کے محدثہ ہونے پر دوسری آیتیں بھی دلالت کرتی ہیں ارشاد ہے:

واذ قالت الملائکة یا مریم ان اللّٰہ یبشرک بکلمة اسمه المسیح عیسیٰ بن مریم وجیھا فی الدنیا والاخرة ومن المقربین۔ (آل عمران/۴۵)

اس وقت کو یاد کرو جب فرشتوں نے کہا: اے مریم خدا تمہیں اپنے کلمہ عیسیٰ بن مریم کی بشارت دے رہا ہے جو دنیا و آخرت میں وجیہہ ہے اور اس کے مقرّب بندوں میں سے ہے۔

ویکلم الناس فی المھد وکھلا ومن الصالحین (آل عمران/۴۶)

وہ لوگوں سے گہوارہ سے بھی باتیں کرے گا اور پھر جوان ہونے کے بعد اور صالحین میں سے ہوگا۔

یہ وہ باتیں ہیں جو کہ غیب کا محدث مریم سے کرتا تھا اور انھیں اس بچہ کی پرورش کے لئے تیار کرتا تھا کہ جس کی مثال دنیا نہیں دیکھی تھی۔

غیب کا محدث انھیں بشارت دیتا ہے کہ ان کا بیٹا گہوارہ سے کہولت کے زمانہ تک لوگوں سے باتیں کرے گا۔ یعنی جوانی و بڑھاپے کے زمانہ میں باقی رہے گا اور لوگوں تک خدا کا پیغام پہنچائے گا۔

اس موقعہ پر مریم انگشت بدندان رہ جاتی ہیں اور خدا کی بارگاہ میں عرض کرتی ہیں:

ربّ انّی یکون لی ولد ولم یمسسنی بشر (آل عمران ۴۷)

پالنے والے! میرے یہاں کیسے بیٹا ہوگا جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا بھی نہیں ہے؟

لیکن انھیں جواب دیا گیا:

کذالک اللّٰہ یخلق ما یشاء اذا قضیٰ امراً فانّما یقول لہ کن فیکون (آل عمران/۴۷)

اسی طرح خدا جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جب وہ کسی چیز کا فیصلہ کر لیتا ہے تو کہتا ہے کہ "ہوجاؤ" تو وہ ہوجاتی ہے۔

مریم زکریا کی کفالت میں

حنہ نے اپنی نذر اور خدا سے از سر نو کئے جانے والے عہد کی بنیاد پر مریم کو ایک سفید کپڑے میں لپیٹا اور مسجد اقصیٰ میں لے کر آئیں تاکہ مسجد کے متولی اور احبار اس کی تربیت وہدایت کی ذمہ داری قبول کر لیں۔ مریمؑ کی تربیت کے سلسلہ میں احبار کے درمیان اختلاف تھا۔ اس افتخار کو ہر شخص حاصل کرنا چاہتا تھا۔ زکریا نے مشورہ دیا چونکہ مریم کی خالہ میری زوجہ ہیں اس لئے مریم مجھے دیدی جائے تاکہ میں اس کی پرورش کردوں۔ شاید اولاد نہ ہونے کی وجہ سے زکریا اور ان کی زوجہ کو افسوس تھا۔ اس طرح وہ خاموش زندگی میں چہل پہل پیدا کرنا چاہتے تھے۔ لیکن احبار نے یہ بات قبول نہ کی اور کہا کہ قرعہ کشی کر لی جائے۔ اس سلسلہ میں قرآن فرماتا ہے:

"وما کنت لدیھم اذ یلقون اقلامھم ایھم یکفل مریم وما کنت لدیھم اذ یختصمون"۔ آل عمران/۴۴

اور آپ اس وقت ان کے پاس نہیں تھے جب وہ قرعہ ڈال رہے تھے کہ مریم کی کفالت کون کرے گا اور آپ اس وقت بھی ان کے پاس نہیں تھے جب وہ مریم کی کفالت کے لئے جھگڑا کر رہے تھے۔

احبار انیس[19] تھے، دریا کے کنارے قرعہ کشی کی جارہی تھی۔ ان کی رسم یہ تھی کہ قرعہ کشی کے وقت وہ دریا میں کوئی چیز ڈالتے تھے، جس کی ڈالی ہوئی چیز ڈوب جاتی تھی وہ بے دخل ہو جاتا تھا۔ آخر کار حضرت زکریا کا قلم نہ ڈوبا "ناچار سب کو خاموش ہونا پڑا اور اس دن سے مریم کی کفالت حضرت زکریا کے دوش پر آگئی۔ اسی بات کو قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا ہے:

وکفلہا زکریا (آل عمران / ۳۷)

زکریا مریم کو گھر لے گئے اور انھیں ان کی خالہ — اپنی زوجہ — ایشاع کے سپرد کر دیا۔ اس طرح مریم کی طفولیت کا زمانہ گذرا اس کے بعد ان کے لئے بیت المقدس میں ایک کمرہ بنا دیا گیا تاکہ وہ اپنی ماں کی نذر و عہد کے مطابق اپنے معبود سے راز و نیاز اور اس کی عبادت آزادانہ طور پر کر سکے اور اس سلسلہ میں کوئی چیز ان کے لئے مانع قرار نہ پائے۔

اس کمرہ میں کوئی دروازہ نہیں تھا بلکہ اس میں سیڑھی سے داخل ہوتے اور نکلتے تھے، اس پاک اور خلوت کے ماحول میں خدا ہی جانتا ہے کہ اس گوہر عصمت و طہارت پر کیا حالت طاری ہوتی تھی۔ کس طرح اپنے معبود کی عبادت میں محو رہتی ہیں اور سیر و سلوک و کشف و شہود کی کن منزلوں سے گذرتی ہیں۔

صرف حضرت زکریا ان کے پاس آتے جاتے اور ان کے پاس کھانا پانی پہنچاتے تھے۔ زکریا ایک معلم اور تربیت کرنے والے کی حیثیت سے یہ چاہتے ہیں کہ مریم

کرتے ہیں اور ہمیشہ حق کی پشت پناہی کرتے ہیں۔"

پھر آپؐ خدیجہ کے ہمراہ، ان کے چچازاد بھائی، ورقہ بن نوفل کے پاس گئے، وہ مسیحی تھے۔ عبرانی کتابوں کے عالم تھے۔ اس وقت اندھے ہو چکے تھے۔ خدیجہ نے ان سے کہا:

بھائی اپنے بھتیجے کی بات سنئے

ورقہ نے کہا: بھتیجے تم کیا دیکھتے ہو؟

رسول اکرمؐ نے جو کچھ دیکھا تھا، بیان کر دیا۔ ورقہ نے کہا: یہ وہی ناموس اکبر ہے جو موسیٰ پر نازل ہوا تھا، کاش میں تمہاری حمایت کر سکتا۔ کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب یہ لوگ تمہیں مکہ سے نکالیں گے!

رسولؐ نے فرمایا: کیا یہ مجھے مکہ سے نکالیں گے؟

ورقہ نے کہا: ہاں، کیونکہ جو چیز تم لائے ہو وہ کوئی نہیں لایا ہے۔ اگر میں زندہ رہا تو تمہاری مدد کرنے سے دریغ نہیں کروں گا۔[1]

مختصر یہ کہ ورقہ، وحی کے فترت کے زمانہ میں چل بسے۔ رسولؐ خدیجہ کے ساتھ ایک زمانہ تک خفیہ طور پر نماز پڑھتے رہے۔ عفیف کندی کہتے ہیں:

"میں زمانہ جاہلیت میں لباس اور عطر خریدنے کے لئے مکہ گیا، عباس بن عبدالمطلب سے بھی ملاقات کی۔ ظہر کا وقت تھا، میں نے دیکھا کہ کعبہ کے پاس ایک جوان آیا اور آسمان پر ایک نظر ڈالی، پھر کعبہ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد ایک عورت آئی اور اس کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ جوان رکوع میں گیا تو نوجوان اور عورت بھی رکوع

---

[1] اس قصہ میں تردد ہے۔ کیونکہ پیغمبر خود مظہر یقین ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک نصرانی کی باتوں سے اسے آرام ملے۔ تفسیر المیزان ج ۲ ص ۲۶۷

بلند ترین مقامات پر فائز ہو جائیں ۔ وہی مریم کے پیر و مرشد اور راہبر و راہنما شمار ہوتے تھے ۔ رفتہ رفتہ انھیں محسوس ہونے لگا کہ روحِ مریم ملک ملکوت سے اوپر پرواز کرنے لگی ہے اور وہ ان مقامات پر پہنچ چکی ہیں گویا جن پر زکریا بھی نہیں پہنچ سکتے تھے ۔ قرآن کہتا ہے:

كلما دخل عليها زكريا بالمحراب وجد عندها رزقاً قال يا مريم انى لكِ هٰذا قالت هو من عند الله ان الله يرزق من يشاء بغير حساب (آل عمران / ۳۷)

جب بھی زکریا محراب عبادت میں داخل ہوتے تو مریم کے پاس رزق دیکھتے ۔ پوچھتے اے مریم تمہارے پاس یہ رزق کہاں سے آتا ہے ؟ وہ جواب دیتی تھیں : یہ خدا کی طرف سے ہے ، خدا جس کو چاہتا بے حساب رزق عطا کرتا ہے ۔

کہتے ہیں کہ گرمیوں کے زمانہ میں مریم کا رزق گرمیوں کا پھل اور سردیوں کے زمانہ میں سردیوں کا پھل ہوتا تھا ۔

بہر حال زکریا نے یہ منظر دیکھ کر اور یہ جواب سن کر نئے حقائق تک رسائی حاصل کی اور اس بات کی طرف متوجہ ہوئے کہ وہ بھی مریم کے مکتب سے درس لے سکتے ہیں اور خدا کی ذات سے پہلے سے زیادہ امید کی جا سکتی ہے اور لاولد ہونے کے غم کو خدا سے لو لگانے سے ختم کیا جا سکتا ہے ۔

اس وقت زکریا نے دعا کی اور پیرانہ سالی میں اپنے اور اپنی بیوی کیلئے بیٹے کی دعا کی اور خدا نے انھیں یحییٰ عطا کیا ۔

مریم کیلئے مژدہ : مریم کبھی کبھی اپنی خالہ کے گھر جاتی اور اپنی بشری اور جسمانی

ضرورتوں کو پورا کرتی تھیں۔ ایک روز زکریا کے خلوت خانہ میں پردہ کھینچے بیٹھی تھیں کہ خدا کا بھیجا ہوا فرشتہ انسان کی صورت میں ان کے سامنے کھڑا ہوا۔

اس حادثہ کو دیکھ کر مریم متحیر تھیں، وہ کبھی کسی نامحرم کے سامنے نہیں ہوتی تھیں۔ لہٰذا اسے نصیحت کرنے کے لئے زبان کھولی۔

انی اعوذ بالرحمان منک ان کنت تقیاً (مریم/۱۹)

میں تم سے، اگر متقی ہو، تو بھی خدا کی پناہ چاہتی ہوں

مریم اس کو اپنے پاس سے ہٹانا چاہتی تھیں لیکن اس نے جواب دیا: میں تمہارے پروردگار کا بھیجا ہوا ہوں۔ اس لئے آیا ہوں تاکہ تمہیں پاک و پاکیزہ بیٹا عطا کردوں۔

اگرچہ مریم ایک لحاظ سے تو اس کی طرف سے مطمئن ہوگئیں اور یہ سمجھ گئیں کہ وہ کوئی بشر نہیں ہے اور اس کا برا ارادہ نہیں ہے۔ لیکن دوسرے اعتبار سے حیرت زدہ تھیں کہ شوہر کے بغیر ایک دوشیزہ کیسے حاملہ ہو سکتی ہے اور کیسے اس کے یہاں بیٹا ہو سکتا ہے؟

فرشتہ نے انھیں خدا کی قدرت و عظمت کی طرف متوجہ کیا، مختصر یہ کہ خدا کا ارادہ پورا ہو گیا۔ قرآن میں بیان ہوا ہے کہ فرشتہ نے پھونکا۔ کہاں؟ آستین میں؟ گریبان میں؟ حمل کی مدت کتنی تھی؟ خارق العادہ چیز ہے، خدا ہی جانتا ہے بعض کہتے ہیں، بہت مختصر مدت تھی، بعض نے اظہار کیا ہے کہ معمولی مدت تھی بہرحال حمل کا زمانہ گذارنا، اگر طولانی ہو تو، مریم کے لئے مشکل ہے اور بچہ کی پیدائش و پرورش سے بھی زیادہ مشکل ہے۔

کیونکہ مریم خلوت اور عزلت میں خدا کی عبادت کرنے کی عادی ہو گئی

ہیں۔ اب سب کے درمیان نہیں رہ سکتی ہیں۔ پہلے کسی کو ان کی پروا نہیں تھی، گمنامی و تنہائی کی زندگی بسر کرتی تھیں اور اپنی تعمیر و خدا سے انس والے پروگرام کو جاری رکھتی تھیں، لیکن اب آبرو بچانے اور بدنامی کے ڈر سے سادہ لوح اور ظاہر بین لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ رہیں، اس وقت کیا ہوگا جب لوگوں کو یہ خبر ہوگی کہ مریم حاملہ ہیں اور اس وقت کیا ہوگا جب انھیں یہ معلوم ہوگا کہ مریم کے یہاں بیٹا پیدا ہوا ہے!

لیکن کوئی بھی خبر پوشیدہ نہیں رہتی۔ کہتے ہیں کہ خرمے کے درخت کے نیچے بیت اللحم میں بچہ پیدا ہوا۔ درخت سے مریم کی غذا کے لئے خرمے گرے۔ خود سے نہیں بلکہ مریم نے اس کی شاخیں ہلائیں تب خرمے گرے تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ کوشش و کام کے بغیر نمک روٹی میسر نہیں ہوتی۔

مریم کا معصوم بچہ ان کا ہمراز و انیس و مونس ہے۔ خواہ رحم میں یا ولادت کے بعد، پریشانی و اضطراب سے ماں کو بچاتا ہے۔ بہت بڑی مشکل ہے، جو مریم عبادت گذار تھی، خلوت میں رہکر معنویت کی گہرائیوں میں اتر چکی تھیں۔ اب انھیں کیا ہو گیا ہے کہ اپنے محبوب عیسیٰ کی مدد کے بغیر وہ خود پر قابو نہیں پا سکتی ہیں۔

بجا طور پر مریم کو ڈرنا چاہئے، ناموس کی بدنامی کا مسئلہ ہے۔ جب بھی ان کے ذہن میں یہ بات آجاتی ہے کہ لوگوں کے سامنے جائیں گی تو ان پر کیا کیا تہمتیں لگیں گی، کیسے کیسے ڈنک مارے جائیں گے، تو ان کے اعصاب میں تناؤ پیدا ہو جاتا ہے اور لرزہ براندام ہو جاتی ہیں، دلخراش انداز میں رونے لگتی ہیں:

یالیتنی مت قبل ھٰذا وکنت نسیاً منسیاً (مریم/۲۳)

اے کاش میں اس سے پہلے ہی مر جاتی اور لوگ مجھے بھول جاتے

اس وقت ان کے معصوم بچے نے انھیں مخاطب کر کے کہا:

لا تحزنی قد جعل ربك تحتك سریا وهزی

الیك بجذع النخلة تساقط علیك رطباً

جنیا (مریم / ۲۴-۲۵)

"آپ غم نہ کیجئے، خدا نے آپ کے پاؤں کے پاس نہر جاری کر دی ہے کھجور کے تنہ کو ہلائیے، آپ کے لئے تازہ خرمے گریں گے"

اب مریم کا سکون و اطمینان ختم ہو چکا ہے اور بچہ کی پیدائش کے بعد خود کو تہمتوں سے مقابلہ کرنے کیلئے تیاری کر رہی ہیں بچہ اپنی بات کو اس طرح مکمل کرتا ہے :

فکلی و اشربی و قری عینا فاما ترین من البشر

احداً فقولی انی نذرت للرحمان صوماً فلن اکلم

الیوم انسیا (مریم / ۲۶)

"خرمے کھائیے، پانی پیجئے اور آنکھیں ٹھنڈی رکھئے اور اگر کسی بشر کو دیکھئے تو کہئے کہ میں نے خدا کے لئے — خاموشی کا — روزہ رکھ لیا ہے۔ آج کسی بشر سے ہرگز بات نہ کروں گی۔"

مریم نے اپنے عظمت والے بچے کو آغوش میں لیا اور لوگوں کے قریب پہنچیں، مریم نے جو سوچا تھا وہی ہوا، لوگوں نے کہا: کیا تعجب خیز بات ہے! اے ہارون کی بہن! تمہارے والد برے آدمی نہیں تھے، ماں بھی بدکار نہ تھی، تم نے یہ کیا کیا ہے؟!

مریمؑ نے بچہ کی طرف اشارہ کر دیا۔ انہوں نے تعجب کے ساتھ کہا: "ہم نوزاد بچہ سے کیسے گفتگو کریں؟ لیکن بچہ قدرت خدا سے گویا ہوا اور کہا: "میں خدا کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی ہے اور پیغمبر بنایا ہے۔ میں جہاں بھی ہوں بابرکت ہوں، مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ ماں کے ساتھ نیکی

کروں اور نافرمانی نہ کروں، سلام ہو مجھ پر، جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں گا۔" (مریم/۳۰ اس کے بعد) صرف بچہ کی ولادت کا وقت ہی نازک وحساس نہیں ہے۔ بلکہ بچپنے کا زمانہ بھی حساس ہے۔ حضرت عیسیٰ کی معجز نما ولادت نے فطری طور پر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے۔ حق گو انھیں ایک انداز سے اور معاند دوسرے انداز سے دیکھتے ہیں، جو سچے اور حقیقی یہودی ہیں، دین دار ہیں، تورات کے صحیح معنوں میں ماننے والے ہیں وہ عیسیٰؑ کو اپنے کے لئے امید کا پیغام لانے والا، عزت وسربلندی کی بشارت دینے والا سمجھتے ہیں اور دین فروش جعلی عالم، عیسیٰ کو اپنے اور اپنی حیثیت کیلئے خطرہ کی گھنٹی سمجھتے ہیں، لہٰذا گرچہ وہ سختی میں تھا مجبوراً وہ چھپ کر زندگی بسر کرتا تھا، تاکہ ظلم وستم سے جنگ کو جاری رکھ سکے اور ظالم حکام کی دست رس سے محفوظ رہیں، یہ وہ لوگ تھے کہ جو اپنے سخت حالات اور دشوار زندگی کے ساتھ عیسیٰؑ کے لئے زمین ہموار کر رہے تھے اور جنگجوئی کی زندگی سے مانوس کر رہے تھے۔

وہ کیا عوامل تھے کہ جن کی بنا پر حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ حضرت مریمؑ بارہ سال تک بادشاہ ہیروڈس کے کارندوں سے محفوظ رہنے کے لئے مصر میں زندگی بسر کرتی ہیں؟ تینم یحیی کے یہاں حکم خدا سے بچہ پیدا ہوا تو تہمتوں کے سیلاب کا رخ ان کی طرف ہوگیا، گہوارہ سے حضرت عیسیٰ کی گویائی سے بھی وہ مطمئن نہیں ہوئے اور تہمت سے باز نہ آئے، گویا ظلم وجور کی سیاست یہی چاہتی ہے۔

حضرت مریمؑ اور ان کے بچہ کا مصر ہجرت کرنا کوئی معمولی بات نہیں تھی اگرچہ مصر میں وہاں کے بادشاہ کے کارندوں سے کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن مالی اور معیشتی حالات صحیح نہیں تھے۔ کہتے ہیں: مریم کے پاس دو تھیلے تھے، ایک میں عیسیٰؑ کو

بٹھاکر ایک بازو میں دوسرے کو دوسرے بازو میں لٹکا لیا کرتی تھی اور آذوقہ فراہم کرنے کیلئے گری ہوئی گیہوں کی بالیاں چنا کرتی تھیں اور اس طرح سختیوں کا مقابلہ کرتی تھیں اور خدا کے عظیم پیغام کو پہنچانے کیلئے اس سخت زندگی کے دوران خود کو آمادہ کرتی تھیں۔

مصر میں ایک کاشتکار تھا جو فقراء و مساکین کو اپنے یہاں پناہ دیتا تھا اور انھیں بخشش و عزت سے نوازتا تھا، دن گذارنے کے لئے مریم اس دہقان کے گھر چلی گئیں، اتفاق سے اس کے یہاں چوری ہو گئی تو اس نے فقراء و مساکین پر تہمت لگائی اس سے مریمؑ کو بہت دکھ ہوا، عیسیٰؑ نے دیکھا کہ ان کی والدہ مغموم ہیں تو وجہ معلوم کی۔ ماں نے جواب دیا کہ میں فقراء و مساکین پر لگائی جانے والی تہمت کی وجہ سے مغموم ہوں۔ عیسیٰؑ نے فرمایا: کیا آپ یہ چاہتی ہیں کہ میں چوروں کو آپ کے سامنے بے نقاب کر دوں؟ کہا: ہاں۔ فرمایا: اس اندھے اور اس لنگڑے نے ایک دوسرے کی مدد سے چوری کی ہے۔

عیسیٰ کی اس رپورٹ کے بعد لوگوں نے اندھے سے کہا: تم اس لنگڑے کو اپنے کندھے پر سوار کرو۔ اندھے نے کہا: میں اسے سوار نہیں کر سکتا۔ عیسیٰ نے فرمایا: کیوں نہیں کر سکتے؟ جب مال چرانا چاہتے تھے تو سوار کر لیا تھا اور آج نہیں کر سکتے؟ اندھا یہ بات سنکر پریشان ہو گیا اور اپنے جرم کا اعتراف کر لیا۔

مریم اپنے بچہ کی مشقت کے ساتھ پرورش کر رہی تھیں، اب انھوں نے سوچا کہ بچہ کو کام سکھانے کیلئے رنگ ریز کے سپرد کر دوں تاکہ عزت کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں اور کسی پر بار نہ بنیں۔

رنگ ریز نے بچہ کو رنگ ریزی سکھانے کے لئے اپنے پاس رکھ لیا۔ لیکن عیسیٰؑ نے تمام کپڑوں کو ایک ہی رنگ کے ظرف میں ڈال دیا۔ رنگ ریز کو بہت غصہ

آیا اور کہا: تمہارا یہ کام غلط ہے۔ تمہیں سرخ لباس کو اس کے مخصوص ظرف میں اور سبز لباس کو اس کے مخصوص ظرف اور دوسرے کپڑوں کو ان کے مخصوص ظرف میں ڈالنا چاہئے تھا۔ عیسیٰؑ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں ہے، اس کے بعد کپڑوں کو ظرف سے نکالا تو ہر ایک مطلوبہ رنگ میں رنگا ہوا تھا، کوئی بھی دوسرے رنگ میں نہیں رنگا تھا۔

رنگ ریز نے یہ عجیب منظر دیکھ کر عیسیٰ سے کہا: تم میرے استاد ہو، میرے اندر تمہارا استاد بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔

مریمؑ کا نوزاد، قرآن کی تصریح کے مطابق، گہوارہ ہی سے منصب نبوت و رسالت پر فائز تھا۔ گہوارہ سے یہ اعلان کر رہے تھے کہ میں خدا کا بندہ ہوں اس نے مجھ پر کتاب نازل کی ہے اور یا وہ گو افراد ان پر تہمت لگا رہے تھے۔

گویا مصر میں غربت و ہجرت کی بارہ سالہ زندگی، عیسیٰؑ کے لئے آرام و سکون کا زمانہ تھا، وہ مادی و معیشتی مشکلات میں تو تھے، اجتماعی مشکلات، جاہلوں کی طعنہ زنی اور استکبار کی چیرہ دستی سے امان میں تھے۔

لیکن یہ زمانہ ختم ہوگیا، ظالم ہیروڈس کیفر کردار کو پہنچا، حالات بدل گئے اسی زمانہ میں مریم اپنے نوجوان بیٹے کے ساتھ شام واپس آجاتی ہیں اور "ناصرہ" گاؤں میں قیام پذیر ہوتی ہیں۔

اب حضرت عیسیٰ کی پیغام رسانی کا آغاز ہوتا ہے، اب وہ زمانہ ہے کہ عیسیٰ کو چاہئے کہ وہ اپنی والدہ کو تنہا چھوڑ دیں اور لوگوں کی ہدایت کریں اور ان تک خدا کا پیغام پہنچائیں۔

ماں یہ سوچ کر خوش ہیں کہ انہوں نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی ہے،

اور خدا کی امانت کو اپنے دامن میں پروان چڑھا کر اس لائق بنا دیا ہے کہ وہ پیغام پہنچا سکیں۔ اب وہ اپنے بیٹے کی تبلیغات میں مددگار اور ان کے مکتب کے ایک شاگرد کی حیثیت سے ان کی مدد کرتی ہیں، خدا جانتا ہے کہ یہ معصوم و عظیم ماں کب تک زندہ رہیں گی؟ کیا عیسیٰؑ کی تبلیغ کے اختتام تک ان کے ساتھ رہیں گی اور عیسیٰ کے آسمان پر اٹھائے جانے کو دیکھیں گی؟ یا اس سے پہلے ہی دنیا سے اٹھ جائیں گی؟ اناجیل کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عیسیٰؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے تک زندہ تھیں[1]

[1] قصص قرآن از صدر بلاغی، قصص تاریخ انبیاء از سید ہاشم رسولی محلاتی۔ حالات عیسیٰ و تفسیر المیزان ج ۲ ص ۱۸۳ اور اس کے بعد۔

یوکابد

موسیٰ کلیم اللہ کی والدہ

آپ قرآن کی نمونہ و مثالی مسمات میں سے ایک ہیں۔ اس عظیم خاتون کی آغوش میں ایسے بچہ کی تربیت ہونا چاہیئے جو زمانہ کے ظالم و جابر کی بساط الٹ دے۔ یعنی فرعون کا قصہ پاک کرے اور مستضعف قوم، بنی اسرائیل کو نجات دلائے۔

اس خاتون کو حمل کے دوران اور ولادت کے بعد بڑی مشکلوں کا سامنا تھا فرعون کو اپنے زمانہ کے کاہنوں اور پہلے انبیاء کی پیشین گوئیوں کے ذریعہ یہ معلوم ہو چکا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو اس کی بساط کو الٹ دے گا لہٰذا وہ نہایت ہی بے شرمی کے ساتھ بنی اسرائیل کے نوزاد بیٹوں کو قتل کر دیتا اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ فرعون کی پوری کوشش اس بات پر صرف ہو رہی تھی کہ موسیٰ کا نطفہ ہی منعقد نہ ہو۔

جس دن سے یہ بچہ رحم مادر میں آیا تھا اسی دن سے رحمت خدا اس کے اور اس کی ماں کے شامل حال تھی۔ کہتے ہیں کہ حمل کے زمانہ میں اس کے آثار بھی معلوم نہیں ہوتے تھے، لیکن بچہ کی پیدائش سے ماں کیلئے مشکلات کھڑی ہو گئیں، اس وقت ان کیلئے غیب سے مدد آئی اور انھیں چارۂ کار بتایا گیا:

واوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیہ واذا خفت علیہ فالقیہ فی الیم ولا تخافی ولا تحزنی انا رادوہ الیک وجاعلوہ من المرسلین

(القصص/ ۷)

ہم نے موسیٰ کی ماں پر وحی نازل کی کہ انھیں دودھ پلاؤ، اور جب ان کیلئے خطرہ محسوس کرو انھیں دریا میں چھوڑ دینا اور حزن و ملال نہ کرنا۔ کیونکہ ہم انھیں تمہاری طرف پلٹا دیں گے اور انھیں رسول بنائیں گے۔

ولقد مننا علیک مرۃ اخریٰ اذ اوحینا الی امک ما یوحی ان اقذفیہ فی التابوت فاقذفیہ فی الیمّ فلیلقہ الیم بالساحل یاخذہ عدو لی و القیت علیک محبۃ منی ولتصنع علی عینی (طٰہٰ/ ۳۷-۳۹)

اور ہم نے ایک بار پھر احسان کیا وہ اس وقت کہ جب ہم نے تمہاری ماں کی طرف وحی نازل کی کہ انھیں صندوق میں رکھدو اور پھر صندوق کو دریا میں چھوڑ دو تاکہ دریا انھیں ساحل تک پہنچا دے اور ان کا اور میرا دشمن اسے نکال لے اور میں نے فرعون اور اس کی زوجہ کے دل میں تمہاری محبت پیدا کر دی تاکہ میری نظر کے سامنے تمہاری تربیت ہو۔

حضرت موسیٰؑ کی والدہ نے قوت ایمان اور خدا کے حکم پر اطمینان کے ساتھ

میں جھک گئی۔ پھر بلند ہو کر سجدہ میں چلے گئے۔ میں نے عباس سے کہا : یہ تو میں عجیب چیز دیکھ رہا ہوں !!

عباس نے کہا : عجیب چیز ہے ! اس جوان کو پہچانتے ہو !

میں نے کہا : نہیں

انہوں نے کہا : یہ میرا بھتیجا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہے اور یہ نوجوان جو بعد میں آیا ہے، اسے جانتے ہو ؟

میں نے کہا : نہیں !

کہا : یہ میرا دوسرا بھتیجا علی بن ابی طالب ہے ۔ اور اس عورت کو جانتے ہو ؟

میں نے کہا : نہیں

کہا : یہ میرے بھتیجے کی بیوی خدیجہ ہے ۔ محمدؐ کہتے ہیں کہ مجھے آسمان وزمین کے خدا نے اس دین پر رہنے کا حکم دیا ہے ۔ روئے زمین پر صرف ان ہی تینوں آدمیوں نے یہ دین قبول کیا ہے۔

عفیف کہتے ہیں : میرا دل چاہا کہ میں ان کا چوتھا ہو جاؤں ۔

رسول اکرمؐ، خدیجہ کا بہت احترام کرتے تھے ۔ وحی نازل ہونے سے پہلے بھی آپؐ نے کبھی خدیجہ کی مخالفت نہیں کی تھی اور ان کے انتقال کے بعد انھیں اتنا یاد کرتے تھے کہ عائشہ کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی اور اس نے کہا :

"خدا نے آپؐ کو اس بوڑھی عورت کے عوض نوجوان دوشیزہ عطا کی ہے ۔"

عائشہ کی یہ بات سن کر رسولؐ کو اتنا طیش آیا کہ عائشہ نے اپنے دل میں کہا : اے اللہ ! اگر رسول کا غیظ ختم ہو جائے تو میں کبھی خدیجہ کو برائی سے یاد نہیں کروں گی ۔

عائشہ کہتی ہیں : رسولؐ کی ازواج میں جتنا مجھے خدیجہ سے حسد تھا اتنا کسی سے

صندوق فراہم کیا اور موسیٰ کو اس میں رکھ کر دریا میں چھوڑ دیا۔ اگرچہ اس سوختہ دل ماں نے اپنے لحاظ سے موسیٰؑ کو غرق ہونے سے بچانے کیلئے پوری کوشش کی تھی لیکن امدادِ غیبی کے علاوہ بچہ کو موت سے کوئی چیز نہیں بچا سکتی تھی۔

جب ماں صندوق کو دریائے نیل میں نیچے جاتے ہوئے دیکھتی ہے تو دل مضطرب ہو جاتا ہے لیکن غیب سے جو الہام انھیں ہو رہے تھے ــــ جنھیں قرآن وحی قرار دیتا ہے۔ ان سے دل کو سکون مل جاتا تھا۔

ماں خدا کے وعدہ کے مطابق مطمئن اپنے گھر لوٹ آئی۔ تین دن بعد بچہ ماں کی گود میں تھا۔ دریا کی موجیں "یوکابد" کے معصوم بچّہ کے صندوق کو فرعون کے محل تک لے گئیں۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید فرماتا ہے:

فالتقطه آل فرعون ليكون لهم عدوًّا و حزنا ان فرعون و هامان وجنودهما كانوا خاطئين (القصص/۸)

فرعون کے خاندان نے صندوق کو دریا سے نکال لیا تاکہ وہ ان کی پرورش کریں۔ ان کا دشمن اور رنج کا باعث بن جائے اور فرعون و ہامان اور ان دونوں کی فوجیں خطاکار تھیں۔

آسیہ نے فرعون سے کہا: "اس کے لئے دریائے نیل کے کنارے ایک خیمہ نصب کرا دیا جائے تاکہ بہار کی ہوا سے لطف اندوز ہو سکے، جب دریا کی موج نے موسیٰؑ کا صندوق وہاں پہنچایا تو اس وقت وہ دونوں ہی وہاں موجود تھے۔ ان کی نگاہیں صندوق پر جم گئیں۔

فرعون نے اپنے نوکروں کو صندوق نکال کر لانے اور اسے کھول کر دیکھنے

کا حکم دیا، صندوق کھولنے پر معلوم ہوا کہ اس میں ایک خوبصورت بچہ لیٹا ہوا ہے جس کی امید خدا سے وابستہ ہے۔

بچہ کی محبت زوجۂ فرعون کے دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے۔ کہ اس کے یہاں کوئی بچہ نہیں تھا۔ اور فرعون بھی بیوی کے جذبات سے متاثر ہو گیا، بیوی نے فرعون سے کہا:

قرة عين لي ولك لا تقتلوه عسىٰ ان ينفعنا او نتخذه ولداً وهم لا يشعرون (القصص / ۹)

"یہ بچہ میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرو۔ ہو سکتا ہے۔ اس سے ہمیں نفع پہنچے، یا اسے ہم اپنا بیٹا بنالیں گے، لیکن انھیں شعور نہیں تھا۔"

انھیں کیا معلوم تھا کہ اس بچہ کا مستقبل کیا ہے کیا واقعاً وہ ان کی زندگی بنا دے گا یا فرعون اور فرعونیوں کے محلوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا؟!

ایک حدیث میں بیان ہوا ہے کہ فرعون نے اپنی زوجہ سے کہا: تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو گا۔ لیکن مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، کیونکہ اگر فرعون بھی موسیٰ کو اپنی آنکھوں کا نور سمجھتا تو اپنی زوجہ آسیہ کی طرح ہدایت پا جاتا۔

بہرحال آسیہ اور فرعون نے طے کیا کہ موسیٰ کیلئے دودھ پلانے والی دائی کا انتظام کر دیا جائے، جو انھیں دودھ پلائے اور ان کی پرورش کرے۔ لیکن خدا نے یہ مقدر کر دیا تھا کہ موسیٰ اپنی والدہ کے علاوہ کسی اور کا دودھ نہیں پئیں گے چنانچہ قرآن فرماتا ہے:

وحرمنا علیہ المراضع (قصص/۱۲)

"ہم نے ان پر دودھ پلانے والیوں کو حرام کر دیا تھا۔"

فرعون اور آسیہ کو تشویش تھی کہ نوزاد کسی عورت کا دودھ نہیں پیتا ہے، اسی وقت موسیٰ کی خواہر وہاں پہنچ گئیں اور ان سے کہا: میں ایک شریف عورت کو جانتی ہوں جو کہ اس نوزاد کو دودھ پلانے اور اس کی تربیت کرنے کو تیار ہے۔ لیکن جب فرعونیوں کو یہ معلوم ہوا کہ یہ عورت بنی اسرائیل میں سے ہے تو اس کی پیشکش کو رد کر دیا مگر وہاں جو دوسری عورتیں تھیں، انہوں نے مشورہ دیا کہ عورت کو بلائیں اور یہ دیکھیں موسیٰ ان کا دودھ پیتے ہیں یا نہیں؟

مشکل یہ تھی کہ فرعون اس بات پر راضی نہیں تھا کہ بچہ کسی بنی اسرائیل کی عورت کے سپرد کیا جائے۔ لیکن دوسرے راستے بند تھے۔ اس کے علاوہ چارۂ کار نہ تھا۔ ناچار، موسیٰ کی والدہ کو بلایا گیا، انہوں نے محل میں داخل ہوتے ہی بچہ کو گود میں لے لیا اور پیار کرنے لگی۔ فرعون سمجھ گیا کہ یہ بچہ اسی عورت کا ہے۔ غضبناک ہو گیا۔ لیکن موسیٰ کی والدہ نے کہا: جب سے میں نے یہ سنا ہے کہ آپ نے پانی سے اس بچے کو نکالا ہے، اسی وقت میں نے اس کا نام موسیٰ رکھ دیا تھا۔ وجہ یہ ہے کہ "عبرانی" زبان میں موسیٰ کے معنیٰ پانی اور درخت کے ہیں۔

موسیٰ کی والدہ کی بات سن کر فرعون کا غصہ ختم ہو گیا۔ قرآن مجید کہتا ہے:

فرددناہ الی امہ کی تقر عینہا ولا تحزن
ولتعلم ان وعد اللہ حق ولکن اکثرھم
لا یعلمون (قصص/۱۳)

پھر ہم نے انھیں ان کی ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ ان کی آنکھیں

ٹھنڈی ہو جائیں اور وہ رنجیدہ نہ ہوں اور یہ جان لیں کہ خدا کا وعدہ
حق ہے لیکن زیادہ تر لوگ نہیں جانتے۔

بچہ اپنی ماں کے پاس پہنچ گیا تھا، بھوکا تھا، دودھ پی کر سیر ہو گیا۔
فرعون کا اصرار تھا کہ موسیٰ کی والدہ کو قصر ہی میں رہنا چاہئے۔ لیکن موسیٰ کی والدہ نے، جو کہ وعدۂ خدا پر پورا یقین رکھتی تھیں۔ اس پیش کش کو رد کر دیا اور اسی بات پر مصر رہیں کہ بچہ کے ساتھ اپنے گھر جائیں گی۔

فرعون اور آسیہ کو ان کی بات تسلیم کرنا پڑی۔ بچہ کو ماں کے سپرد کر دیا تاکہ وہ اسے اپنے گھر لے جا کر اس کی پرورش کریں اور دودھ بڑھائی کے بعد فرعون کے گھر پہنچا دیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

لکھا ہے کہ فرعون کو موسیٰ سے بہت محبت تھی، وہ انھیں گود میں لے کر پیار کرتا تھا۔ ایک روز بچہ نے اس کی داڑھی پکڑ لی اور اس کے چند بال نوچ لیے یا کوئی لکڑی اس کے سر پر ماری، اس سے فرعون کو بہت غصہ آیا اور اس نے موسیٰؑ کو قتل کرنے کی ٹھان لی۔ وہ انھیں قتل کرنا ہی چاہتا تھا ـــــ کیونکہ موسیٰ کے اس فعل کو وہ دشمنی کی دلیل سمجھتا تھا ـــــ کہ اس کی زوجہ نے کہا: یہ بچہ ہے اسے ان چیزوں کی خبر نہیں ہے۔ وہ اس طرح کھیلتا ہے۔ فرعون مطمئن نہ ہوا فرعون کی زوجہ نے کہا: امتحان کے لئے اس کے سامنے خرموں اور انگاروں کا طشت رکھا جائے اور دیکھا جائے کہ وہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر خرما اٹھاتا ہے تو اپنے فعل کا شعور رکھتا ہے اور اگر آگ اٹھاتا ہے تو ظاہر ہے بچگانہ حرکت ہے۔ فرعون اس بات پر راضی ہو گیا۔ آگ اور خرموں کا طشت موسیٰ کے قریب لا کر رکھ دیا گیا، موسیٰ نے خرمہ اٹھانا چاہا، لیکن جبرئیل نے اس سے

سے باز رکھا اور موسیٰ نے انگار اٹھا لیا۔ اس طرح فرعون نے ان کے قتل کا ارادہ ترک کر دیا۔

کہتے ہیں کہ موسیٰ نے آگ اٹھا کر زبان پر رکھ لی اور ان کی زبان جل گئی جس سے لکنت پیدا ہو گئی۔ اسی لئے خدا سے دعا کی:

واحلل عقدة من لسانی (طٰہٰ/۲۷)

میری زبان کی گرہ کو کھول دے

لیکن یہ بات صحیح نہیں لگتی، اور یہ بھی معلوم نہیں کہ زبان کی گرہ کھولنے کے یہی معنی ہیں! ممکن ہے یہ معنی ہوں کہ خدا انھیں فصیح زبان عطا کرے تاکہ ان کے مخاطب ان کی بات کو بخوبی سمجھ لیں[1]۔

---

[1] ملاحظہ فرمائیں، قصص قرآن صدر بلاغی، حالات موسیٰ، قصص قرآن یا تاریخ انبیا، حالات موسیٰ مولفہ: سید ہاشم رسولی محلاتی

آسیہ

بنتِ مزاحم و زوجۂ فرعون

آسیہ، اسلامی احادیث میں دنیا کی چار نمایاں عورتوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ان چار میں سے ایک مریم ہیں، ان کے حالات ہم پہلے قلم بند کر چکے ہیں۔ واضح رہے کہ صرف مریم وہ عورت ہیں جن کا نام قرآن مجید میں بیان ہوا ہے اور وہ بھی ایک جگہ نہیں بلکہ بارہ سوروں میں ان کا نام لیا گیا ہے۔ دوسری عورتوں کے قرآن نے صفات بیان کیے ہیں نام نہیں۔

خدائے متعال نے سورۂ تحریم میں رسولؐ کی بعض ازواج ـــ عائشہ وحفصہ ـــ کی بدرفتاریوں کو بیان کرنے کے بعد چار عورتوں کو نمونہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ ان میں سے دو حضرت نوحؑ و لوطؑ ـــ اللہ کے دو نبیوں ـــ کی بیویاں ہیں، خدا نے ان کے شوہروں کو صالح قرار دیا ہے اور ان کی عورتوں کو خیانت کار کہا ہے اور اس کی بات کی وضاحت کر دی ہے کہ ان کو پیغمبروں کی بیوی ہونے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا ان سے یہ کہا جائے گا۔

ادخلا النار مع الداخلین (التحریم/ ۱۰)

داخل ہونے والوں کے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤ۔

اور دو عورتیں زوجۂ فرعون اور مادر عیسیٰ مریمؑ۔ حضرت مریم کے حالات

آپ ملاحظہ کر چکے ہیں ۔ اب ہم آسیہ کے حالات سپرد قلم کرتے ہیں ۔

حضرت موسیٰ کی والدہ "یوکابد" کے حالات میں اس مثالی عورت کے کچھ حالات بیان ہو چکے ہیں ، یہ وہی عورت ہے کہ جس نے ، موسیٰ کے دریائے نیل سے نکل آنے کے بعد فرعون سے یہ کہا کہ اس بچہ کو قتل نہ کریں بلکہ انھیں اپنا بیٹا بنالیں ۔ آسیہ کو حضرت موسیٰ کی دوسری والدہ کہا جاسکتا ہے ، موسیٰ کی پرورش اور انھیں قتل سے بچانے میں ان کا بڑا کردار تھا۔ موسیٰ کی پرورش اور جان بچانے کے سلسلہ میں آسیہ نے تین جگہوں پر اہم کردار ادا کیا ہے :

۱۔ جب موسیٰ کو صندوق سے نکالا گیا ۔

۲۔ موسیٰ کی والدہ کو دائی کے عنوان سے قبول کرانے کے سلسلہ میں کوشش کی

۳۔ جب موسیٰ نے فرعون کی داڑھی نوچ لی تھی ۔

آسیہ نے یہ کردار اس وقت ادا کیا جب فرعون کو ان کے دل کا حال معلوم نہیں تھا۔ فرعون یہ سوچتا تھا کہ مصر کی ملکہ آرائش و شہوت اور مادی دنیا کی زرق و برق کی شیفتہ ہے اور ضلالت و گمراہی ، مصر کے کمزور طبقہ اور بنی اسرائیل پر ظلم کرنے کے سلسلہ میں وہ اس کے ساتھ ہے ۔لیکن وہ پیغمبر کی نسل سے تھیں ، یہ ممتاز برگزیدہ اور مومنوں کے لئے پناہ گاہ و مددگار عورت تھی اور ہر لمحہ اپنے اعلیٰ مقاصد کے حصول میں مشغول رہتی تھیں ۔لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب انسان میں ایسی صلاحیت ہو کہ وہ نازک حالات میں اپنے مذہب کو چھپا سکتا ہو ۔ مگر ایک گھر میں کسی کے ساتھ رہتے ہوئے اپنے ایمان و مذہب کو مخفی رکھنا آسان کام نہیں ہے وہ بھی اس عورت کے لئے کہ جس کا خالص ایمان ، پارسائی اور تقویٰ معاصر عورتوں میں بے نظیر ہو ۔ آخر کار راز فاش ہو گیا ۔

بعض لوگوں نے کہا ہے : وہ موسیٰ پر اس وقت ایمان لائیں جب موسیٰ فرعون کے دربار میں جادوگروں پر غالب آگئے اور وہ مغلوب ہو کر موسیٰ پر ایمان لے آئے۔ شاید اس وقت آسیہ نے اپنا ایمان ظاہر کیا تھا۔ اس وقت ایمان نہیں لائی تھیں، کیونکہ بعض روایات میں بیان ہوا ہے کہ انہوں نے چشم زدن کے لئے بھی کفر اختیار نہیں کیا تھا۔

ممکن ہے انہوں نے اپنے قصد و ارادہ سے اپنے ایمان کا اظہار کیا ہو کیونکہ قرآن مجید ان کی دعا کو خود ان کی زبانی اس طرح نقل کرتا ہے :

رب ابن لی عندک بیتاً فی الجنة ونجنی من فرعون وعمله ونجنی من القوم الظالمین

التحریم / ۱۱

اے پروردگار میرے لئے جنت میں ایک گھر بنا دے اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات عطا فرما اور ظالم لوگوں سے رہائی عطا کر۔

یہاں پر آسیہ تین دعائیں مانگتی ہیں :

۱۔ جوارِ رحمت اور قربِ حق میں جگہ، کیونکہ جس کیلئے خدا کے نزدیک جنت میں گھر بنے گا وہ جوار رحمت ہی میں جگہ پائے گا۔

۲۔ فرعون اور اس کے عمل سے نجات، کیونکہ ایسے شخص کی زوجیت میں رہنے کا لازمہ یہ ہے کہ اس کے برے اعمال میں شریک رہے اور یہ آسیہ ایسی عورت کے لئے بہت سخت ہے۔

۳۔ ظالموں سے نجات

اس کی دوسری دعا میں ان کا سوال یہ ہے کہ وہ ایک چھوٹے معاشرہ ۔خاندان ۔ کی رکنیت سے نکل جائے اور تیسری دعا میں وہ تقاضا کرتی ہیں کہ ایک بڑے معاشرہ ۔ یعنی قوم فرعون ۔ سے نجات پائے کہ وہ فاسد و پست معاشرہ ہے۔

ممکن ہے آسیہ نے یہ دعا اس وقت کی ہو کہ جب وہ فرعون کے مظالم اور اس کی بدمستیوں سے تنگ آگئی تھیں اور اب تقیہ میں زندگی نہیں گذار سکتی تھیں۔

تقیہ ہمیشہ واجب نہیں ہے۔ ایسے بھی افراد تھے کہ جنہوں نے ایک ہی جگہ دو طرح عمل کیا ہے۔ بعض نے تقیہ کر کے موت کو گلے لگالیا اور رسول اسلامؐ نے دونوں پر صاد کیا ہے۔ جیسا کہ عمار یاسر اور ان کے والدین کے قضیہ میں ہوا ہے بیٹے نے تقیہ کیا اور جان بچالی، ماں، باپ نے تقیہ نہیں کیا اور موت کو گلے لگالیا۔

اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ آسیہ نے تقیہ سے دہرا فائدہ اٹھایا ہے۔ جس زمانہ میں کلیم اللہ کی جان کی حفاظت واجب تھی اس زمانہ میں ایمان مخفی رکھا، تاکہ امانت خدا کی حفاظت کر سکیں۔ لیکن جب کلیم اللہ نے اپنی رسالت کا اعلان کر دیا اور ان کے سلسلہ میں فرعون کی گستاخیاں بڑھ گئیں تو اب تقیہ کی ضرورت نہیں تھی، کیا دربار کے جادوگروں نے کھلم کھلا اپنے ایمان کا اعلان نہیں کیا اور موت کو گلے نہیں لگایا؟ اس صورت میں آسیہ کیوں تقیہ کریں گی؟ اگر وہ اپنے ایمان کا اظہار کریں اور عزم بالجزم سے کام لیں اور فرعون سے مخالفت کے سلسلہ میں جان دیدیں تو کیا اس سے فرعون اور اس کے حاشیہ نشین لرزہ براندام نہیں ہوں گے؟ اور کیا یہ شہادت سوئے ہوئے دلوں کی بیداری کا سبب نہیں ہوگی؟

بہرحال آسیہ نے شجاعت سے کام لیا۔ اگر ان کے لئے مباح تھا تو تقیہ کو شہادت طلبی پر ترجیح دی اور اگر تقیہ کو حرام سمجھا تو اپنے فریضہ پر عمل

کیا اور سارے انسانوں، خصوصاً عورتوں کو شجاعت و شہامت، فداکاری و ایثارگری کا درس دیا۔

ممکن ہے ان کی دعا ان کے ایمان کے اظہار کا مقدمہ اور لوگوں کو بیدار کرنے کا پیش خیمہ ہو کہ وہ فرعون اور اس کے پٹھوؤں کے فریب میں نہ آئیں اور صرف ایک خدا سے لو لگائیں یا ان کی دعا ان کی دلی کیفیت کا پردہ فاش کرتی ہے۔ جو بھی ہو، خدا ان کی دعا کو قبول کرتا ہے اور نحیف و لاغر، آسیہ ناقابل برداشت مصائب و مشکلات میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔

پہلے انھیں اس عقیدہ سے دست بردار ہونے کی مہلت دی گئی۔ نصیحت کی گئی پھر شکنجہ دیا گیا جس سے ان کی شہادت واقع ہوئی۔

اگرچہ ان کے نحیف و لاغر بدن میں ان شکنجوں کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں تھی لیکن ان کی روح میں ایسی استقامت اور طاقت تھی کہ جس نے عموماً انسانیت کو اور بطور خاص صنف نسواں کو سرفراز کر دیا۔

کہتے ہیں کہ ان کو زمین پر لٹا کر ان کے ہاتھ پاؤں میں کیل ٹھونک دی گئی تھیں اور سورج کی جلتی دھوپ میں چھوڑ دی گئیں اور پھر ان کے اوپر ایک بھاری پتھر رکھدیا تاکہ شدید تکلیف کے عالم میں تڑپ کر مر جائیں۔

بعض روایات میں آیا ہے: زندگی کی ان حوصلہ شکن مشکلوں میں فرشتے ان کے ہمدم و ہمراز تھے اور جنت میں جس گھر کے بنانے کی دعا کی تھی وہ انھیں دکھا یا تھا۔ اگر ایسا ہے تو وہ بھی عالم کی محدثہ عورتوں میں سے ایک ہیں، بالکل ایسے ہی جیسا کہ قرآن مجید مریم کے محدثہ ہونے کی وضاحت کرتا ہے۔[۱]

۱۔ تفسیر المیزان ج ۱۹ ص ۳۹۷ تا ص ۴۰۲، سفینۃ البحار مادہ (س)۔

نہیں تھا، جبکہ انھیں میں نے دیکھا بھی نہ تھا۔ لیکن رسولؐ انھیں ہمیشہ یاد کرتے اور جب گوسفند ذبح کرتے تو اس کا کچھ گوشت خدیجہ کی سہیلیوں کے یہاں ضرور بھجواتے تھے کبھی میں کہدیتی تھی :

"گویا کہ خدیجہ کے سواء دنیا میں اور کوئی نہ تھا"، تو آنحضرتؐ فرماتے تھے :

وہ اس دنیا میں نہیں اور اس کے بطن سے میری اولاد ہے۔

عائشہ کہتی ہیں : رسولِ خداؐ جب بھی گھر سے باہر نکلتے تو خدیجہ کو یاد کرتے اور انکی تعریف و مدح کرتے تھے، میں نے کہا : وہ ایک بڑھیا ہی تو تھی ! ! خدا نے آپؐ کو اس سے بہتر عطا کی ہے۔ آنحضرتؐ میری اس بات سے اتنے غضبناک ہوئے کہ آپؐ کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے ! فرمایا :

"ہرگز نہیں، خدا کی قسم مجھے اس سے بہتر نہیں ملی ہے۔ وہ میرے اوپر اس وقت ایمان لائی کہ جب سب لوگ کافر تھے۔ اس نے اس وقت میری تصدیق کی جب سب مجھے جھٹلاتے تھے اور اس وقت اپنی دولت و ثروت میرے اختیار میں دی جب دوسروں نے مجھے محروم کر دیا تھا۔ جس زمانہ میں کوئی عورت میری طرف متوجہ نہیں تھی اس نے اس وقت مجھ سے نکاح کیا اور اس کے بطن سے خدا نے مجھے اولاد عطا کی۔

عائشہ کہتی ہیں : میں نے طے کیا کہ اب کبھی خدیجہ کو برائی سے یاد نہیں کرونگی۔

دستورات اسلامی کی اشاعت کے سلسلہ میں خدیجہ رسولؐ کا دایاں بازو تھیں۔ ہجرت سے تین سال قبل ٦۵ سال کی عمر میں مکہ میں انتقال کیا۔ احتضار کے وقت رسولؐ ان کے پاس گئے اور فرمایا :

کیا موت ناپسند ہے ؟ موت تمہارے لئے بہتر ہے۔ دفن کے وقت

ذلفاء

دختر زیاد بن لبید

منجح حضرت امام محمدؑ باقرؑ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کی :

میں نے ایک شخص کی بیٹی کی خواستگاری کی تھی لیکن اس نے تہی دست اور گمنام ہونے کی وجہ سے میرا پیغام رد کر دیا۔ اس سے مجھے بہت دکھ ہوا، خودکشی کرنے کو دل چاہتا ہے۔

جاؤ اور ان سے کہدو کہ محمد بن علیؑ نے کہلایا ہے کہ منجح سے اپنی بیٹی کا عقد کر دو اور یہ پیغام رد نہ کرو، منجح خوش ہو کر روانہ ہوا۔

ان کے جانے کے بعد امام محمد باقرؑ نے فرمایا : یمامہ کا ایک شخص، جو رسولؐ کی خدمت میں شرف یاب ہوا اور مسلمان ہو گیا، وہ کوتاہ قد، کالا اور کریہہ المنظر تھا اور مال دنیا میں سے بھی اس کے پاس کچھ نہ تھا، رسولؐ خدا نے اس تہی دست و بے کس کو اپنی سرپرستی میں لے لیا اور اس سے کہا کہ رات کو مسجد میں سویا کرو۔ کچھ دنوں کے بعد غریب مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی مسجد میں لیٹنے کی گنجائش نہ رہی، خدا کی طرف سے حکم ہوا کہ رسولؐ ایسے لوگوں کو مسجد میں سونے سے منع کر دو اور مسجد میں کھلنے والے دروازوں کو بند کر دو، لیکن علیؑ و فاطمہؑ کا در کھلا رہنے دو۔ رسولؐ نے حکم خدا پر عمل کیا اور حکم دیا کہ مسجد کے کنار ایک صفہ۔ چبوترہ۔

بنایا جائے اور غریب مسلمانوں کو اس پر جگہ دی جائے چنانچہ صفہ غریب مسلمانوں کا مسکن بن گیا۔

رسولؐ اپنی استطاعت کے مطابق ان غریب مسلمانوں کو گیہوں، جو، خرمہ اور کشمش دیتے تھے۔ دوسرے مسلمان بھی رسولؐ کی تاسّی کرتے اور ان لوگوں سے غافل نہیں رہتے تھے۔ ایک روز رسولؐ نے جویبر کو دیکھا اور نہایت ہی محبت کے ساتھ فرمایا:

بہتر ہے کہ تم شادی کر لو تاکہ پاک دامن رہ سکو اور دنیا و آخرت کے امور میں وہ تمہاری مدد کرے۔

اللہ کے رسولؐ مجھ سے کون شادی کرے گا؟ میرے پاس تو نہ مال ہے نہ جمال، نہ شخصیت ہے نہ نسب پھر مجھ سے شادی کرنے پر کون تیار ہوگی؟!

جویبر، خدا نے اسلام کے ذریعہ زمانۂ جاہلیت کے بڑوں کو پست اور پست لوگوں کو سرفراز کر دیا ہے، اسلام نے ان لوگوں کو عزت بخش دی ہے جو جاہلیت میں ذلیل سمجھے جاتے تھے اور جو زمانۂ جاہلیت میں صاحب عزت بنتے تھے، انھیں ذلیل کر دیا ہے۔ اسلام نے جاہلیت کے سارے افتخارات کو کچل دیا ہے اور اس کی برتریوں کو قلم زد کر دیا ہے۔ اسلام کالے، گورے قرشی اور عربی و عجمی کو آدم کی اولاد قرار دیتا ہے اور خدا نے آدم کو خاک سے پیدا کیا ہے۔ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب و معزز وہ ہے جو بڑا متقی ہے۔ جویبر! آج میری نظر میں تم سے بہتر کوئی مسلمان نہیں ہے۔

اٹھو! اور زیاد بن لبید کے گھر جاؤ۔ وہ اپنے قبیلہ کے شرفاء میں سے ایک ہے۔ اس سے کہنا کہ مجھے رسولؐ نے اس لئے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ

اپنی لڑکی کی مجھ سے شادی کر دیں۔

جو یبر اٹھے اور رسولؐ کا پیغام پہنچانے کیلئے زیاد کے گھر گئے۔ زیاد کے گھر کچھ لوگ بیٹھے تھے، جو یبر نے اجازت لی، گھر میں داخل ہوئے اور سلام کرنے کے بعد کہا: رسولؐ نے مجھے ایک پیغام کے ساتھ آپ کے پاس بھیجا ہے پیغام سب کے سامنے بیان کروں یا تنہائی میں؟

کھلم کھلا بیان کرو! میرے لئے فخر و مباہات کا باعث ہے۔ رسولؐ نے فرمایا ہے کہ ذلفاء کی شادی مجھ سے کر دیں۔ یہ پیغام رسولؐ نے تمہارے ذریعہ بھیجا ہے؟

ہاں، میں نے رسولؐ کی طرف سے کبھی کوئی جھوٹی بات بیان نہیں کی، ہم اپنی لڑکیوں کی شادیاں اپنے ہم پلّہ لوگوں سے کرتے ہیں، تم جاؤ میں خود رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر معذرت کر لونگا۔

جو یبر افسوس کناں باہر نکلے، اور زبان پر یہ کلمات تھے: قرآن ایسا حکم نہیں دیتا، خدا کی قسم یہ لوگ قرآن کے حکم سے منحرف ہیں، محمدؐ کی پیغمبری ایسی غلط رسوم کو توڑنے ہی کے لئے ہے۔

ذلفاء نے ساری باتیں سنیں، والد کو بلایا اور کہا: یہ آپ نے جو یبر سے کیا کہدیا؟ اس نے کہا: اسے رسولؐ نے بھیجا تھا تاکہ میں تمہاری شادی اس سے کر دوں۔ کیا جو یبر جھوٹ بول سکتا ہے؟ کسی کو بھیجکر جو یبر کو بلوائیے۔

زیاد نے کسی کو روانہ کیا وہ واپس آ گئے۔ زیاد نے اس کی تعظیم کی اور پھر کہا: بیٹھو! میں ابھی آتا ہوں۔ زیاد رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے

اور عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر قربان، جویبر آپ کی طرف سے یہ پیغام لے کر پہنچے ہیں کہ ذلفاء کی شادی میں اس سے کر دوں۔ ہم اپنی لڑکیاں اپنے ہی پلہ لوگوں کو دیتے ہیں، میں آپ کی خدمت میں معذرت کیلئے حاضر ہوا ہوں۔

زیاد جویبر مومن ہے، مومن مرد وعورت ایک دوسرے کے کفو ہیں، مسلمان، مسلمان کا کفو ہے، معذرت نہ کرو اس سے بیٹی کا عقد کر دو۔

زیاد واپس گھر لوٹ آئے اور جو سنا تھا وہ من وعن بیٹی سے نقل کر دیا۔ ذلفاء نے باپ سے کہا: اگر مخالفت کریں گے تو کافر ہو جاؤ گے، میرا عقد جویبر سے کر دیجئے۔

زیاد نے جویبر کا ہاتھ پکڑا اور اپنے عزیز واقارب کے درمیان لے گئے اور ان سے ذلفاء کا عقد کر دیا اور مہر کی رقم ادا کرنے کی ذمہ داری خود نے لی۔ شادی کی رسم ادا ہو گئی تو جویبر سے کہلایا، تمہارے پاس گھر ہے کہ جہاں دلہن کو اتارو گے؟

میرے پاس گھر نہیں ہے، دلہن کو تیار کیا گیا اور ان کے لئے ایسا گھر فراہم کیا گیا جس میں ضرورت کی سب چیزیں تھیں۔ جویبر کو بھی نیا لباس پہنایا گیا اور دولہا، دلہن دونوں کو نئے گھر بھیج دیا گیا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ساری نعمتیں انھیں ایک جگہ مل جائیں گی۔ ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کیلئے وہ قرآن خوانی اور عبادت میں مشغول ہو گئے۔ پہلی رات صبح تک عبادت ہی میں مشغول رہے صبح ہوتے ہی دونوں نے وضو کیا اور فریضۂ سحری کی ادائیگی کے لئے مسجد گئے۔

ایسی چیزوں میں عورتیں بہت چھان بین کیا کرتی ہیں، چنانچہ انہوں نے ذلفاء سے پوچھا: جویبر تمہارے پاس آئے تھے؟

وہ رات بھر قرآن خوانی اور عبادت کرتے رہے۔ دوسری، تیسری رات

جویبر نے عبادت میں گذار دی، اس وقت تک یہ واقعہ زیاد سے نہیں بتایا گیا تھا۔ لیکن تیسرے دن زیاد کو صورت حال بتادی گئی، وہ ناراض ہوئے اور رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی:

اے اللہ کے رسولؐ! میں نے آپ کے حکم سے اپنی لڑکی کا عقد جویبر سے کر دیا وہ میرا داماد بننے کے لائق نہیں تھا۔ لیکن میں نے آپؐ کی بات ٹالنا مناسب نہ سمجھا۔

رسولؐ نے دریافت کیا کیوں ناراض ہو؟ کیا ہوا؟

ہم نے جویبر کیلئے گھر اور ضرورت کی چیزیں فراہم کر کے دلہن کو ان کے پاس بھیج دیا، لیکن وہ اپنی بیوی کی طرف مائل ہی نہیں ہے، نہ اس سے بات کرتا ہے اور نہ اس کے پاس جاتا ہے، بلکہ گھر کے ایک گوشہ میں قرآن و نماز پڑھتا رہتا ہے، تین رات سے ان کا یہی وتیرہ ہے۔

زیاد چلے گئے تو رسولؐ نے جویبر کو طلب کیا اور ان سے فرمایا: تمہیں عورتوں کی طرف رغبت نہیں ہے؟

کیوں؟ کیا میں مرد نہیں ہوں؟ اے اللہ کے رسولؐ مجھے عورتوں سے بہت رغبت ہے۔ لیکن تمہارے بارے میں جو باتیں سننے میں آئی ہیں وہ تمہاری باتوں کے برخلاف ہیں۔

جب میں گھر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ایک وسیع اور آراستہ گھر ہے اس میں خوبصورت لڑکی دلہن بنی بیٹھی ہے، میں نے سوچا کہ اس سے پہلے میرا کیا حال تھا؟ اجنبی، تہی دست، درماندہ، فقراء کے درمیان زندگی گذارتا تھا اب خدا نے مجھے اتنی ساری نعمتوں سے نواز دیا ہے، تو اس کا شکر ادا کرنا میرا فریضہ ہے۔ لہٰذا پہلی شب میں نے عبادت میں بسر کی اور اس شب کے اگلے دن روزہ

رکھ لیا، تین دن سے ایسا ہی ہو رہا ہے میں راتوں کو عبادت اور دنوں کو روزہ رکھتا ہوں، اس کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ ان نعمتوں پر میں خدا کا شکر نہیں ادا کر سکا ہوں، انشاء اللہ آج رات کو سہاگ کی رات مناؤں گا۔

رسول ؐ نے جویبر کی باتیں ان کے خسر، زیاد تک پہنچا دیں تو وہ بہت خوش ہوئے۔

ذلفاء نے اپنے اس اقدام سے ثابت کر دیا کہ وہ واقعاً مسلمان ہے اور مشترک زندگی میں بھی وہ اسلام کے احکام کے مطابق عمل کریں گی۔

جویبر ایک جنگ میں شہید ہو گئے، ذلفاء کے بہت سے پیغام آئے لیکن ان میں سے کوئی بھی جویبر سے بہتر نہیں تھا۔[1]

---

[1] بحار الانوار طبع جدید، ج ۲۲ ص ۱۱۷ تا ص ۱۲۱

ایک عورت جو شکایت کرنے آئی تھی

شدید گرمی ہو رہی تھی، لوگ اپنے گھروں میں محو آرام تھے۔ لیکن ایک مظلوم عورت اپنے ظالم و بے رحم شوہر کی شکایت کرنے کیلئے گھر سے باہر نکل آئی تھی، وہ مظہر عدل و انصاف حضرت علیؑ کے دروازہ پر کھڑی ہوگئی، یہاں تک آپ واپس لوٹ آئے۔ عرض کی:

"میرا شوہر مجھے ستاتا ہے، ڈراتا ہے، آج اس نے مجھے مارنے کی قسم کھائی ہے۔" "ٹھہرو! ٹھنڈک ہو جانے دو، تمہارے ساتھ میں تمہارے شوہر کے پاس جاؤں گا۔"

جو زمام دار ـــ جو کہ خود ایک ملازم کا کام انجام دیتا ہے ـــ اس بات کے لئے تیار نہیں ہے کہ مجرم کو کسی سپاہی کے ذریعہ دربار میں طلب کرے، دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ دنیا میں بس ایک دفعہ ایسا زمام دار گذرا ہے۔

عورت نے عرض کی: اگر زیادہ دیر ہو گی تو وہ زیادہ غصہ ہوں گے، ڈرتی ہوں کہ میرے لئے مشکل ایجاد نہ کر دے۔

حضرت علیؑ نے لمحہ بھر کے لئے سر جھکایا اور پھر سر اٹھا کر فرمایا:

"خدا کی قسم بے دریغ مظلوم کی فریاد رسی کرنا چاہیئے۔"

"تمہارا گھر کہاں ہے؟"

علیؑ عورت کے ساتھ اس کے شوہر کے دروازے پر پہنچے جو کہ اپنی بیوی کے ساتھ نیک سلوک روا رکھنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ علیؑ نے دروازہ پر کھڑے ہو کر اہل خانہ کو سلام کیا، ایک جوان باہر نکلا۔ علیؑ نے فرمایا:

"خدا کے بندے! خدا سے ڈرو! اپنی بیوی کو نہ دھمکاؤ، اسے گھر سے نہ نکالو"

"تمہارا اس میں کیا دخل ہے، خدا کی قسم تو نے جو وساطت کی ہے اسی حرکت پر میں اسے جلاؤں گا۔"

میں تمہیں اچھی بات کا حکم دے رہا ہوں، بری بات سے روک رہا ہوں لیکن تم اس پر کان نہیں دھرتے ہو؟"

جوان ابھی تک اسلامی معاشرہ کے عادل رہبر کو نہیں پہچان سکا تھا۔ ایک مرتبہ متوجہ ہوا کہ جو بھی ان کے قریب سے گذرتا ہے وہی یا امیر المؤمنین کہہ کر سلام کرتا ہے۔

جوان نے علیؑ کو پہچان لیا، خوف کے مارے حالت غیر ہوئی۔ عرض کی: مجھے معاف کر دیجئے۔ خدا کی قسم اب میں اس کے ساتھ خاکساری سے پیش آؤنگا۔

حضرت علیؑ نے تلوار کو نیام میں رکھا اور اس جاہل جوان کی جسارت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے عورت سے فرمایا: "گھر میں جاؤ! لیکن اپنے شوہر کو اتنا غصہ نہ دلانا کہ جس سے وہ تمہارے بارے میں ایسا ارادہ کرے[1]۔"

---

[1] بحار الانوار، طبع جدید، ج ۴۱ ص ۵۷

امام زین العابدینؑ کی کنیز

اسلام نے غلام بنانے کی فکر سے تدریجی طور پر جنگ کی ہے۔ اس فکر سے اسلام کی جنگ کا طریقہ یہ تھا کہ ان چیزوں کو ختم کر دیا جن سے غلامی وجود میں آئی ہے اور دوسری طرف غلاموں کی آزادی کے اسباب فراہم کئے جائیں۔

اس سلسلہ میں اسلام نے جو پروگرام شروع کیا تھا اس سے غلامی کا سلسلہ ختم ہونا ہی تھا۔ امام زین العابدینؑ کی کنیز کی سرگذشت میں جو چیز ہماری توجہ کو اپنی طرف مبذول کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ یہ کنیز امام زین العابدینؑ کے گھر میں خاندان کی ایک فرد کی مانند زندگی گذارتی ہے اور جو چیز خاندان کے لئے آتی ہے وہی ان کے بھی فراہم کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں کسی غیریت کا احساس نہیں ہوتا ہے وہ لطف اندوز زندگی گذارتی ہیں۔ غلاموں کیلئے سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ وہ مستقل طور پر اپنی زندگی نہیں گزار سکتے تھے، اور اس میں یہ فکر ان میں طفیلی زندگی بسر کرنے سے پیدا ہوئی تھی چنانچہ اگر وہ آزاد بھی ہو جاتے تھے تو بھی اس آزادی سے فائدہ نہیں اٹھا پاتے تھے۔

اس دعوے کی دلیل یہ ہے کہ امریکہ نے غلاموں کی آزادی کیلئے جو جنگیں لڑیں اور لینکن کی کوششوں کے نتیجہ میں غلام آزاد ہو گئے، تو وہ پھر خود اپنے پاؤں سے زمینداروں کے کھیتوں میں پہنچ گئے اور غلامی

کی زندگی گذارنے لگے۔ اس لئے زندگی کے ماحول کو ایسا ہونا چاہئے کہ جو انسان کو آزادی کے لئے پرورش کرے اور انھیں آزادی کی دولت سے نوازے، اسلام نے غلاموں کی جڑیں کاٹنے کے ضمن میں ایسا ماحول پیدا کیا اور غلاموں کی آزادی کے بہت سے ذرایع فراہم کر دیئے۔

امام زین العابدینؑ نے اپنی کنیز کی اس طرح پرورش کی ہے، اس کنیز کی ایسی فکری اور عقلی پرورش کی ہے کہ امامؑ سے اس کے طرز گفتگو سے ہم اس کی موقع شناسی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

کنیز کے ہاتھ میں پانی کا ظرف ہے، امام زین العابدینؑ کے وضو کیلئے پانی لا رہی ہے، اتفاقاً ظرف ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا اور اچھل کر امام کی پیشانی پر لگا جس سے زخم ہو گیا۔

آپؑ نے نگاہ اٹھا کر کنیز کو دیکھا تو کنیز نے یہ آیت پڑھی:

والکاظمین الغیظ

جو کہ غصہ کو ضبط کر لیتے ہیں

آپؑ نے فرمایا: میں نے برداشت کیا۔

کنیز نے پھر یہ آیت پڑھی:

والعافین عن الناس

جو کہ لوگوں کی خطاؤں کو معاف کر دیتے ہیں

آپؑ نے فرمایا: خدا تمہاری خطاؤں کو معاف کرے۔

کنیز نے پھر کہا: واللہ یحب المحسنین

خدا نیک کام کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے

رسولؐ قبر میں اترے اور اپنے دست مبارک سے حضرت خدیجہؑ کی لاش قبر میں اتاری۔ انکے مرنے کے بعد رسولؐ پر بہت سے مصائب پڑے لیکن صبر و رضا کے ساتھ ان جان لیوا مصائب کو برداشت کیا۔

حضرت خدیجہؑ باکمال اور متمول عورت تھیں۔ انکی عقلمندی کے لئے یہی دلیل کافی ہے کہ انہوں نے رسولؐ خدا کی پیروی کی اور اسلام کے پایوں کے استحکام کے لئے اپنا سارا مال خرچ کر دیا۔ وہ اولین مسلمان اور سب سے پہلی نمازی تھیں۔

مردوں میں سب سے پہلے حضرت علی بن ابی طالبؑ نے اپنے اسلام کا اظہار کیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی۔ اس زمانے میں علی علیہ السلام جوان تھے اور لحظہ بھر کے لئے رسولؐ اور خدیجہ سے جدا نہیں ہوتے تھے۔ آخر کار موت نے ان کے درمیان جدائی ڈال دی اور خدیجہؑ کو ان سے جدا کر دیا۔

حضرت خدیجہ کا جو مختصر زمانہ مستقبل میں اپنے ہونے والے داماد کے ساتھ گذرا، اس میں انہوں نے انھیں بھرپور محبت سے نوازا اور یہ محبت و شفقت صرف خدا کے لئے تھی اور جو لوگ خدا کی راہ میں دوسروں سے محبت کرتے ہیں خدا انھیں عظیم اجر عطا کرتا ہے۔[۱]

---

[۱] منتہی الامال اور سفینۃ البحار مادۂ خدج

امام زین العابدینؑ نے فرمایا: جاؤ میں نے تمہیں آزاد کیا۔
اس طرح کنیز آزاد ہوگئی، حقیقت یہ ہے کہ اس نے قرآن کی آیات کی معرفت اور ان پر توجہ کی جزا پائی۔
کنیز نے درج ذیل آیت کے جملے ادا کئے تھے:

الّذین ینفقون فی السّراء و الضّراء و الکاظمین الغیظ و العافین عن النّاس و اللّٰہ یحبّ المحسنین (آل عمران/ ۱۳۴)

جو لوگ خوش حالی اور مصیبت کے زمانہ میں انفاق کرتے ہیں اور اپنا غصہ پی جاتے ہیں اور لوگوں کی خطا سے چشم پوشی کرتے ہیں اور خدا نیک کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔
جی ہاں! ایسی کنیز اسی لائق ہے کہ خطا پر نہ صرف یہ کہ اس سے باز پرس نہ کی جائے بلکہ امامؑ اس کی تشویق کریں۔ اور پھر انسانیت کے ایسے بلند احکام پر امام کے علاوہ اور کون عمل کر سکتا ہے[1]

---

[1] بحار الانوار، طبع قدیم ج ۱۱ ص ۲۱

زینب

زوجۂ رسول اکرمؐ

ان کے والد حجش اور ماں، رسولؐ کی پھوپھی، امیمہ تھیں، ان کے بھائی عبداللہ جنگ احد میں شہید ہوئے تھے اور بہن اُن مثالی پانچ عورتوں میں سے ایک ہیں کہ جنہوں نے جنگ احد میں بڑے خدمات انجام دیئے تھے۔

زینب قریش کے شرفاء کی نسل سے تھیں اور جاہلیت کی رسم و رواج کے مطابق ان کی شادی شرفا ہی کے لڑکے سے ہونی چاہیئے تھی، لیکن چونکہ اسلام جاہلیت والی رسوم کی جڑ کاٹنا اور لوگوں کو اسلام کی سنتوں کا عادی بنانا چاہتا تھا، اس لئے زینب نے رسولؐ کی پیش کش پر زید سے شادی کر لی تھی۔

زید ایک غلام تھا جسے حضرت خدیجہؑ نے رسولؐ کو بخش دیا تھا اور رسولؐ نے اسے آزاد کر دیا تھا اور اسے بیٹا بنا لیا تھا۔ یہ بھی غلاموں کو حقیر نہ سمجھنے کی راہ میں رسولؐ کا ایک اہم قدم تھا۔ اور دوسرا بڑا قدم اس کے لئے زینب کی خواستگاری تھا۔

لڑکی والوں نے بھی یہ رشتہ اس لئے منظور کر لیا تھا کہ رسولؐ کے حکم کی نافرمانی نہ ہو۔ اس طرح زینب جو کہ آزاد تھیں، اس جوان کے حبالۂ نکاح میں آگئیں جو کہ پہلے غلام تھا۔

کچھ مدت کے بعد یہ میاں بیوی اپنے اندرونی اختلافات کی وجہ سے مشترک زندگی نہ گذار سکے اور ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

جاہلیت کی رسم کے مطابق، منہ بولا بیٹا۔ متبنّٰی ــ بیٹے ہی کے حکم میں تھا اور اس کی بیوی بھی بہو کے حکم میں تھی۔ لیکن اسلام نے اس رسم کی بھی مخالفت کی اور قرآن نے حکم دیا:

ادعوهم لآبائهم هو اقسط عند اللّٰه (احزاب/۵)

انہیں ان کے اصلی وحقیقی باپ کے نام سے پکارو کہ یہ خدا کے نزدیک عدل سے زیادہ قریب ہے۔

اس حکم کی رو سے منہ بولا بیٹا، حقیقی بیٹا نہیں ہو سکتا اور نہ ہی بیٹے کے احکام کا حامل ہو سکتا ہے۔ یعنی منہ بولے بیٹے کو میراث نہیں مل سکتی، اور نہ وہ محرم ہو سکتا ہے۔ یہاں تک کہ دیگر افراد کی مانند اس سے بہن بیٹی وغیرہ کی شادی کی جا سکتی ہے۔

اسلامی معاشرہ میں اس حکم پر سب سے پہلے خود رسولؐ نے عمل کیا، دوسروں کو بھی اس پر عمل کرنا چاہئے اور جاہلیت کی بے بنیاد رسوم کی قید سے آزاد ہو جانا چاہئے۔ جاہلیت کی رسوم کو توڑنا اسلام کے نقطۂ نظر سے بہت اہم مسئلہ ہے۔ یہاں تک کہ لڑکی کے خاندان والوں کو بھی اس میں کوئی عذر نہیں ہونا چاہئے جیسا کہ قرآن مجید صریح طور پر اعلان کرتا ہے:

وما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى اللّٰه
ورسوله امرًا ان يكون لهم الخيرة
من امرهم ومن يعص اللّٰه ورسوله

ضلّ ضلالاً مبینا۔ (احزاب/ ۳۶)

اور کسی مومن مرد یا عورت کو اختیار نہیں ہے کہ جب خدا اور اس کا رسولؐ کسی امر کے بارے میں فیصلہ کر دیں تو وہ بھی اپنے امر کے بارے میں مختار بن جائیں اور جو خدا اور رسولؐ کی نافرمانی کرے گا وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہوگا۔

اس آیت کے نازل ہونے سے زینب کا اختیار ختم ہو گیا اور انہوں نے دینی و اجتماعی مفاد پر خود کو قربان کیا اور کرنا چاہئے تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ زینب کی پہلی اور رسولؐ اسلام سے دوسری شادی کا نتیجہ غلط رسوم کو توڑنا تھا یہاں اس نکتہ کی طرف بھی اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ اگر زینب نے خدا ورسولؐ کے حکم سے زید سے شادی کر لی تھی تو ممکن ہے کہ عشق و محبت کے ساتھ شوہر کے گھر نہ گئی ہوں، لیکن دوسری شادی میں وہ کامیاب ہوگئیں، کیونکہ اس مرد کے حبالۂ نکاح میں آئی ہیں جس پر ایک جہاں افتخار کرتا ہے۔

زینب کی دوسری شادی کے بارے میں کینہ توز مستشرقین نے بہت سی موہوم باتیں کہی ہیں۔ لیکن قرآن مجید کی آیات میں غور کرنے سے ان باتوں کا بے بنیاد ہونا واضح ہو جاتا ہے۔

مستشرقین نے یہ ظاہر کیا ہے کہ رسول اللہ کو زینب سے عشق ہو گیا تھا، خود ہی اس کی طلاق کا باعث ہوئے تھے۔ حالانکہ اس سلسلہ میں قرآن مجید فرماتا ہے:

واذ تقول للذی انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ امسک علیک زوجک واتق اللہ (احزاب/ ۳۷)

آپ" زید" سے، کہ جس پر خدا اور آپ نے لطف کیا ہے، کہتے ہیں کہ اپنی بیوی کو روکے رکھو اور اس کے بارے میں خدا سے ڈرو!

اس آیت سے یہ بات بخوبی روشن ہو جاتی ہے کہ رسولؐ نے پوری کوشش کی کہ زید اپنی زوجہ کو طلاق نہ دیں۔ لیکن اس کوشش کا کوئی فائدہ نہ ہوا اور زینب و زید ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

قرآن مجید سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ زینت کی طلاق کے بعد ان سے شادی کرنے پر آپؐ کو مامور کیا گیا تھا۔ لیکن وہ ہمارے زمانہ کے کینہ توز مستشرقین کی یاوہ گوئیوں سے کیوں نہیں ڈرتے تھے، اس راز سے قرآن مجید نے پردہ اٹھایا ہے اور رسولؐ کو مطمئن کیا ہے کہ تبلیغی فرائض کی انجام دہی میں صرف خدا سے ڈرو! لوگوں سے نہیں۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید کا ارشاد یہ ہے:

وتخفی فی نفسك ما الله مبدیه وتخشی الناس
والله احق ان تخشاه فلما قضی زید منها
وطراً زوجنا کها لکی لایکون علی المومنین
حرج فی ازواج ادعیائهم اذا قضوا منهن
وطراً وکان امر الله مفعولا (احزاب ۳۷)

جو چیز تم دل میں چھپاتے ہو خدا اسے آشکار کر دیتا ہے، لوگوں سے ڈرتے ہو، بہتر یہ ہے کہ خدا سے ڈرو! اور جب زینب و زید کا معاملہ یکسو ہو گیا تو ہم نے زینب کا نکاح آپ سے کر دیا تاکہ مومنین کیلئے منھ بولے بیٹوں کی بیویوں سے عقد کرنے میں کوئی حرج نہ رہے، جب وہ اپنی ضرورت پوری کر چکیں

اور خدا کا حکم بہر حال نافذ ہوتا ہے۔"

درحقیقت زینب کا نکاح خدا نے رسولؐ سے کیا تھا اور یہ عمل تبلیغ رسالت ہی کا ایک جز ہے۔ اب ہم اس شادی کے نتائج کا خلاصہ پیش کرتے ہیں:

۱۔ جاہلیت کی رسم کے برخلاف زید نے جو کہ پہلے غلام تھے شرفاء کی لڑکی سے شادی کی۔

۲۔ زمانۂ جاہلیت میں کوئی شخص بھی منھ بولے بیٹے کی بیوی سے عقد نہیں کر سکتا تھا، لیکن اسلام نے اعلان کیا کہ طلاق اور عدہ تمام ہونے کے بعد عقد کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۳۔ چونکہ زینب نے اپنی تمام خواہشوں پر خدا و رسولؐ کے حکم کو ترجیح دی تھی، اس لئے انھیں سرفرازی نصیب ہوئی اور خدا نے انکا عقد رسولؐ سے کرا دیا۔

یہی وجہ تھی کہ زینب رسولؐ کی تمام بیویوں پر فخر کرتی تھیں اور کہتی تھیں: تمہاری شادی تمہارے والدین نے رسولؐ سے کی ہے لیکن مجھے خدا نے رسولؐ کے لئے منتخب کیا ہے اس کے علاوہ میں رسولؐ کی پھوپھی کی بیٹی ہوں۔

رسولؐ نے سنہ ۳ھ یا سنہ ۵ھ میں زینب سے عقد کیا تھا اور اسی سال حجاب کا حکم بھی نازل ہوا تھا۔ عائشہ کہتی ہیں: جب رسولؐ پر زینب سے نکاح کرنے سے متعلق آیت نازل ہوئی تھی تو آپؐ نے فرمایا تھا: "کون ہے جو زینب تک یہ خوشخبری پہنچائے؟" اس واقعہ سے مجھے بہت تکلیف ہوئی کیونکہ زینب بہت خوبصورت عورت تھی اور رسولؐ سے قریب کی رشتہ داری تھی۔ اس کے علاوہ انکا عقد خدا نے رسولؐ سے کیا تھا۔

جب زینب کو اس کی اطلاع ملی تو خوش ہو کر سجدہ شکر بجا لائیں۔ ام سلمہ کہتی ہیں: زینب کو رسولؐ بہت چاہتے تھے۔ وہ بھی شائستہ، روزہ دار، شب زندہ دار اور بہت نیک تھیں اور ناداروں کی بہت زیادہ مدد کرتی تھیں۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کا اصلی نام "برہ" تھا۔ لیکن رسولؐ لوگوں کا اچھا نام رکھنے کی کوشش کرتے تھے، لہٰذا آپؐ نے ان کا نام زینب رکھا۔ زینب نے رسولؐ سے بعض روایات نقل کی ہیں ۲۰ھ کو انتقال کیا۔ یعنی رسولؐ کے انتقال کے ٹھیک نو سال بعد دنیا سے اٹھیں۔ رسول کی ازواج میں سے سب سے پہلے انھیں کا انتقال ہوا، رسولؐ نے فرمایا تھا: تم میں سے جس کے ہاتھ لمبے ہیں اس کا انتقال جلد ہوگا، جب ہاتھ ناپے گئے تو معلوم ہوا کہ زینب کے ہاتھ سب سے چھوٹے ہیں، اس لئے کسی کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی کہ زینب کا انتقال پہلے ہوگا۔ جب زینب کا انتقال ہو گیا تو لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ لمبے ہاتھ سے مراد سخاوت و بخشش اور ناداروں کی مدد تھی۔ زینب کو جو کچھ ملتا تھا اسے مفلسوں پر خرچ کر دیتی تھیں۔

رسولؐ مہاجروں کے درمیان مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے۔ زینب نے کوئی بات کہی جس سے عمر کو افسوس ہوا، چاہا کہ انھیں وہاں سے بھگا دیں رسولؐ نے فرمایا:

"انہیں کچھ نہ کہنا کہ پرہیزگار و پارسا عورت ہے۔"

مرتے دم کہا: میں نے اپنا کفن فراہم کر رکھا ہے، عمر بھی میرے لئے کفن بھیجیں گے لہٰذا ان میں سے ایک کو راہ خدا میں دیدینا۔

جب یہ شائستہ و پاکیزہ عورت قبر میں چلی گئی تو عائشہ نے ان کے بارے میں

اس طرح اظہار خیال فرمایا: قابل تعریف، عبادت گذار، یتیموں اور بیواؤں کی خبر رکھنے والی عورت دنیا سے اٹھ گئی۔

بیت المال سے انھیں بارہ ہزار درہم دیئے جاتے تھے لیکن انہوں نے صرف ایک دفعہ یہ درہم لئے اور کہا: اے اللہ اتنی توفیق مرحمت فرما کہ میں اس وظیفہ سے بے نیاز ہو جاؤں کیونکہ میں جانتی ہوں کہ لوگوں کے مال کو خرچ کرنے میں بہت بڑا خطرہ ہے۔ اس کے بعد اس رقم کو بے دریغ نیازمند لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔

یہ خبر خلیفہ دوم تک پہنچی، انھیں تعجب ہوا اور کہا: اس عورت کو اور زیادہ مدد کی جانی چاہئیے، چنانچہ ان کے لئے مزید ہزار درہم بھیجے اور کہلایا: میں نے سنا ہے کہ وہ رقم تم نے نادار لوگوں میں تقسیم کر دی ہے، یہ درہم اپنے خرچ کیلئے محفوظ رکھو۔

زینب نے اسے بھی تہی دست لوگوں پر خرچ کر دیا اور اپنے اوپر ایک درہم بھی خرچ نہ کیا جب رسولؐ نے ان سے شادی کی تھی تو اس وقت ان کی عمر ۳۵ سال اور مرتے دم ۵۰ سال اور ایک قول کے مطابق ۵۳ سال تھی رسولؐ نے ان سے شادی کر لی تو منافقین نے کہا: رسولؐ نے بیٹے کی بیوی کو حرام کیا تھا اور اب خود بیٹے کی بیوی سے شادی کر لی ہے۔ خدا نے انھیں اس طرح جواب دیا ہے: ما کان محمّد ابا احد من رجالکم "محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔" نیز حکم دیا کہ ہر شخص کو اپنے حقیقی والد سے منسوب کرے۔ چنانچہ اس کے بعد سے زید کو، زید بن حارثہ کہا جانے لگا۔ [۱]

---

[۱] الاصابہ والاستیعاب کتاب النساء، زینب

ام رافع سلمیٰ

یہ ایک قول کے مطابق عبد المطلب کی کنیز اور دوسرے قول کے لحاظ سے رسولؐ کی کنیز تھیں، آزاد کر دی گئی تھیں۔ ان کے شوہر ابو رافع کو بھی رسولؐ نے آزاد کیا تھا۔

رسولؐ ابھی مکہ ہی میں تھے، اسلام کو کوئی خاص ترقی نہیں ملی تھی، ایک روز ابو جہل نے آپؐ کو دیکھا اور برا بھلا کہا اور جہاں تک ممکن تھا رسولؐ اور اُن کے دین کی برائی کی، رسولؐ خاموش رہے۔[1]

آپؐ کے چچا حمزہ ایک شیر مرد تھے، لیکن ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، جس روز ابو جہل نے آپؐ کو برا بھلا کہا تھا اس روز جناب حمزہ شکار کرنے کیلئے گئے ہوئے تھے۔ جب شکار سے لوٹ کر آئے تو سلمیٰ نے ان سے بتایا کہ ابوجہل نے رسولؐ کی اہانت کی ہے۔ یہ سن کر وہ غضبناک ہو گئے اور کسی سے گفتگو کئے بغیر سیدھے مسجد الحرام پہنچے، وہاں ابو جہل مل گیا، دیکھتے ہی کمان اس کے سر پر دے ماری جس سے خون جاری ہو گیا اور کہا:

"تم جانتے ہو کہ میں بھی اپنے بھتیجے کے دین کا گرویدہ ہوں

---

[1] سعیدہ ابن ہشام ج ۱ ص ۳۱۱

اس کے بعد جو بھی ان کی اہانت کرے گا میں اس سے انتقام لوں گا"

حمزہ کو ان کی غیرت و جوانمردی نے اس بات پر ابھارا کہ اپنے بھتیجے کو دشمنوں کے درمیان تنہا اور لاوارث نہ چھوڑیں، مسلمان ہو جائیں اور ان کے مخالفوں کا ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ حمزہ کے مسلمان ہو جانے سے رسولؐ کی کمر مضبوط ہو گئی بعد میں بھی اسلام سے کامل بصیرت و آگاہی کے ساتھ اسلام کے وفادار رہے جنگ احد میں وحشی کے ہاتھ سے شہادت پائی اور "شیر خدا" لقب پایا۔

بہرحال یہ سلمی کا بروقت اقدام تھا جس سے حمزہ کو غیرت آئی، انہوں نے ابوجہل کو اس کی گستاخی کا جواب دیا اور ان کے مسلمان ہو جانے سے اسلام کا محاذ قوی ہو گیا۔

ایک دن سلمیٰ رسولؐ کی خدمت میں پہنچی اور اس طرح عرض پرداز ہوئی:

"مجھے میرے شوہر ابو رافع نے مارا ہے"

رسولؐ نے ابو رافع سے فرمایا: اسے کیوں مارا ہے؟

"یہ مجھے ستاتی ہیں"

رسولؐ نے سلمی سے فرمایا:

"تم اپنے شوہر کو کیوں ستاتی ہو؟

"میں نے انھیں نہیں ستایا ہے۔ میں نے تو صرف یہ کہا تھا کہ بعض چیزوں سے وضو باطل ہو جاتا ہے، ان کے انجام پانے کے بعد نماز کیلئے وضو کرنا چاہئے۔ ابو رافع نے وضو کئے بغیر نماز شروع کر دی اور مجھے مارا کہ میں نے انکی غلطی سے انھیں کیوں آگاہ کیا۔"

حضرتِ

فاطمہ بنتِ اسد

بنی ہاشم میں آپ پہلی عورت ہیں جن کے ماں باپ دونوں ہاشمی ہیں۔ آپ چار بیٹوں طالب، عقیل، جعفر، علیؑ اور ایک بیٹی ام ہانی کی ماں ہیں۔

سب سے چھوٹے بیٹے علیؑ ہیں۔ آپ نے خانۂ کعبہ میں ولادت پائی تھی یہ شرف نہ آپ سے پہلے کسی کو نصیب ہوا تھا اور نہ آپ کے بعد کسی کو حاصل ہوا ہے۔

کہتے ہیں کہ جب آمنہ بنت وہب کے بطن سے رسول اکرمؐ پیدا ہوئے اور فاطمہ بنت اسد نے اپنے شوہر کو آنحضرتؐ کی ولادت کی مبارک باد دی تو گویا ابوطالب کے دل پر الہام ہوگیا کہ خدا انھیں ایک فرزند عطا کرے گا جو محمدؐ کا بھائی، وصی اور جانشین ہوگا۔ کہا: تقریباً تیس سال کے بعد خدا ہمیں ایک بیٹا عطا کرے گا جو کہ نبوت کے علاوہ ہر لحاظ سے محمدؐ جیسا ہی ہوگا۔

ایک روز کچھ لوگ مسجد الحرام میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے کہ اخلاص و یکتا پرستی کی مظہر و نمونہ فاطمہ بنت اسد آئیں اور کعبہ کے سامنے کھڑی ہوگئیں اور خدا سے دعا کرنے لگیں۔

سبھی جانتے تھے کہ فاطمہ بنت اسد حاملہ ہیں اور ولادت کا وقت قریب ہے۔ لوگوں کے کان اور آنکھیں ان کے اور ان کی دعاؤں پر لگ گئے، تھے وہ کہہ رہی تھیں: اے اللہ! میں تجھ پر، تیرے انبیاء اور کتابوں پر

رسولؐ نے ابو رافع سے فرمایا : ام رافع نے تمہیں کوئی غلط بات نہیں کہی تھی۔

ایک دفعہ ام سلمیٰ رسولؐ کے پاس گئی اور عرض کی :

"اے اللہ کے رسولؐ ! مجھے کچھ تعلیم کیجئے۔

"جب نماز شروع کرو تو آہستہ سے تکبیر کہا کرو۔"

وہ بہترین قابلہ اور اچھی نرس تھی۔ جناب خدیجہ، ماریہ اور حضرت فاطمہؑ کی قابلگی انہوں نے ہی کی تھی۔ جناب فاطمۂ زہراءؑ کی بیماری میں آخری سانس تک آپ کی تیمار دار رہیں اور آپ کی وصیت کے مطابق کسی کو جنازہ پر نہیں آنے دیا، جنگ خیبر میں شریک تھیں اور رسولؐ سے رسولؐ کی حدیث نقل کی ہے : وہ عورت جہنم میں جائے گی جس نے ایک بلی کو بند کر دیا اور اس کو کھانے، پینے کو کچھ نہ دیا یہاں تک وہ بھوک سے مر گئی۔[1]

---

[1] الاصابہ کتاب النساء وسطور مع نساء مومنات بعض محققین کی نظر سے حمزہ کو ابو جہل کی گستاخی کی خبر دوسری عورت نے دی تھی۔

خولہ

عثمان بن مظعون کی زوجہ

یہ ان ممتاز عورتوں میں سے ایک ہے کہ جنہوں نے مکمل آگہی کے ساتھ اسلام قبول کیا اور رسولؐ سے کچھ احادیث بھی نقل کی ہیں۔

ان کے شوہر عثمان وہی ہیں جنہوں نے حبشہ مہاجرت کرنے کے بعد یہ سنا کہ مسلمانوں سے پابندی اٹھالی گئی ہے اور مشرکین نے مخالفت سے دست کشی اختیار کرلی ہے تو وہ مکہ آگئے، لیکن جب دیکھا پابندیوں میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے تو ایک مشرک کی پناہ حاصل کرلی، کچھ دنوں کے بعد اس کی پناہ سے الگ ہوگئے، سب سے پہلے مسجد الحرام میں ان کو طمانچہ مارا گیا جس سے ان کی آنکھ متاثر ہوئی۔

خولہ کا تعلق طائف سے تھا، ان کی دلی تمنا تھی کہ جلد از جلد طائف پر اسلام کا اقتدار ہوجائے اور ثقیف والے بھی نور اسلام سے مستفید ہوں، یہاں تک کہ ایک مرتبہ رسولؐ سے درخواست کی کہ جب آپ طائف فتح کریں تو ایک عورت کا زیور مجھے عطا کریں، البتہ ان کی یہ درخواست اس لائق نہیں تھی کہ جس کو رسولِ مقبول قبول کرلیتے۔

ایک روز خولہ آشفتہ حالت میں عائشہ کے پاس آئی۔ اس کی حالت پر عائشہ کو تعجب ہوا اور اس سے اس آشفتگی کی وجہ معلوم کی۔ خولہ نے کہا:

ان کے شوہر عثمان عورت سے رغبت نہیں رکھتے۔ عائشہ نے یہ بات رسولؐ تک پہنچادی۔ رسولؐ نے دونوں پر ملامت کی۔

خولہ پر اس لئے ملامت کی کہ انہوں نے اس بات کو بھلا دیا کہ عورت کو اپنے شوہر کے حقائق کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے اور زنانہ سنگھار کرکے اور رائج لباس پہن کر شوہر کے دل میں جگہ پیدا کرنا چاہیے۔ اور عثمان پر اس لئے ملامت کی تھی وہ ہر وقت نماز، روزہ اور شب بیداری میں بسر کرتے تھے اور اپنی ازدواجی زندگی کو بھول گئے تھے۔

کہتے ہیں کہ خولہ نے اپنے شوہر عثمان کے انتقال کے بعد خود کو رسولؐ کو بخش دیا تھا، رسولؐ سے بے پناہ محبت رکھنے والی مسلمان عورتیں خود کو رسولؐ کو بخش دیتی تھیں۔[1]

---

[1] الاصابہ، کتاب النساء۔ خولہ

خویلہ

ایک جوان عورت تھی، ایک بدخلق بوڑھے سے شادی ہوئی تھی۔ ایک روز شوہر سے تو تو، میں میں کے نتیجہ میں اس کا شوہر اوس بن صامت اس سے غصہ ہوگیا اور کہا: "ظهرك كظهر امي" "تمہاری پشت میری ماں کی پشت جیسی ہے۔

اسلامی فقہ کی اصطلاح میں اس کو "ظہار" کہتے ہیں اور جو "ظہار" کرتا ہے اس پر اس کی بیوی حرام ہوجاتی ہے۔ مگر یہ کہ وہ کفارہ دے۔ اوس ظہار کرنے کے بعد گھر سے نکل گیا، ایک گھنٹہ کے بعد غصہ ٹھنڈا ہوگیا تو گھر لوٹے اور خویلہ کے قریب جانا چاہا، لیکن خویلہ الگ ہٹ گئی اور کہا:

میرے پاس آنے کا حق نہیں ہے مگر یہ کہ خدا اور اس کا رسولؐ ہمارے بارے میں اپنا حکم بیان کریں اور یہ معلوم ہوجائے کہ میں تمہاری زوجیت میں باقی ہوں۔

اس دفعہ خویلہ اور اوس کے درمیان شدید تکرار ہوئی۔ لیکن اوس بڑھاپے کی وجہ سے شکست کھا گئے اور خویلہ رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنے بوڑھے اور بدخلق شوہر کی شکایت کی۔

خویلہ، تمہارا چچازاد بوڑھا ہوگیا ہے، خدا سے ڈرو! اور اسے

دکھ نہ دو، اس وقت اس سلسلہ میں خدا کی طرف سے کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا کہ سورۂ مبارکۂ مجادلہ نازل ہوا اس میں خدا نے اس طرح ارشاد فرمایا:

"خدا نے اس عورت کی گفتگو سنی ہے کہ جس کو اپنے شوہر سے شکایت ہے جو لوگ ظہار کرتے ہیں ـــ انھیں معلوم ہونا چاہئے کہ ـــ بیوی ظہار سے ماں نہیں بن جاتی، ماں وہی ہے جس کے بطن سے پیدا ہوتا ہے۔ ظہار، جھوٹ اور ایک ناپسند فعل ہے... اور جو لوگ ظہار کرتے ہیں اور پھر شرمندہ ہوتے ہیں تو پہلی حالت کی طرف لوٹنے سے پہلے انھیں ایک غلام آزاد کرنا چاہئے اور اگر غلام دستیاب نہ ہو تو ساٹھ روزے رکھیں اور اگر روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ فقیروں کو کھانا کھلائیں..." (سورۂ مجادلہ/ ۱-۶)

اس طرح خدا نے بد خلق مردوں کو یہ سمجھا دیا کہ غصہ کی حالت میں انھیں یہ حق نہیں ہے کہ وہ بیویوں کو ماں بنا لیں اور اگر ایسا کریں گے تو ان کی بیوی ان پر حرام ہو جائے گی اور مذکورہ تین جرمانوں میں سے ایک کی ادائیگی کے بعد ہی حلال ہو گی۔ رسولؐ نے خویلہ سے فرمایا:

"اوس کو ایک غلام آزاد کرنا چاہئے"

"خدا کی قسم وہ نادار ہے غلام آزاد نہیں کر سکتا"

"تو ساٹھ روزے رکھے"

"خدا کی قسم وہ بوڑھا ہے روزے نہیں رکھ سکتا"

"تو ساٹھ ناداروں کو کھانا کھلائے"۔

"اس میں اس کی بھی طاقت نہیں ہے۔"

"کچھ خرمے سے میں اس کی مدد کر دوں گا۔"

ٹھیک ہے، یہ خرمے لے جاؤ اور اپنے شوہر کی طرف سے تصدق کر دو اور اس کے بعد اس کے ساتھ نباہ کرو، چونکہ خویلہ کے نام سے قرآن مجید کا ایک سورہ نازل ہوا تھا اس لئے مرتے دم تک وہ مسلمانوں کے درمیان معزز رہیں۔

خویلہ کی عمر کے آخری سال خلافت عمر کے زمانہ میں گذرے، کہتے ہیں: ایک روز عمر کی ان سے ملاقات ہو گئی تو کافی دیر تک کھڑے ہو کر ان سے گفتگو کی۔ بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو جواب دیا کہ اس کے بارے میں سورۂ مجادلہ نازل ہوا ہے، میں نماز کا وقت ہونے تک ان سے گفتگو کرنا چاہتا تھا۔

مناسب ہے کہ یہاں خویلہ کی باتیں بیان کر دی جائیں جو انہوں نے عمر سے کہی تھیں:

عمر نے کہا: "سلام"

"علیک السلام۔ جب تم بچے تھے اور بازار عکاظ میں بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے اور لوگ تمہیں "عویمر" کہہ رہے تھے، میں تمہیں اسی وقت سے جانتی ہوں۔ چند برسوں کے بعد تم بڑے ہو گئے اور لوگ تمہیں عمر کہنے لگے۔ مرور زمانہ کے ساتھ تمہیں "امیر المؤمنین" کہنے لگے، خدا سے ڈرو! اور ہر شخص کو خدا کے وعید سے ڈرنا چاہئے۔ جو دور ہے وہ اس سے نزدیک ہو جاتا ہے اور موت سے ڈرتا ہے وہ ثواب و نیکی کے چھوٹ جانے سے خوف زدہ ہے۔

یہ باتیں، عمر جیسے کٹھور و مغلوب الغضب انسان کے سامنے، اس صریح لہجہ میں ادا کی گئی تھیں کہ ان کے ایک ساتھی نے ان سے کہا:

کافی ہے، امیر المومنین کے سامنے زیادہ باتیں نہ بناؤ۔

لیکن عمر نے اس سے کہا:

"خولہ آزاد ہے یہ وہ ہے جس کی بات خدا نے سنی ہے

تو عمر کیوں نہ سنیں[1]۔"

---

[1] الاصابہ کتاب النساء حرف الی القسم الاول (خولہ) بعض لوگوں نے اس خاتون کا نام "خولہ" لکھا ہے۔ اسی طرح ان کے والد کا نام خالد اور بعض نے خویلد تحریر کیا ہے اور کتاب سطور مع نساء میں ان کے والد کا نام مالک بن ثعلبہ رقم ہے۔

خولہ

سید الشہداء حمزہ کی زوجہ

حمزہ اسلام کے عظیم شہید اور رسولؐ کے چچا ہیں، انھیں شیرِ خدا لقب ملا ہے۔ خولہ کو ان کی زوجہ بننے کا شرف و فخر حاصل ہوا اور اپنے شیر سے شوہر کے ساتھ ساتھ اسلامی مجاہدوں کے محاذ پر جانفشانی کی۔

خولہ کہتی ہیں: ایک روز رسولؐ ہمارے گھر آئے۔ میں کھانا تیار کر چکی تھی، سب نے کھایا پھر رسولؐ نے فرمایا:

"میں تمہیں بتاؤں کہ کونسے اعمال خطا و بدی کے آثار کو مٹا دیتے ہیں؟"

سب نے کہا: "ہاں! اے اللہ کے رسولؐ!"

"جلد وضو کرنا اور مسجد میں زیادہ جانا اور نماز پڑھنے کے بعد دوسری نماز کے وقت کا انتظار کرنا"

رسولؐ اپنے مہربان و شفیق اور وفادار چچا کے گھر اکثر آتے جاتے تھے اور جب بھی جاتے ان کی زوجہ خولہ آپؐ کا احترام کرتی اور محبت سے پیش آتی تھی۔

خولہ کہتی ہیں: میں نے حریرہ پکایا تھا۔ محمدؐ ہمارے گھر تشریف لائے اور حریرہ میں اپنی انگشت مبارک ڈال دی۔ حریرہ ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ انگلی نکال کر فرمایا:

"خولہ! نہ ہمیں دنیا کی گرمی برداشت ہے اور نہ ہی اس کی سردی"

خولہ نے اپنے شوہر حمزہ کی شہادت کے بعد نعمان بن عجلات سے عقد کرلیا۔

خولہ رسول صؐ کا بہت احترام کرتی تھیں، یہی وجہ ہے کہ آپؐ کی باتیں نقل کرنے میں بہت غور و فکر کرتی تھیں تاکہ کوئی چیز کم وزیاد نہ ہوجائے۔

ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہنے لگا:

ہوشیاری سے کام لو، رسولؐ سے حدیث نقل کرنا آسان کام نہیں ہے!

میں ایک کلمہ بھی رسولؐ کی طرف سے جھوٹ نقل کرنے پر تیار نہیں ہوں، میں نے خود رسولؐ سے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: دنیا شیریں اور ہری بھری ہے، جو اس کے حلال سے استفادہ کرے گا خدا اس کے لئے بابرکت قرار دے گا بہت سے لوگ مالِ خدا میں غوطہ ور ہیں[1]۔

---

[1] الدنیا حلوة من یاخذ منها ما یحل یبارك له فیه ورب مستخوض فی مال الله ۔ الاصابة کتاب النساء حرف الخاء ۔ القسم الاول ۔ خولہ

خیرہ

ابودرداء کی زوجہ

عقلمند، صاحبِ کمال اور سوجھ بوجھ والی عورت تھی اور عبادت و تقوے کو بہت زیادہ اہمیت دیتی تھی۔ عثمان کے عہد خلافت میں اپنے شوہر کے ساتھ شام میں زندگی بسر کرتی تھی اور وہیں انتقال کیا۔ ان کی آگہی اور دین شناسی کے بارے میں اتنا ہی کافی ہے کہ رسولؐ کی حدیثیں ان کے دل میں نقش تھیں، ہر مناسب موقعہ پر دوسروں کے سامنے نقل کرتی تھی۔

ان کے شوہر کے انتقال کے بعد بہت سے لوگوں نے ان سے نکاح کیلئے پیغام بھیجے، خواستگاروں میں سے ایک معاویہ بھی تھا۔ مرکزی خلافت کی طرف سے اسے شام پر پورا تسلط حاصل تھا۔ اس سے کسی بھی مسئلہ پر کوئی بازپرس نہیں کی جاتی تھی لیکن خیرہ نے سب کے پیغام ٹھکرا دیئے۔

لوگوں نے ان کے شوہر نہ کرنے کے بارے میں ایک داستان نقل کی ہے ممکن ہے سبق آموز ثابت ہو۔

ایک روز اس نے اپنے شوہر سے کہا: آپ نے میرے والدین سے میری خواستگاری کی اور اس دنیا میں انہوں نے مجھے تمہارے سپرد کر دیا۔ اب میں چاہتی ہوں کہ آخرت میں بھی ہم دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے

ایمان رکھتی ہوں۔ میں گواہی دیتی ہوں کہ میرے جد ابراہیمؑ، تیرے خلیل و برگزیدہ اور کعبہ کے بنیاد رکھنے والے ہیں۔ اس کے بانی کے اور بچہ کے واسطہ سے، جو کہ میرے شکم میں ہے میری مشکل آسان کر دے۔

تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ دیوارِ کعبہ شق ہوئی اور اس میں اتنا شگاف پڑ گیا کہ جس سے ایک انسان آسانی سے نکل سکے۔ فاطمہ بنت اسد نے خود کو خدا کی پناہ میں محسوس کیا۔ لہٰذا کعبہ کے اندر چلی گئیں اور شگاف بند ہو گیا۔ اس پر ان لوگوں کو بہت تعجب ہوا کہ جو وہاں بیٹھے تھے۔ انہوں نے اس خاتون کے حالات سے واقف ہونے کے لئے خانۂ کعبہ کا قفل کھولنے کی کوشش کی لیکن قفل نہ کھلا۔ انہوں نے سوچا کہ کوشش کرنا بے کار ہے۔ کیونکہ یہ سب کچھ خدا کے ارادہ سے ہوا ہے۔ لیکن وہ اس ماجرے کے نتیجہ کے منتظر رہے۔

چار روز گزر جانے کے بعد دیکھا کہ فاطمہ بنت اسد نوزاد بچہ کو گود میں لے کر کعبہ سے باہر نکلیں اور فرمایا:

"خدا نے مجھے پہلی عورتوں پر برتری عطا کی ہے۔ آسیہ بنتِ مزاحم ایک جگہ خفیہ طریقہ سے خدا کی عبادت کرتی تھیں جو صرف مجبوری ہی میں جائز ہے۔ مریم بنت عمران کے بطن سے خرمے کے سوکھے درخت کے نیچے بچہ پیدا ہوا، اور خدا کے لطف سے اسی سوکھے خرمہ کے درخت سے تر و تازہ رطب مریم کو میسر ہوئے۔ لیکن اس زمانہ میں، میں خانہ خدا میں خدا کی مہمان تھی اور میرے پاس بہشت سے میوے آتے تھے اور میں کھاتی تھیں۔ جب میں کعبہ سے نکلنے لگی تو میں نے ہاتف کی آواز سنی کہ اس بچہ کا نام "علی" رکھنا کہ عالی مقام ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ اس کا نام میں نے اپنے نام سے مشتق کیا ہے۔ اسے اپنے آداب سے آراستہ کیا ہے اور اسے اپنے پیچیدہ اسرار

ایک ساتھ رہیں۔

شوہر نے کہا، بہت اچھا، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ تم میرے بعد دوسرا شوہر نہیں کروگی۔ جب معاویہ نے کسی کو ان کی خواستگاری کے لئے بھیجا تو انہوں نے اسی عہد کو عذر کے عنوان سے پیش کیا اور اس طرح وفاداری اور عہد کے تحفظ کرنے کا سبق دیا۔

ایک شخص نے خیرہ سے کہا: کیا تمہیں رسول اللہ کی کوئی حدیث یاد ہے؟

کہا: ہاں! یاد ہے۔

ایک روز میں مسجد میں داخل ہوئی۔ وہاں رسولؐ تشریف فرما تھے۔ میں نے سنا کہ رسولؐ نے فرمایا: میزان عمل میں پسندیدہ اخلاق سے زیادہ گراں اور کوئی چیز نہیں ہے۔[1]

معاذ کہتے تھے: خیرہ کہتی تھی کہ ایک روز میں حمام سے واپس آرہی تھی کہ راستہ میں رسولؐ سے ملاقات ہوگئی، پوچھا:

کہاں سے آرہی ہو؟ حمام سے!

اگر عورت اپنی ماں یا شوہر کے گھر کے علاوہ دوسری جگہ لباس اتارتی ہے تو اس پردہ کو چاک کرتی ہے جو اس کے اور خدا کے درمیان ہے۔[2]

۱۔ ما یوضع فی المیزان أثقل من خلق حسن

۲۔ الاصابۃ کتاب النساء۔ حرف الخا القسم الاول

صفیہ

بنت عبد المطلب

آپ رسولؐ اسلام کی پھوپھی اور باکمال عورت ہیں، ظہورِ اسلام کے آغاز میں مسلمان ہوئیں۔ رسولؐ کے ہاتھ پر بیعت کی اور مدینہ ہجرت کی۔ زمانۂ جاہلیت میں حارث بن حرب بن امیہ اور پھر عوام کے عقد میں رہیں دوسرے عقد کا ثمرہ زبیرؓ سائب اور عبد الکعبہ ہیں۔

جنگ احد میں شریک تھیں۔ جب مسلمان پسپا ہو کر بھاگنے لگے تو آپ اٹھیں اور مسلمانوں کو غیرت دلانے کیلئے کہا:

رسولؐ کو کیوں تنہا چھوڑ دیا؟

رسولؐ نے زبیر سے فرمایا کہ اسے واپس لوٹا دو تاکہ اپنے بھائی حمزہ کی لاش کو نہ دیکھ سکیں۔ زبیر ان کے پاس آئے اور کہا: اماں! رسولؐ نے فرمایا ہے کہ واپس چلی جاؤ۔ پوچھا: کیوں؟! میں نے سنا ہے کہ میرے بھائی کو مثلہ کر دیا ہے۔ راہِ خدا میں یہ مصیبت آسان ہے۔ ہم اس پر راضی ہیں! انشاء اللہ میں صبر کروں گی۔

زبیر رسولؐ کی خدمت میں شرفیاب ہوئے اور صفیہ کی باتیں نقل کیں۔

رسولؐ نے فرمایا: انہیں کچھ نہ کہو۔

صفیہ حمزہ کی لاش پر آئیں۔ لاش دیکھی، نماز جنازہ پڑھی، پھر کلمۂ

استرجاع پڑھا اور بھائی کی مغفرت کیلئے دعا کی۔ اس کے بعد رسولؐ نے حمزہ کی لاش دفن کرنیکا حکم دیا۔

صفیہ جنگ خندق میں بھی آئی تھیں، جب بھی رسولؐ جنگ کیلئے جاتے تھے تو وہ رسولؐ کی ازواج اور عورتوں کی حسان بن ثابت کے گھر میں دیکھ بھال کرتی تھیں کیونکہ اس کی چار دیواریں ــ حصار ــ سب گھروں سے زیادہ مضبوط تھیں۔

جب یہودیوں کی پیمان شکنی کی وجہ سے بنی قریظہ اور مسلمانوں کے درمیان جنگ چل رہی تھی تو ایک یہودی حسان کے گھر کے آس پاس گھومتا ہوا دیکھا گیا۔ صفیہ نے حسان سے کہا:

"مسلمان جنگ میں مشغول ہیں وہ اس پناہ گاہ کی خبر گیری نہیں کر سکتے، خدا کی قسم مجھے اس یہودی کی طرف سے تشویش ہے۔ ممکن ہے کہ وہ یہودیوں کو ہمارے ٹھکانے کا پتہ بتا دے اور ہمارے لئے مشکلیں کھڑی ہو جائیں۔ رسولؐ اور ان کے اصحاب بھی جنگ میں سرگرم ہونے کی وجہ سے ہم سے بے خبر ہیں۔ جاؤ اس سرپھرے کو قتل کر دو۔"

حسان نے کہا: "مجھ سے یہ کام نہ ہو سکے گا۔"

صفیہ اس کا جواب سن کر اٹھیں، ایک چوب اٹھائی، پناہ گاہ سے نکلیں اور یہودی کو قتل کر دیا۔ واپس جا کر حسان سے کہا: جاؤ اس کا لباس اتار لو، چونکہ وہ مرد ہے اس لئے میں نے نہیں اتارا۔

حسان نے کہا: مجھے اس کے لباس کی ضرورت نہیں ہے۔

صفیہ جنگ خیبر میں شریک تھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ عمر نے اپنے عہد خلافت میں انھیں چھ ہزار درہم دیئے تھے۔ صفیہ زبردست شاعرہ تھیں، خصوصاً

اپنے عزیزوں کے غم میں بہت اچھے اشعار کہے ہیں۔ اپنے والد عبدالمطلب، بھائی حمزہ اور دوسرے بھائیوں کے دل سوز مرثیے کہے ہیں۔ رسولؐ نے وفات پائی تو کہا:

"آپؐ کے بعد جان لیوا حوادث رونما ہوئے۔ اگر آپؐ زندہ ہوتے تو یہ المناک حوادث رونما نہ ہوتے۔"

صفیہ نے عمر کے عہدِ خلافت میں ۲۰ھ میں ۷۳ سال کی عمر میں انتقال کیا عمر نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں سپرد خاک کی گئیں۔ بعض نے کہا ہے کہ ان کا انتقال عثمان کے عہد خلافت میں ہوا تھا۔

بے شک صفیہ شجاع اور شاعرہ تھیں، ان کی شجاعت کا ثبوت اس یہودی کا قتل کرنا ہے۔ جنگ کے بعد رسولؐ نے انھیں شمشیر زن مردوں کے برابر غنیمت عطا کی۔ تاریخ کے صفحات پر ان کا نام راہ خدا کے مجاہدوں کے ساتھ مرقوم ہے۔[۲]

۱۔ صفیہ جیسی محکم ایمان والی عورت سے بعید ہے کہ انہوں نے عمر کے بھیجے ہوئے درہم قبول کئے ہوں، لیکن اگر یہ بات صحیح ہے تو عمر صفیہ کا بہت احترام کرتے تھے۔

۲۔ سفینۃ البحار، مادہ صفی، سطور مع نساء مومنات

اروی

بنتِ عبد المطلب

یہ رسولؐ کی پھوپھی ہیں، عمیر بن وہب سے شادی ہوئی تھی، جس کا ثمرہ طلیب تھے۔ عمیر کے بعد کلاح کے نکاح میں آئیں۔ ان سے بھی ایک بیٹا پیدا ہوا۔ جب ان کے بیٹے طلیبؓ نے اسلام قبول کر لیا اور ان کی خدمت میں جا کر کہا: میں مسلمان ہو گیا ہوں اور محمدؐ کے راستہ کی پیروی کو انتخاب کیا ہے۔ آپ کے بھائی حمزہ بھی مسلمان ہو گئے ہیں۔ آپ کیوں مسلمان نہیں ہوتیں؟ تو کہا:

"میں یہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ میری بہنیں کیا طے کرتی ہیں"۔

طلیب نے کہا: میں آپ کو خدا کی قسم دیکر کہتا ہوں کہ آپ ان کی خدمت میں شرفیاب ہوں۔ انھیں سلام کریں اور ان پر ایمان لے آئیں۔

کہا: میں خدا کی وحدانیت اور محمدؐ کی نبوّت کی گواہی دیتی ہوں، اس کے بعد وہ ہمیشہ زبان سے رسولؐ کی مدد کرتی اور اپنے بیٹے کو آنحضرتؐ کی مدد کرنے کی ترغیب دلاتی تھیں۔

ایک روز ابوجہل اور بعض دوسرے لوگوں نے رسولؐ کی اہانت کی تو طلیب نے ابوجہل پر حملہ کر کے اسے زخمی کر دیا۔ ابوجہل کے ساتھیوں نے انھیں پکڑ لیا، ابولہب نے ان کی حمایت کی۔ جب اروی کو صورتحال کی خبر

ملی تو انہوں نے کہا :

اس کی زندگی کا بہترین دن آج ہی ہے کہ بھانجے کی حمایت کی ہے، لیکن ابولہب اروی کے پاس گیا اور انھیں برا بھلا کہا اروی نے کہا : اپنے بھتیجے کی حمایت کرو ، اگر کامیاب ہو گئے تو آن کی اطاعت میں تمہیں اختیار ہو گا اور ناکام ہوتے ہیں تو تم معذور ہو۔

ابولہب نے کہا : ہم سارے عرب سے نپٹ لیں گے لیکن وہ نیا دین لائے ہیں۔ اروی نے اپنے بیٹے کو تشویق دلانے کے لئے کچھ اشعار کہے ہیں ، اسی طرح رسولؐ کا غم انگیز مرثیہ کہا ہے ۔ آپ عالی مقام اور اسلام کے لحاظ سے کم نظیر تھیں[1]

---

[1] سطور مع نساء مومنات

درّہ

بنتِ ابولہب

آپ اپنے ناہنجار باپ کی مرضی کے خلاف مسلمان ہوگئیں اور مدینہ ہجرت کی۔ حارث بن نوفل سے شادی ہوئی تھی۔ عقبہ اور ولید وغیرہ ان کے بیٹے تھے۔ پہلے ان کا شوہر مسلمان ہوا۔ لیکن حالتِ کفر میں جنگ میں مارا گیا، اس کے بعد دحیۂ کلبی سے نکاح کر لیا۔

مدینہ ہجرت کرتے وقت لوگوں نے ان سے کہا: تم ابولہب کی بیٹی ہو اور اس کے بارے میں خدا فرماتا ہے: "تبت یدا ابی لهبٍ و تب" اس لئے تمہاری ہجرت صحیح نہیں ہے آپ اپنے چچازاد بھائی رسولؐ خدا کی خدمت میں آئیں اور آپ کو یہ واقعہ سنایا۔ آنحضرتؐ نماز ظہر پڑھانے کے بعد منبر پر تشریف لے گئے اور لوگوں کو ایسی بات کہنے سے منع کیا۔ حدیث میں وارد ہوا کہ آپؐ نے فرمایا:

"زندہ کو پہلے دنیا سے جانے والوں کے ذریعہ تکلیف نہ پہنچاؤ"

ایک شخص اٹھا اور اس نے عرض کی:

"اے اللہ کے رسول! مردوں میں سے کون بہتر ہے؟"

فرمایا:

"جو قرآن کی زیادہ تلاوت کرتا ہے، متقی ہو، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور صلۂ رحم کرتا ہو۔"

بنا برایں انسان کی شخصیت اس کی ماں، باپ سے وابستہ نہیں ہے۔ رسولؐ نے ان لوگوں پر ملامت کی ہے کہ جنہوں نے ابولہب کے شرک کو اس مومن عورت کی طرف منسوب کر دیا تھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ جسے تمام اسلامی گروہوں نے نقل کیا ہے ــــ آیا ہے کہ جس نے رسولؐ کے اہل بیت کو اذیت دی اس نے رسولؐ کو اذیت دی اور جس نے رسولؐ کو اذیت دی اس نے خدا کو ناراض کیا ہے۔[۱]

---

[۱] سطور نساء مومنات

امّ الحکیم

بنت زبیر بن عبدالمطلب

آپ رسولؐ کی چچا زاد اور ایک قول کے مطابق رضاعی — دودھ — بہن ہیں۔ مدینہ میں رسول ہمیشہ ان سے ملاقات کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ ربیع بن حارث بن عبدالمطلب سے شادی ہوئی تھی۔ عبدشمس، عبدالمطلب، اروی کبریٰ، محمد، عبداللہ، عباس، امیہ اور حارث ان کی اولاد ہیں۔

ایک جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ مال غنیمت آگیا تھا۔ وہ فاطمہ زہرا کے ساتھ رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپؐ سے کسی چیز کا مطالبہ کیا۔ فرمایا: جو کچھ تھا وہ ان عورتوں کو دیدیا گیا کہ جن کے شوہر جنگ بدر میں مارے گئے تھے۔ کوئی چیز باقی نہیں ہے۔ میں تمہیں ایک چیز بتاتا ہوں جو کہ اس سے بہتر ہے۔ ہر نماز کے بعد تسبیح پڑھا کرو۔

رسولؐ کا مقصد یہ تھا کہ کسی کا دل نہیں توڑنا چاہئے، پھر مالِ دنیا فانی اور زوال پذیر ہے۔ لیکن خدا کا ذکر اور اس کی تسبیح ایسا عمل ہے جو آخرت کے لئے ذخیرہ ہے۔ [1]

---

[1] سطور مع نساء مومنات

عاتکہ

بنت عبدالمطلب

رسولؐ کی چچا زاد بہن تھیں۔ ام سلمہ کا والد — ابوامیہ — ان کا شوہر تھا عبد اللہ و قریبہ ان کی اولاد ہیں۔ انھیں رسولؐ کے صحابہ میں شمار کیا گیا ہے، کیونکہ انہوں نے آنحضرتؐ کے بارے میں اشعار کے پیرایے میں آپؐ کی نبوت کا اعتراف کیا ہے۔ جنگ بدر ہوئی تو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ مکہ کے گھروں پر پتھراؤ ہوا ہے اور اس پتھراؤ سے کوئی گھر محفوظ نہیں بچا۔ اس خواب کی تعبیر واضح تھی، روشن فکر لوگوں نے یہ خواب سن کر پیشین گوئی کر دی تھی کہ مشرکین مکہ بڑے حادثے سے دوچار ہوں گے۔ لیکن ابوجہل کو غصہ آگیا اور اس نے کہا: بنی ہاشم کے مرد ہی نبوت کے دعویدار نہیں ہیں۔ رفتہ رفتہ ان کی عورتیں بھی نبوت کا دعوی کریں گی۔ اگر یہ خواب جھوٹا ثابت ہوا تو ہم سب جگہوں پر یہ اعلان کرادیں گے کہ اس خاندان کی بات کا یقین نہ کیا جائے۔

سرزمین بدر پر مشرکین کے ٹولے کو شکست فاش ہوئی تو اس خاتون کے خواب کی حقیقت واضح ہو گئی۔ ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ وہ مسلمان ہو گئیں اور مدینہ چلی گئیں۔[1]

---

[1] سطور مع نساء مومنات

وعلوم عطا کئے ہیں۔ یہی میرے گھر سے بتوں کا صفایا کرے گا، اس گھر میں اذان دے گا اس میں میری تقدیس و تمجید کرے گا۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اسے دوست رکھتے اور اس کی اطاعت کرتے ہیں اور بد بخت ہیں وہ لوگ جو اس سے دشمنی رکھتے اور اسکی مخالفت کرتے ہیں۔

ابو طالب کے گھر میں پیدا ہونے والے اس بچہ کا سرپرست ان کا بھتیجا محمدؐ ہے۔ یہ بات تمام خاندان والوں کے لئے باعث مسرّت ہے۔ لیکن پیغمبر اسلام سب سے زیادہ خوش تھے کیونکہ آپ کا یاور و مددگار اور جانشین پیدا ہوا تھا، لہٰذا عہد طفلی ہی سے آپؐ اسے زیر نظر رکھیں گے۔

رسول اکرمؐ نے فاطمہ بنت اسد سے فرمایا: بچہ کا گہوارہ میرے بستر کے قریب رکھ دیجئے۔ سب سے زیادہ رسولؐ اسلام بچہ پر توجہ رکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بچہ کی تربیت کی ذمہ داری آپؐ نے اپنے ذمہ لے لی تھی۔ اسے کھانا کھلاتے، اس کا گہوارہ ہلاتے اور کپڑے میں لپٹے رکھتے اور فرماتے تھے:

"یہ میرا بھائی، دوست، مددگار، میرا برگزیدہ، میری پناہ گاہ، میرا وصی، میری بیٹی کا شوہر، میری وصیت کا امین اور میرا جانشین ہے۔"

جب بھی آپ صحراء یا پہاڑوں کے دامن میں جاتے تو علیؑ کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے تھے، درحقیقت علیؑ ایک فرع کی مانند تھے جو کہ ہر وقت اپنی اصل سے متصل رہتی ہے اور ایسا سایہ تھے کہ جو سایہ والے کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔

امام حسنؑ و امام حسینؑ کو فواطم کی اولاد کہتے ہیں، کیونکہ خود ان کی والدہ ان کے والد کی والدہ، حضرت خدیجہ کی والدہ اور جناب عبداللہ کی والدہ سب کا نام فاطمہ تھا۔

امّ لقمان

بنت عقیل

جب اس ہمت والی خاتون نے اپنے چچا زاد بھائی امام حسینؑ کی شہادت کی خبر سنی تو چند دوسری عورتوں کے ساتھ گھر سے باہر نکلیں اور کہا۔ اگر تم سے رسولؐ دریافت کریں اور فرمائیں: تم تو آخری امت والے ہو میرے بعد میرے اہل بیت کے ساتھ کیا کیا ہے؟ ان میں سے بعض کو اسیر بنا لیا ہے، بعض کو قتل کر دیا ہے، میری ہدایت اور زحمتوں کی یہی جزا ہے[1] تو تم کیا جواب دو گے؟

شہادتِ حسینؑ کی خبر مدینہ میں پہنچی تو بنی ہاشم کی عورتوں میں کہرام بپا ہو گیا۔ حاکم مدینہ عمرو بن سعید نے ان کی آہ و زاری سن کر ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا کہ کل عثمان کے گھر سے نالہ و شیون کی آواز بلند ہوئی تھی آج بنی ہاشم کے گھروں سے بلند ہو رہی ہے۔[2]

---

[1] اشعار

ابن شہر آشوب نے مناقب میں ان اشعار کی زینب کبریٰ کی طرف نسبت دی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت زینبؑ نے خطبہ کے بعد کوفہ میں یہ اشعار پڑھے تھے، سبط بن جوزی نے ان اشعار کی بنت عقیل کی طرف نسبت دی ہے۔ [2] شعر

ام لقمان ایک دلیر و شجاع عورت تھی، انہوں نے مدینہ کی حکومت کی پروانہ کی اور کچھ دوسری عورتوں کے ساتھ امام حسینؑ کی مظلومیت و انقلاب کے بارے میں اشعار پڑھ کر گریہ کیا اور مدینہ والوں کو بیدار کیا اور انھیں بنی امیہ کی ظالم و جابر حکومت کے خلاف برانگیختہ کیا۔

ایک عورت کا اتنا بڑا قدم اٹھانا کوئی معمولی بات نہیں تھی، بنی امیہ کے کارندوں نے ایسا گھٹن کا ماحول بنا دیا تھا کہ مجاہد و شجاع مرد بھی خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔[۱]

---

[۱] سطور مع نساء مومنات

ام قاسم

بنتِ جعفر طیّارؓ

ان کے نمایاں کاموں میں سے ایک یہ ہے کہ جب ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا تو انہوں نے شریف لوگوں کو جمع کیا اور ان سے کہا:

"ممکن ہے میرے خاندان والے میرا نکاح ایسے آدمی سے کر دیں کہ جو مجھے پسند نہ ہو۔ آپ حضرات گواہ رہیں، اگر وہ میری مرضی کے خلاف، کسی سے میرا نکاح کریں گے تو میں اس پر حرام ہوں۔"

اس طرح انہوں نے دنیا بھر کی عورتوں کو یہ سبق دیا کہ عورت بے جان و بے زبان سامان نہیں ہے کہ جس کی بازار میں خرید و فروخت ہوتی ہے اور بیچنے والے اسے زیادہ سے زیادہ داموں پر فروخت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور خود انھیں اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہوتا ہے۔

اس زمانے میں ــ کہ جس میں عورتوں کی کوئی حیثیت نہیں تھی ــ ام قاسم نے اسلام کے دستور کی برکت سے بلا خوف اپنے استقلال کا دعویٰ کیا اور اپنے اس فطری و انسانی حق سے شائستہ طریقہ سے استفادہ کرنے کی کوشش کی اور اپنے اختیار سے پورا فائدہ اٹھایا۔[2]

---

[1] ممکن ہے کہ یہ فاطمہ بنت قاسم بن جعفر ہوں، کیونکہ انھیں بھی ام قاسم کہا جاتا تھا اور ہو سکتا ہے کہ یہاں انھیں ان کے جد اعلیٰ جعفر بن ابیطالب کی طرف نسبت دی گئی ہو۔ [2] سطور مع نساء مومنات

لبابہ

زوجۂ عباس بن عبدالمطلب

ایک قول کے مطابق وہ ہجرت سے قبل اور دوسرے قول کے لحاظ سے ہجرت کے بعد مسلمان ہوئیں۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ وہ خدیجہؓ کے بعد مسلمان ہوئیں۔ یہ وہ عورت ہے کہ جس نے معارفِ اسلام کو رسولؐ سے سیکھا تھا۔ ان کے بیٹے عبداللہ، سبوں اور ان کے غلام، حارث نے ان سے نقل کیا ہے:

رسولؐ نے انھیں اور ان کی تین بہنوں — میمونہ، اسماء اور سلمی — کو مومنہ اور شائستہ قرار دیا ہے۔ میمونہ رسولؐ کی زوجہ اور ام المومنین ہیں، اسماء وسلمی ان کی مادری بہنیں ہیں۔

انھوں نے رسولؐ کی خدمت میں عرض کی: "میں نے خواب دیکھا ہے کہ آپؐ کے بدن کا ایک ٹکڑا میرے گھر میں ہے۔"

فرمایا: "میری بیٹی فاطمہؑ کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوگا جسے تم دودھ پلاؤ گی۔" یہ بچہ حسینؑ تھے۔ شیرخوارگی کے زمانہ میں رسولؐ کا لباس تر کر دیا۔ لبابہ نے اس طرح آنحضرتؐ کی گود سے لیا کہ بچہ رونے لگا، رسولؐ نے فرمایا: "تم نے مجھے اذیت دی ہے۔" پانی طلب کیا اور لباس دھویا۔

کہتے ہیں کہ لبابہ کی والدہ، بوڑھی عورت تھی، ان کے داماد نامور تھے.

کیونکہ ایک داماد رسولؐ تھے دوسرے داماد عباس تھے۔ تیسرے داماد، سلمیٰ کے شوہر جناب حمزہ تھے اور چوتھے داماد، اسماء کے شوہر جعفر بن ابی طالب تھے۔

وہ ایسی شریف عورت تھی کہ رسولؐ ان سے ملاقات کے لئے جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ عرفہ کے دن لوگ یہ جاننا چاہتے تھے کہ رسولؐ روزہ سے ہیں یا نہیں؟ انہوں نے رسولؐ کی خدمت میں شربت بھیجا اور آپؐ نے نوش فرمالیا۔ لوگ سمجھ گئے کہ روزہ سے نہیں ہیں۔ عثمان کے عہدِ خلافت میں اپنے شوہر عباس سے پہلے انتقال کیا۔ یہ سید الشہداء امام حسینؑ کی رضاعی ماں ہیں۔[1]

---

[1] سطور مع نساء مومنات

نفیسہ

بنتِ حسن بن زید

ان کے جد امام حسن مجتبیٰ ہیں۔ عبادت گذار اور زہد و ورع والی عورت تھی ۱۴۵ھ میں مکہ میں ولادت پائی۔ اپنے شوہر اسحاق بن امام جعفر صادقؑ کے ہمراہ مصر گئیں بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اپنے والد کے ساتھ۔ جو کہ منصور کی طرف سے مصر میں حکومتی عہدہ پر مامور تھے۔ مصر گئی تھیں۔ پانچ سال تک مصر میں رہیں۔ اس کے بعد منصور ان کے والد سے ناراض ہو گیا اور انھیں بغداد کے قید خانہ میں ڈال دیا اور منصور کی زندگی میں اس سے رہا نہ ہو سکے، منصور کے انتقال کے بعد مہدی نے انھیں آزاد کر دیا اور ان کو محترم سمجھتا رہا۔

نفیسہ حافظ و مفسر قرآن تھیں، کہتے ہیں: جس زمانہ میں شافعی نے مصر جاکر ان سے حدیثیں سنی تھیں، آپ خوفِ خدا میں بہت زیادہ روتی تھیں، دنوں کو روزہ رکھتیں اور راتوں کو عبادت میں بسر کرتی تھیں۔

رات، دن میں ایک مرتبہ کھانا کھاتی تھیں، شوہر کے بغیر کھانا نہیں کھاتی تھیں۔ تیس ۳۰ حج کئے اور وہاں بہت گریہ کیا، خانہ کعبہ سے لپٹ کر کہا: اے میرے اللہ! و مولا، مجھ سے راضی ہو جا اور مجھے شاد کر دے۔ زینب بنتِ یحییٰ متوج کہتی ہے:

میں نے چالیس سال ان کی خدمت کی ہے ۔ وہ ہرگز رات میں نہیں سوتی تھیں ۔

میں نے ان سے کہا : اپنے اوپر رحم کیوں نہیں کرتی ؟ کیسے اپنے اوپر رحم کروں جبکہ اتنے حوادث سے گذرنا ہے کہ جن سے رستگار ہی نجات پا سکتے ہیں ؟ !

بشر حافی ہمیشہ ان کی زیارت کے لئے جاتے تھے ۔ بشر بیمار ہو گئے ، تو نفیسہ انکی عیادت کیلئے گئیں ، ابھی نفیسہ وہاں سے نہیں اٹھی تھیں کہ احمد بن حنبل بھی ان کی عیادت کیلئے وہاں پہنچ گئے ۔ بشر سے پوچھا : یہ مسمات کون ہیں ؟ کہا : یہ نفیسہ ہیں ۔ ابن حنبل نے کہا : ان سے کہئے کہ ہمارے لئے دعا کریں ۔ نفیسہ نے کہا : اے اللہ ! بشر و احمد تیری پناہ چاہتے ہیں ، اے ارحم الراحمین ، انھیں اپنے پناہ میں رکھ ۔

نفیسہ مال دار عورت تھی ، بیماروں کا بہت خیال رکھتی تھیں یہاں تک جب شافعی مصر گئے تو انھیں بھی نوازا ۔ جب مصر کی حکومت ابن طولون کے ہاتھ میں آئی اور اس نے ظلم کا آغاز کیا تو لوگوں نے نفیسہ سے اس کی شکایت کی ۔ پوچھا : وہ کب سوار ہوگا ؟ بتایا : کل ، نفیسہ نے ایک خط لکھا اور جس راستہ سے وہ جانے والا تھا اس پر کھڑی ہو گئیں ، جب احمد بن طولون وہاں پہنچا تو اسے روک کر خط دیا ۔ اس نے خط لیا سواری سے اتر کر خط پڑھا ، لکھا تھا :

حکومت کرتے ہو ، اپنی طاقت سے غلط فائدہ اٹھاتے ہو ، لوگوں کو قید کرتے اور ان کے حقوق کو پامال کرتے ہو جبکہ تم جانتے ہو کہ بھوکے اور برہنہ مظلوموں کی سحر کے وقت کی آہوں کا تیر خطا نہیں کرتا ہے ، جو چاہو کرو ہم صبر کریں گے اور تمہارے ظلم کی خدا کی بارگاہ میں شکایت کریں گے ۔ عنقریب ظالم اپنے برے نتیجہ سے آگاہ ہو جائیں گے ۔ احمد یہ خط پڑھ کر ظلم سے دست کشی

ہوگیا اور عدل وانصاف سے کام لینے گا۔

مصر میں سات سال رہنے کے بعد بیمار ہوگئی۔ شوہر کو خط لکھا، رہائش والے گھر میں خود اپنی قبر کھودی اور تاحیات اس میں جا کر خدا سے راز ونیاز کرتی رہیں، ایک سو نو مرتبہ قبر میں قرآن ختم کیا۔ جب بھی قبر میں داخل ہوتی تو آپ پر شدید رقت طاری ہو جاتی تھی۔ سنہ ۲۰۸ھ میں روزے کی حالت میں بستر مرگ پر آئی لوگوں نے روزہ توڑنے پر اصرار کیا تو کہا:

تعجب ہے! میں تیس سال سے بارگاہِ خداوند عالم میں یہ دعا کر رہی تھی کہ میں خدا سے روزہ کی حالت میں ملاقات کروں۔ اب میں افطار کر لوں؟

اس کے بعد سورۂ انعام کی تلاوت شروع کی رات کی تاریکی میں جب آیہ

لهم دار السلام عندی لهم وهو ولیهم بما کانوا یعلمون

پر پہنچی تو بے ہوش ہوگئی، ہوش آیا تو زبان پر شہادتین جاری کیا، اس کے بعد روح پرواز کر گئی۔ اسی دن ان کے شوہر مصر پہنچے تھے وہ جنازہ کو مدینہ لے جانا چاہتے تھے لیکن اس کی ممانعت کر دی گئی اور بہت زیادہ اصرار کے بعد انھیں اسی گھر میں سپردِ خاک کیا گیا۔ اہل مصر اس خاتون سے بہت زیادہ عقیدت رکھتے ہیں اور کہتے ہیں: ان کی قبر پر دعا مستجاب ہوتی ہے۔[1]

---

[1] سطور مع نساء مومنات

امّ ایمن

رسول اکرمؐ کی دائی

یہ رسولؐ کی دائی تھیں، رسولؐ انھیں ماں کہتے تھے۔ کنیزی سے آزاد ہوئی تھیں۔ عبید بن زید سے شادی ہوئی اور ایمن پیدا ہو۔ اسی لئے انھیں ام ایمن کہتے ہیں، ان کا اصلی نام برکہ بنتِ ثعلبہ تھا۔

جنگ خیبر میں شوہر شہید ہوگئے تو رسولؐ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ نے ان سے نکاح کرلیا، دوسرے عقد کا ثمرہ اسامہ ہیں۔ تاریخ اسلام میں ان کا کردار حساس اور سبق آموز ہے۔

جب ان کے پہلے شوہر نے شہادت پائی تو رسولؐ نے فرمایا: جو شخص جنتی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ وہ ام ایمن سے عقد کرلے۔ رسولؐ کی اسی تشویق پر زید بن حارثہ نے ان سے نکاح کرلیا اور اپنے ساتھیوں پر سبقت لے گئے اور عظیم سعادت حاصل کرلی۔

رسولؐ کی وفات کے بعد عمر و ابوبکر انھیں دیکھنے کیلئے، ان کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں، رونے کا سبب معلوم کیا، کہا: رسولؐ کی وفات کے بعد آسمانی وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ یہ کہکر اور زیادہ رونے لگیں۔ ابوبکر و عمر بھی رونے لگے!

ام ایمن جنگ احد و جنگ خیبر میں شریک ہوئیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کی اور سپاہیوں کو پانی پلایا۔ عثمان کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔

ام ایمن کی دلاوری اور شجاعت کا ثبوت یہ ہے کہ جب فاطمہ زہراؑ نے اپنے اثبات حق کیلئے مسجد میں جا کر اپنے آتشیں خطبہ سے فدک غصب کرنے والوں کی مذمت کی تھی تو ام ایمن آپؑ کے ہمراہ تھیں اور اس نئی حکومت سے خوف نہیں کھایا تھا کہ جس نے اسلام کی ڈگر بدل دی تھی، رسولؐ کے داماد و چچا زاد بھائی کی جانشینی و قیادت سے چشم پوشی کر لی تھی۔[1]

---

[1] سطور مع نساء مومنات

حضرت علیؑ کی والدہ جناب فاطمہ بنت اسد اپنے شوہر، ابو طالب کے انتقال کے بعد بھی کچھ عرصہ زندہ رہیں اور مدینہ ہجرت کے بعد وفات پائی، رسول پر ایمان لانے والوں میں آپ کا گیارہواں نمبر تھا۔

ان کے انتقال پر رسولؐ اور علیؑ دونوں نے گریہ کیا وہ صرف علیؑ ہی کی ماں نہیں تھیں بلکہ اپنے تمام بیٹوں سے زیادہ رسولؐ سے محبت کرتی تھیں۔

علیؑ روتے ہوئے رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زبان پر کلمۂ "استرجاع" جاری کیا۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ عرض کی: میری والدہ دنیا سے اٹھ گئیں خدا ان پر رحم کرے، وہ صرف تمہاری ہی والدہ نہیں تھیں، میری بھی ماں تھیں۔ انھیں میرے عمامہ اور پیراہن کا کفن دو، عورتوں سے کہو کہ اچھی طرح غسل دیں اور میرے آنے تک جنازہ نہ اٹھانا۔

ایک گھنٹہ بعد رسولؐ تشریف لائے۔ فاطمہ بنت اسد کا جنازہ اٹھایا گیا۔ رسولؐ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ایسی نماز جنازہ آپؐ نے کسی کی نہیں پڑھائی تھی۔ چالیس تکبیریں کہیں، پھر قبر میں اترے، اس میں لیٹے، اس کے بعد علیؑ اور حسنؑ کو قبر میں داخل ہونے کا حکم دیا، تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ: نکل آؤ۔ اب فاطمہ بنت اسد کو ان کی ابدی خوابگاہ میں لٹانے کا وقت آگیا ہے کہ یہی سب کا مقدر ہے، اور اس کے بارے میں بہت کم لوگ سوچتے اور اس کے لئے توشہ بھیجتے ہیں۔ اس کا توشہ صرف نیک اعمال ہیں اور حسنات کے علاوہ کوئی سرمایہ نہیں ہے۔

فاطمہ بنت اسد کا جنازہ قبر کے نزدیک لایا گیا۔ رسولؐ نے ان کے سر کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا: اے فاطمہ! میں آدمیوں کا سردار ہوں اور فخر نہیں کرتا ہوں اگر سوال کرنے کے لئے فرشتے آئیں اور آپ سے سوال کریں کہ تمہارا پروردگار کون ہے؟

امّ البنین

مادر ابو الفضلؑ

نام فاطمہ، حزام بن خالد کی بیٹی اور علیؑ کی زوجہ ہیں۔ علیؑ نے اپنے بھائی عقیل۔ جو تمام عرب کے خاندانوں سے واقف تھے ــــ سے کہا: میرے لئے عرب کے دلاور اور شریف خاندان کی لڑکی تلاش کیجئے کہ جس سے شجاع درشید بیٹا پیدا ہو۔

عقیل نے کہا: فاطمہ بنت حزام کیسی ہیں؟ عرب میں ان کے آباء واجداد سے زیادہ شجاع نہیں ہیں۔ عرب کے عظیم شاعر لبید نے انھیں کے بارے میں حیرہ کے بادشاہ نعمان بن منذر سے کہا تھا:

ہم اس ماں کے چار بہادر بیٹوں کی اولاد ہیں جو کہ جنگ کے میدانوں میں اپنے مدمقابل کو موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔ اور مہمانوں کا بہت احترام کرتے تھے ہم عامر بن صعصعہ کے قبیلہ سے بلند وتر ہیں۔

مختصر یہ کہ جناب ام البنین والد کی طرف سے بھی اور والدہ ــــ ثمامہ بنت سہیل بن عامر ــــ کی طرف سے بھی نجیب و اصیل تھیں فاطمہ زہراؑ کی وفات کے بعد، حضرت علیؑ کے حبالۂ نکاح میں آئیں۔ ام البنین نے حضرت علیؑ کے علاوہ کسی دوسرے سے شادی نہیں کی۔

علم وفضل والی عورت تھی۔ اہل بیت کی عظمت کا عرفان رکھتی تھیں، انھیں دل سے

چاہتی تھیں۔ حضرت علیؑ کے گھر آئیں تو اس وقت امام حسنؑ و امام حسینؑ بیمار تھے۔ آپ نے ایک شفیق ماں کی مانند ان کی تیمار داری کی اور راتوں کو ان کے پاس بیدار رہ کر گذار دیا۔

آپ سے چار بیٹے عباس، جنہیں قمر بنی ہاشم کہا جاتا تھا، عبداللہ، جعفر، اور عثمان ہیں ــــ رسولؐ کے فداکار صحابی عثمان بن مظعون کے ہمنام تھے ــــ ان چاروں بیٹوں کی وجہ سے آپ کو ام البنین کہا جاتا تھا۔

ان کی استقامت کے بارے میں اتنا ہی کافی ہے کہ جب انھیں یہ بتایا گیا کہ چاروں بیٹے کربلا میں شہید ہو گئے، تو انہوں نے کہا: پہلے مجھے حسینؑ کے بارے میں خبر دو۔ ناقل نے انھیں ان کے بیٹوں کی شہادت کی خبر ترتیب وار سنائی، یہاں تک کہ نامِ عباس لیا تو خبر سنانے والے سے کہا: میرے دل کے ٹکڑے کر دیئے۔ میرے چار بیٹے تھے، میں نے سب کو حسینؑ پر فدا کر دیا۔" ان کی دلی تمنا تھی کہ کاش ان کے چاروں بیٹے قربان ہو جاتے اور حسینؑ بچ جاتے۔ حسینؑ سے ان کی یہ محبت ان کے خلوص، ایمان اور راسخ عقیدہ کا ثبوت ہے۔

اس دردناک حادثہ کے بعد مجلس عزا برپا کی، جس میں بنی ہاشم کی تمام عورتوں نے شرکت کی اور شہداء کربلا کا غم منایا گیا۔ ام سلمہ نے روتے ہوئے کہا: خدا ان ــــ بنی امیہ ــــ کی قبروں کو آگ سے بھر دے، انہوں نے کتنا بڑا ظلم کیا ہے؟

ام البنین نے اپنے شہید ہونے والے بیٹوں کا دلسوز مرثیہ کہا ہے۔ حضرت عباسؑ کے بچہ عبیداللہ کو گود میں لے کر ہر روز بقیع جاتی تھیں اور وہاں گریہ وزاری کرتی تھیں۔ اہل مدینہ بھی ان کے پاس جمع ہو جاتے اور نالہ و شیون

میں حصہ لیتے تھے، ایک دفعہ مروان بن حکم بھی وہاں موجود تھا۔ ام البنین نے کہا:

"جس نے عباس کو دشمن کی فوج پر حملہ کرتے ہوئے دیکھا ہے
اور حیدر کے بیٹے شیر دلوں کی طرح ان کے پیچھے تھے۔ میں نے سنا ہے
کہ میرے بیٹے کے سر پر ضربت لگی اور ان کے بازو قلم کر دیئے
گئے۔ ہائے افسوس! میرا بیٹا اس ضربت کی وجہ سے گرا!
عباس! اگر تمہارے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو کسی میں تمہارے نزدیک
آنے کی ہمت نہ ہوتی۔"

نیز کہا:

"اب مجھے ام البنین نہ کہو! کیونکہ اس سے مجھے میرے شیر سے
بچے یاد آتے ہیں۔ مجھے ان بیٹوں کی وجہ سے ام البنین کہا جاتا تھا،
لیکن آج میں انھیں کھو چکی ہوں۔
میرے چار بیٹے شکاری شاہین کی مانند تھے جو تیغ ستم
سے جاں بحق ہوئے۔ دشمن کے اسلحوں سے ان کا بدن پارہ پارہ
ہوا اور وہ اپنے خون میں نہائے۔ کاش میں جانتی! کیا
لوگوں کے کہنے کے مطابق میرا عباس شہ رگ کٹنے سے شہید
ہوا ہے؟

باخلاص، فداکار اور فضیلتوں والی عورتوں کے درمیان یہ ایک نمونہ ہیں۔[۲]

---

[۱] منذر خسرو پرویز ساسانی کا معاصر اور اسی کا ہتھکنڈہ تھا، خسرو اس کی لڑکی پر عاشق ہوگیا چونکہ منذر نے شاہ کا معشوق سے وصال نہ ہونے دیا اور اس کے پیغام کو رد کر دیا اس لیے تیسفون کے دربار میں طلب کیا گیا اور ہاتھیوں سے کچل دیا گیا۔

[۲] سطور مع نساء مومنات

خولہ

محمدؐ بن حنفیہ کی والدہ

رسولؐ کی وفات کے بعد ایک سازش کے تحت ابوبکر مسندِ خلافت پر متمکن ہوگیا۔ خلیفہ نے خالد بن ولید کو حکم دیا کہ قبیلۂ حنفی کے پاس جاؤ اور ان سے زکواۃ وصول کرو۔ قبیلے کے لوگوں نے خالد سے کہا:

رسولؐ سال میں ایک بار کسی کو بھیجتے تھے جو مالداروں سے زکواۃ وصول کرتا اور ناداروں میں تقسیم کرتا تھا تم بھی ایسا ہی کرو۔ خالد واپس مدینہ لوٹ گیا اور رپورٹ دی کہ قبیلۂ حنفی نے زکواۃ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ ابوبکر نے خالد کے ساتھ کچھ فوج بھیجدی تاکہ زکواۃ وصول کریں۔ خالد — جو کہ اب جنگی ساز و سامان کے ساتھ ان کے پاس آیا تھا — نے اس قبیلہ کے سردار کو قتل کر دیا اور اسی رات میں مقتول کی بیوی سے زنا کیا اور باقی عورتوں کو اسیر کر کے مدینہ لایا۔ قبیلہ کا جو سردار مارا گیا تھا اس سے زمانہ جاہلیت میں عمر بن خطاب کی دوستی تھی۔ بنابریں عمر نے ابوبکر سے کہا: پہلے تو خالد پر — زناکاری کی سزا میں — حد جاری کیجئے اور پھر اسے قتل کیجئے۔ ابوبکر نے کہا خالد ہمارا طرفدار ہے، اسے کیسے قتل کر دوں؟! اس گفتگو کے بعد اسیر عورتوں کو مسجد میں لایا گیا۔ ان ہی اسیر عورتوں میں سے ایک حضرت علیؑ کی بیوی اور محمد بن حنفیہ کی والدہ

خولہ ہیں۔ یہ نمونہ اور روشن ضمیر عورت رسولؐ کی قبر پر آئیں اور اس طرح فریاد کی:

اے اللہ کے رسولؐ! میں اس عظیم گروہ کی آپ سے شکایت کرتی ہوں، ہم مسلمان ہیں، انہوں نے بغیر جرم کے ہمیں اسیر کیا ہے۔ اس کے بعد لوگوں کو مخاطب کرکے کہا: لوگو! تم نے ہمیں کیوں قتل کیا ہے؟! ہم خدا کی وحدانیت اور اس کے رسولؐ کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں!

ابوبکر نے کہا: تم نے زکواۃ دینے سے انکار کیا تھا۔ خولہ نے کہا: غلط اول تو ہم نے زکوٰۃ دینے سے انکار نہیں کیا تھا اور بالفرض اگر ہمارے مردوں نے انکار کیا تھا تو ہم عورتوں کا قصور کیا ہے؟

یہ صورت دیکھ کر طلحہ اور خالد بن عنان نے ان سے اپنے پیغام دیئے لیکن انہوں نے ٹھکرا دیئے اور حضرت علیؑ کی زوجیت میں آنے کو قبول کر لیا۔ اس کے بعد حضرت علیؑ نے انھیں اسماء بنت عمیس کے گھر بھیج دیا۔ وہاں نکاح وشادی کی رسم نہایت سادگی سے انجام پائی۔ خولہ شوہر کے گھر چلی گئیں۔ محمد بن حنفیہ اس مبارک شادی کا ثمرہ ہیں۔

محمدؒ اپنے والد اور بھائی حسنؑ وحسینؑ کے احترام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے۔ جنگ جمل وصفین میں شریک ہوئے۔ والد کی شہادت کے بعد خلوص کے ساتھ امام حسنؑ کی طرفداری اور مدد کی۔ بیمار ہونے کی وجہ سے کربلا نہیں آسکے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ ان کا ایک ہاتھ شل ہو گیا تھا۔ علیؑ فرماتے تھے: جو میرے ساتھ نیکی کرنا چاہتا ہے وہ میرے بیٹے محمد بن حنفیہ کے ساتھ نیکی کرے۔[1]

---

[1] سطور مع نساء مومنات

رُباب

زوجۂ امام حسینؑ

امرء القیس کی بیٹی، عرب کی عظیم شاعرہ اور امام حسینؑ کی شریک حیات ہیں۔ آپ سے دو بچے — سکینہ اور علی اصغر (جنھیں عبداللہ بھی کہتے ہیں) — پیدا ہوئے۔ جناب علی اصغر شیرخوارگی کے زمانہ میں عاشور کے دن اپنی ماں کے سامنے شہید ہوئے۔ واقعۂ کربلا کے بعد اسیری کی حالت میں شام کی طرف روانہ ہوئیں اور پھر اہل بیت کے ساتھ مدینہ واپس آئیں۔

واقعۂ کربلا کے بعد کبھی سایہ میں نہ بیٹھیں۔ اپنے شوہر گرامی اور بیٹے کے غم میں گھلتی رہیں، نحیف و لاغر ہوگئیں۔ مختصر یہ کہ دنیا سے سدھاریں۔ بعض اشخاص نے لکھا ہے کہ رباب نے ایک سال تک قبرِ حسین پر عزاداری کی اور اس کے بعد مدینہ واپس ہوئیں۔

جناب رباب اپنے زمانہ کی شائستہ ترین عورت تھیں۔ واقعہ کربلا کے ایک سال بعد انتقال کیا۔ ان کے والد، عہدِ عمر بن خطاب میں مسیحیت چھوڑ کر مسلمان ہوئے، اصلی وطن شام تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد ایک نماز بھی نہیں پڑھ پائے تھے کہ عمر نے انھیں قبیلۂ "قضاعہ" کا حاکم مقرر کر دیا۔

کچھ دنوں کے بعد حضرت علیؑ نے اپنے فرزند حسینؑ کیلئے ان کی بیٹی کی خواستگاری

کی اور شادی کی رسم ادا ہو گئی۔

رباب نے اپنے شوہر کے لئے کہا تھا: "جس سے لوگوں کی زندگی کو روشنی ملتی تھی وہ کربلا میں شہید کر دیا گیا۔ اے رسولؐ کے دلبر! خدا آپ کو جزاءِ خیر دے اور ہر ناخوشگوار چیز سے آپؑ کو محفوظ رکھے! آپؑ ایک پہاڑ کی مانند تھے کہ جس نے مجھے اپنے دامن میں پناہ دی اور ہمیشہ لطف و محبت سے پیش آئے۔

آپ یتیموں، حاجت مندوں اور درماندہ لوگوں کے فریاد رس تھے۔ خدا کی قسم آپ کے بعد میں کسی سے رشتہ نہ کروں گی اور اسی حالت میں زمین کا پیوند بن جاؤں گی۔[1]"

شام میں حسینؑ کا سر اٹھایا، گود میں لیا اور کہا: "اے دشمن کے نیزوں کی چھاؤں میں شہید ہونے والے حسینؑ! میں ہرگز آپؑ کو فراموش نہیں کروں گی۔ دشمنوں نے آپؑ کو کربلا میں قتل کیا ہے۔ خدا کربلا کو سیراب نہ کرے۔[2]"

---

[1] ہم نے یہ واقعات "تذکرۃ الخواص" سے نقل کئے ہیں۔ لیکن تاریخ کی بعض کتابوں میں مرقوم ہے کہ کوفہ میں سر حسینؑ اٹھایا اور دو شعر پڑھے۔

[2] سطور مع نساء مومنات

نسیبہ

یہ کعب بن عمرو کی بیٹی، زید بن عاصم کی زوجہ اور عبد اللہ و حبیب کی ماں ہیں۔ تاریخ اسلام میں اس عظیم عورت کا ذکر بہت زیادہ ہوا ہے۔ بیعت عقبہ و رضوان میں شریک تھیں اپنے شوہر اور بیٹے کے ساتھ جنگ احد میں شریک ہوئیں۔ یمامہ میں جب مسیلمہ نے نبوت کا دعوا کیا۔ اس عورت نے اپنے بیٹے کی معیت میں اسلامی فوج کے شانہ بشانہ اس سے جنگ کی۔ اسی جنگ میں ان کے بیٹے مارے گئے تھے اور خود نے بھی بارہ[۱۲] زخم کھائے تھے۔

رسول صؐ سے چند حدیثیں بھی نقل کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے:
جب بھی روزہ دار کے سامنے کوئی چیز کھائی جاتی ہے تو فرشتے اس روزہ دار پر درود بھیجتے ہیں۔

اس کے علاوہ حدیبیہ، خیبر، فتح مکہ اور جنگ حنین میں بھی شریک ہو چکی تھیں۔ بیعت عقبہ میں مرد پیمانِ اطاعت کے عنوان سے اپنا ہاتھ رسول صؐ خدا کے ہاتھ پر رکھتے تھے۔ نسیبہ کہتی ہیں اس رات میں رسول صؐ نے میری اور ایک دوسری عورت کی بیعت بھی قبول کی تھی لیکن فرمایا تھا: میں عورتوں کے ہاتھ پر ہاتھ نہیں رکھوں گا۔

نسیبہ جنگ احد کی سرگذشت کو اس طرح بیان کرتی ہیں: جب تک

مسلمانوں نے شکست نہیں کھائی تھی، میں ان کے لئے پانی لاتی تھی، لیکن شکست ہوتے ہی میں نے شمشیر اور تیر و کمان اٹھائی اور رسول ؐ سے دفاع کرنے لگی یہاں تک کہ زخمی ہوگئی۔ جنگ احد میں انہوں نے جو زخم کھائے تھے ان کے نشان ان کے بازو پر باقی تھے۔ اس دن مشرکین کے ایک سپاہی کو قتل کیا تو رسول ؐ نے فرمایا: جنگ احد میں، میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا، میں نے دیکھا کہ نسیبہ جنگ میں مشغول ہے اور مجھ سے دفاع کر رہی ہے۔[1]

---

[1] سطور مع نساء مومنات

فضہ

کنیزِ فاطمہ زہراءؑ

فضہ جناب فاطمہؑ کی کنیز تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ہندوستان کی شہزادی تھیں۔ مفسرین نے سورۂ "ھل اتیٰ" کی آیۂ "یوفون بالنذر..." کے شان نزول کے بارے میں لکھا ہے کہ امام حسنؑ و امام حسینؑ ایک مرتبہ بیمار ہوئے، رسولؐ نے ان کی عیادت کی۔

حضرت علیؑ نے نذر کی کہ اگر بچوں کو شفا ہو جائے گی تو اس کے شکرانہ میں تین روزے رکھیں گے۔ فاطمہ زہراؑ اور فضہ نے بھی یہی نذر کی۔ بچے شفایاب ہوئے تو نذر وفا کرنے کیلئے سب نے روزہ رکھا۔ افطار کا وقت ہوا تو ایک مسکین آیا اور کہا کہ میری مدد کیجیے، انھوں نے اپنا کھانا اسے دیدیا۔ تینوں روزوں کے افطار کے وقت ایسا ہی ہوا۔ ان کی شان میں مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

رسولؐ کی بیٹی کے گھر میں یہ کنیز گھر کی ایک فرد کے عنوان سے زندگی گذارتی تھیں اور سب ان کا احترام کرتے تھے۔ کوئی بھی انھیں کنیز نہیں سمجھتا تھا اور نہ خدمت گذار خیال کرتا تھا۔ گھر کے امور حق و انصاف کے ساتھ فاطمہؑ اور فضہ کے درمیان منقسم تھے۔ رسولؐ نے انھیں ایک دعا تعلیم کی تھی، جسے وہ پڑھتی تھیں۔ فاطمہؑ نے ان سے فرمایا: آٹا گوندھو گی یا روٹی پکاؤ گی؟

تو کہدینا میرا خدا یکتا ہے، محمدؐ میرے رسولؐ ہیں، اسلام میرا دین ہے، قرآن میری کتاب ہے اور میرا بیٹا میرا امام ہے۔

اس کے بعد بارگاہِ خدا میں عرض کی: بار الٰہا! فاطمہ کو ثابت قدم رکھ، پھر قبر سے نکل آئے اور جب فاطمہ کو دفن کر دیا اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر مار کر فرمایا: خدا کی قسم فاطمہ بنت اسد میری آواز سن رہی ہیں۔

رسولؐ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مرنا، فنا ہونا یا نابود ہونا نہیں ہے بلکہ موت ایک جہان سے دوسرے جہاں میں منتقل ہونا ہے یہاں تک جو شخص اس دنیا سے جاتا ہے مکمل طور پر اس کا رابطہ اس دنیا سے قطع نہیں ہوتا ہے یہ ممکن ہے کہ اس سے ہمارا رابطہ منقطع ہو جائے۔

عمار یاسر — جو کہ مسلمانوں کے عظیم پیشوا کے مکتب کے شاگرد ہیں — اٹھتے ہیں اور کہتے ہیں:

اے اللہ کے رسولؐ! میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں۔ آپ نے فاطمہ بنتِ اسد کے جنازہ کی ایسی نماز پڑھائی کہ اس سے قبل ایسی نماز نہیں پڑھائی تھی۔ وہ شائستہ تھیں۔ خود ان کے نیچے بھی تھے لیکن جب میں ان کے گھر میں رہتا تھا وہ اپنے بچوں سے زیادہ میرا خیال رکھتی تھیں۔

اے اللہ کے رسولؐ آپؐ نے ان پر چالیس تکبیریں کیوں کہی ہیں؟

ہاں! میں اپنی داہنی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ فرشتوں کی چالیس صفیں کھڑی ہیں لہذا میں نے ہر صف کے لئے ایک تکبیر کہی۔

ان کی قبر میں خاموشی و بے حرکت کیوں لیٹے؟

قیامت کے روز لوگ برہنہ محشر میں آئیں گے میں نے خدا سے درخواست

کہا: آٹا گوندھوں گی اور لکڑیاں لاؤں گی، اس کے بعد لکڑیاں لینے چلی گئیں، کچھ لکڑیاں جمع کرلیں لیکن اٹھیں اٹھا نہ سکیں۔ رسولؐ کی تعلیم کردہ دعا پڑھی۔ اس وقت ایک عربی مسافر آگیا اور اس کی مدد سے لکڑیاں سیدہؑ کے گھر لے آئیں۔ جب تک فاطمہؑ حیات تھیں فضہ ان کی خدمت کرتی تھیں۔ آپؑ کی وفات کے بعد حضرت زینبؑ کی خدمت میں رہیں، کربلا میں بھی اہل بیت کے ساتھ تھیں۔

فضہ کو حضرت علیؑ نے خریدا تھا۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وہ ہندوستان کی شہزادی تھیں ابوالقاسم قشیری کہتے ہیں: حج کے سفر میں، میں کاروان سے چھوٹ گیا تھا۔ بیابان کے بیچ مجھے ایک کنیز نظر آئی۔ میں نے پوچھا:

"تم کون ہو؟"

کہا: فقل سلام فسوف تعلمون

پہلے سلام کرو، عنقریب معلوم ہو جائے گا۔

میں نے انھیں سلام کیا اور کہا: یہاں تمہارا کیا کام ہے۔

کہا: من یھد اللہ فلا مضل لہ

جس کی خدا ہدایت کرتا ہے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔

میں نے کہا: تم جن ہو یا انسان

کہا: یابنی آدم خذوا زینتکم

اے آدم کے بیٹو! خدا کی زینت اختیار کرو۔

میں نے کہا: کہاں سے آرہی ہیں؟

کہا: ینادون من مکان بعید۔

انہیں دور سے بلایا گیا ہے

میں نے کہا: کہاں جائیں گی؟

کہا: وللہ علی الناس حج البیت

لوگوں پر خدا کیلئے حج کرنا واجب ہے۔

میں نے کہا: کھانا چاہئے؟

کہا: وما جعلناهم جسداً لا یاکلون الطعام

ہم نے انھیں مردہ نہیں قرار دیا ہے کہ کھانا نہ کھائیں

میں نے انھیں کھانا دیا اور کہا: جلد کرو۔

کہا: لا یکلف اللّٰہ نفساً الا وسعها

خدا کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا

میں نے کہا: میرے پیچھے بیٹھ جاؤ!

کہا: لو کان فیهما آلهة الا اللّٰہ لفسدتا

اگر آسمانوں اور زمین پر خدا کے سوا دو خدا ہوتے، زمین و آسمان

دونوں تباہ ہو جاتے۔

میں سواری سے اتر گیا اور انہیں سوار کیا۔

کہا: سبحان الذی سخر لنا هٰذا

پاک ہے وہ خدا جس نے اس کو ہمارے تابع کیا ہے۔

جب قافلہ کے نزدیک پہنچ گئے تو میں نے کہا: قافلہ میں آپ کا کوئی ہے؟

کہا: یا داؤد انا جعلناک خلیفة فی الارض وما محمد الا

رسولاً یا یحیی خذ الکتاب یا موسی انی انا اللّٰہ

اے داؤد ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ محمد صرف اللہ کے

رسولؐ ہیں، اے یحیی کتاب کو لے لیجئے۔ اے موسیٰ میں خدا ہوں۔

میں سمجھ گیا کہ قافلہ میں چار آدمی، داؤد، محمد، یحییٰ اور موسیٰ ہیں، میں نے دیکھا کہ چار آدمی ہماری طرف آرہے ہیں۔

میں نے کہا: انھیں آپ سے کیا نسبت ہے؟

کہا: المال والبنون زینۃ الحیاۃ الدنیا

مال واولاد دنیوی زندگی کی زینت ہے۔

میں سمجھ گیا کہ یہ چاروں ان کے بیٹے ہیں، جوان ہمارے پاس پہنچے تو کہا:

یاابت استاجرہ ان خیر من استاجرت، القوی الامین۔

بابا انھیں اجیر بنا لیجئے کہ یہ طاقتور اور امین ہے۔

جوانوں نے مجھے کچھ چیزیں دیں، عورت نے کہا:

واللہ یضاعف لمن یشاء

جس کیلئے خدا چاہتا ہے اضافہ کر دیتا ہے۔

انہوں نے مجھے کچھ اور چیزیں دیں۔ میں نے ان سے معلوم کیا۔ یہ کون ہے؟

کہا: یہ فاطمہؑ زہراء کی کنیز فضہ ہیں۔ بیس[۲۰] سال سے قرآن کی زبان میں گفتگو کرتی ہیں۔

اس خاتون نے علمی مقام پر فائز ہونے، حفظ قرآن اور اخلاقی فضائل پر احاطہ کے علاوہ اہل بیت کی مستورات ــ خصوصاً زینب کبریٰ ــ کی مانند بہت سے مصائب برداشت کئے ہیں۔

فضہ کی شخصیت و عظمت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وفات جناب

فاطمہ زہراؑ کے سانحہ میں جو معدودے مرد و عورت حاضر تھیں، ان میں سے ایک فضہ ہیں شرکاء میں عورتوں میں فضہ، ام سلمہ، ام ایمن اور مردوں میں امام حسنؑ و امام حسینؑ عبداللہ بن عباس، سلمان فارسی، عمار یاسر، مقدادؓ، حذیفہ اور ابوذر تھے۔

جب امیرالمومنینؑ، فاطمہ زہراء کو کفن دے چکے تو بند کفن باندھنے سے پہلے آواز دی: زینب، ام کلثوم، فضہ، حسنؑ و حسینؑ آؤ اپنی ماں کا دیدار کر لو! اس خطاب میں حضرت فضہ فاطمہ زہراء کے بچوں کی فہرست میں شامل ہیں، بہت اہم بات ہے۔[1]

---

[1] سفینۃ البحار مادہ فض، سطور مع نساء مومنات

ام الخیر بارقی

مخلص و مجاہد شیعہ

آخر کار عدالت کا پاک عنصر، متقیوں کے امام، علیؑ ایک بد سرشت کی ضربت سے شہید ہو گئے اور معاویہ بن ابی سفیان ــــ جو سالہا سال سے اپنی سلطنت و زمامداری کے لئے زمین ہموار کر رہا تھا ــــ کی مراد پوری ہو گئی. علیؑ کے شیعوں کے لئے سخت زمانہ کا آغاز ہوا، معاویہ نے موقعہ سے فائدہ اٹھا کر ان سے خوب انتقام لیا۔

کوفہ میں اپنے گورنر کو لکھا: ام الخیر ــــ بنتِ حریش بارقی ــــ کو احترام کے ساتھ میرے پاس روانہ کر دو۔ واضح رہے کہ تمہارے بارے میں وہ جو کچھ کہے گی وہ میرے لئے سند ہو گا۔ اور وہ نیکی کے ساتھ تمہارا ذکر کرے گی تو میں بھی تمہارے ساتھ نیک سلوک کروں گا ورنہ نہیں۔

کوفہ کے گورنر کو خط ملا، اس نے ام الخیر کو بلایا، ان کے سامنے خط پڑھا

ام الخیر نے کہا: میں جھوٹ نہیں بولتی اور نا حق بات نہیں کہتی ہوں۔ میرا دل چاہتا تھا کہ معاویہ سے ملاقات کر کے اسے حالات سے آگاہ کروں، گورنر نے سفر کا سامان فراہم کیا اور ام الخیر کو شام بھیج دیا، چلتے وقت ان سے کہا:

ام الخیر معاویہ نے میری تقدیر تمہارے حوالے کر دی ہے، میرا خیال

رکھے گا. کہا : جس محبت و مہربانی سے تم میرے ساتھ پیش آئے ہو اس کی طمع نہ رکھنا کہ میں تمہارے بارے میں ناحق و جھوٹ بات کہوں۔

ام الخیر نے آرام سے شام کا راستہ طے کیا، منزل مقصود پر پہنچ گئیں، تین رات دن شام میں معاویہ کے گھر مہمان رہیں۔ چوتھے روز معاویہ نے بلایا۔ اس کے پاس پہنچیں تو کہا : السلام علیک یا امیر المؤمنین !

معاویہ نے کہا : علیک السلام ، یہ تم اپنے باطن کے خلاف کہہ رہی ہو۔

ام الخیر نے کہا : ایسا کام نہ کیجئے کہ جس سے آپ کا احسان برباد ہو جائے۔

معاویہ نے کہا : خالہ ! آپ نے صحیح بات کہی ہے۔ راستہ میں کوئی زحمت تو نہیں ہوئی ؟

کہا : با خیر و عافیت راستہ طے کر کے ایک سخی کے پاس آئی ہوں ، اب بھی آرام سے زندگی بسر ہو رہی ہے۔

معاویہ نے کہا : چونکہ میری نیت صحیح تھی لہذا میں نے تم پر فتح پائی۔

ام الخیر نے کہا : چپ رہو ! ان باتوں سے تمہاری عاقبت نہیں سنور سکتی۔

معاویہ نے کہا : ہم نے تمہیں اس لئے نہیں بلایا ہے کہ تم حسب منشا جو چاہو کہو۔

ام الخیر نے کہا : جو تم کہو گے اس کا جواب بھی سنو گے !

معاویہ نے کہا : جس دن عمار یاسر جنگ صفین میں مارے گئے اس روز تم نے کیا کہا تھا ؟

ام الخیر نے کہا : خدا کی قسم وہ باتیں میں نے غور و فکر کے بغیر کہی تھیں ، اس کے بعد میں وہ باتیں زبان پر نہیں لائی اور انھیں طاق نسیاں کر دیا۔ اس روز بھی وہ باتیں اس حادثہ اور مصیبت کی وجہ سے زبان پر لائی تھی۔ اب اگر کچھ

اور سننا چاہتے ہو تو بتاؤ۔

معاویہ نے اپنے حاشیہ نشینوں کو مخاطب کر کے کہا: تم میں سے کسی کو یاد ہے؟

ان میں سے ایک نے کہا: مجھے یاد ہے، اور میں سورۂ حمد کی طرح سنا سکتا ہوں۔

معاویہ نے کہا: سناؤ۔

اس نے کہا: مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ کونسا لباس پہنے اور کس اونٹ پر سوار تھی اور مردوں کی مانند ہاتھ میں تازیانہ لیئے ہوئے تھی اور کہہ رہی تھیں۔ لوگو! خدا اور روز قیامت سے ڈرو، خدا نے حق کو آشکار، دلیل کو روشن اور راستہ کو واضح کر دیا ہے اور جہل و ابہام کے پردے اٹھا دیئے ہیں۔ تم کہاں جا رہے ہو؟ خدا تم پر رحم کرے، علیؑ سے بھاگ رہے ہو یا جنگ سے؟ اسلام سے فرار کر رہے ہو یا حق سے؟ کیا تم نے نہیں سنا کہ خدا فرماتا ہے: "ہم تمہیں اس لئے آزماتے ہیں تاکہ تم میں سے مجاہدوں اور صابروں کو پہچان لیا جائے اور تمہاری خبروں کو روشن کردیں۔"[1]

اے اللہ! صبر و یقین میں تزلزل آگیا اور خوف و ہراس پھیل گیا ہے۔ اے اللہ! دل تیرے اختیار میں ہیں، لوگوں کو کلمۂ تقویٰ پر اور دلوں کو راہِ ہدایت پر جمع کر دے۔ لوگو! خدا تم پر رحم کرے۔ آؤ! عادل امام، وفادار وصی اور بڑے سچّے آدمی کی مدد کریں۔ یہ جنگ بدر کے باقی بچ جانے والوں کی دشمنیاں اور جاہلیت کی کینہ توزیاں ہیں، معاویہ عبد الشمس کی اولاد کا انتقام لینا چاہتا ہے۔ پھر ان سے کہا: کفر کے سرغناؤں سے جنگ کرو کہ یہ بے ایمان ہیں، ہو سکتا ہے راہِ راست پر آجائیں۔ اے انصار و مہاجرین، بصیرت و ثابت قدمی کے ساتھ

---

[1] سورۂ محمد/۳۱

لڑو! گویا میں اپنی آنکھ سے دیکھ رہی ہوں کہ اہل شام آخرت کی زندگی میں برے طریقہ سے ناکام ہیں، انہوں نے آخرت کو دنیا کے عوض فروخت کر دیا ہے اور گمراہ و کور دل ہو گئے ہیں، آخر کار پشیمان ہوں گے، یہ راہِ حق سے دور ہو گئے ہیں، اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے ...

معاویہ نے کہا: ام الخیر! خدا کی قسم ان باتوں سے تم مجھے قتل کرنا چاہتی تھی۔ اگر میں تمہیں قتل کروں تو معذور ہوں۔

ام الخیر نے کہا: ہند کے بیٹے میں خوش ہوں کہ تجھ جیسے پست النسان کے ہاتھ سے شہادت پاؤں اور کامیاب ہو جاؤں۔

معاویہ نے کہا: تم بڑی زبان دراز عورت ہو۔ عثمان کے بارے میں کیا خیال ہے؟

ام الخیر نے کہا: کیا کہوں! لوگ ان کی خلافت سے ناراض اور ان کے قتل سے راضی تھے! اس کے بعد معاویہ سے تقاضا کیا کہ اس سے چشم پوشی کرے اور ایسی باتیں نہ کرے۔[1]

---

[1] سطور مع نساء مومنات، حیات الامام الحسن ج ۲ ص ۴۰۶ - ص ۴۰۹

آمنہ

شیعہ مجاہدہ

آمنہ بنت شرید حاضر جواب اور بولتی ہوئی عورت تھی اور علیؑ کی چاہنے والی تھی۔ معاویہ ـــ جو کہ علیؑ کے بعد آپؑ کے چاہنے والوں اور شیعوں کو یکے بعد دیگرے دام میں پھنسا رہا تھا ـــ نے عمرو بن حمق خزاعی کو گرفتار کرنے کا منصوبہ بنایا، لیکن وہ ہاتھ نہ آسکے۔ آمنہ ان کی بیوی تھی۔ معاویہ اپنے منصوبہ میں کامیاب نہ ہوسکا تو آمنہ کو دمشق بلایا اور انھیں دو سال قید خانہ میں رکھا۔ آخر کار عبد الرحمان بن حکم نے عمرو بن حمق کو جزیرہ میں قتل کر دیا اور ان کا سر معاویہ کے پاس بھیج دیا۔

"تاریخ اسلام میں مرقوم ہے کہ سب سے پہلے عمرو بن حمق کا سر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا گیا: اس کے بعد دوسرے سروں کی نوبت آئی۔

معاویہ نے عمرو کا سر کا قید خانہ میں آمنہ کے پاس بھیج دیا اور زندان کے داروغہ سے کہا: آمنہ جو بات بھی کہے اسے ذہن نشین کر لینا اور پھر مجھے بتا دینا اور عمرو کا سر ان کی گود میں ڈال دینا۔

داروغہ نے ایسا ہی کیا، آمنہ نے گھنٹہ بھر گریہ کیا، اس کے بعد اس سر پہ ہاتھ رکھ کر کہا: افسوس کہ مقتدر ظالم نے آپ کا سر تن سے جدا کر دیا۔

ظالمو! تم نے انھیں مدتوں مجھ سے دور رکھا اور اب میرے پاس ان کا سر بھیجا ہے، خدا ان پر رحمت نازل کرے۔ میں انھیں ہرگز نہ بھلا سکوں گی۔ سر کو معاویہ کے پاس لے جاؤ اور اس سے کہدو! خدا تیرے بچوں کو یتیم کرے گا اور تیری مغفرت نہ کرے گا۔

داروغہ نے ان کی باتیں معاویہ سے نقل کر دیں۔ معاویہ نے انھیں طلب کیا جس وقت آمنہ معاویہ کے دربار میں پہنچیں اس وقت ایک جماعت دربار میں موجود تھی، حاضرین میں سے ایک ایاس بن حسل تھا، بات کرتے میں اس کی زبان بند ہو جاتی تھی۔ معاویہ نے آمنہ سے کہا: اے دشمن خدا یہ باتیں تم نے کہی ہیں؟

کہا: ہاں میں نے کہی ہیں اور معذرت خواہ بھی نہیں ہوں۔ خدا کی قسم جہاں تک مجھ سے ہو سکا ہے تجھ پر لعنت کی ہے۔ یقینا خدا تیری گھات میں ہے۔

ایاس نے کہا: اس عورت کو قتل کر دو، خدا کی قسم اپنے شوہر کی مانند یہ بھی قتل کی سزاوار ہے۔ آمنہ نے اس کی طرف دیکھا اور اس پر لعنت ملامت کی، اس پر معاویہ کو ہنسی آگئی۔ اس نے آمنہ سے کہا: یہاں سے اٹھ کر چلی جاؤ۔ میں یہ نہ سنوں کہ تم شام میں ہو۔

آمنہ نے کہا: شام مجھے پسند نہیں ہے۔ یقین رکھو کہ میں یہاں سے جا رہی ہوں، میں نے یہاں کوئی بھلائی نہیں دیکھی۔ نہایت سخت ومصیبت کی زندگی گذاری ہے۔

معاویہ نے انگلی سے اشارہ کیا کہ چلی جاؤ۔ وہ بھی وہاں سے معاویہ کو برا بھلا کہتی ہوئی نکل آئی۔ اسود ہلالی جو کہ کالا اور کریہہ المنظر آدمی تھا۔

کی کہ انھیں ملبوس حالت میں محشر میں وارد کرنا۔

مرتے وقت ہر شخص اپنے پسماندگان کو کچھ وصیتیں کرتا ہے۔ ان وصیتوں سے مرنے والے کی شخصیت، طرز فکر اور ایمان و اخلاص کا پتا چلتا ہے۔ وصیت کے آئینہ میں مرنے والوں کا حقیقی چہرہ دیکھا جاسکتا ہے۔

فاطمہ بنت اسد نے بھی مرنے سے پہلے کچھ وصیتیں کیں جو رسول اسلامؐ کے ذریعہ پوری ہوں گی۔

اس سرفراز خاتون کی وصیت میں غور کرنے سے ہم ان کے حقیقی چہرہ اور عظمت کو سمجھ سکتے ہیں۔ وصیت کے وقت رسولؐ سے عرض کی:

"اے اللہ کے رسول! میری ایک کنیز ہے جسے میں آزاد کرنا چاہتی ہوں"

"حیات بعد از موت کے لئے جو کام بھی انجام دو گی اسے وہاں پاؤ گی۔"

اس عظیم خاتون کے لئے اتنا ہی افتخار کافی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ ہمیشہ انھیں ماں کہتے تھے۔ خود فرماتے ہیں:

ہمارے گھر میں ایک باغیچہ تھا جس میں خرمے کے چند درخت تھے۔ درختوں پر پہلی مرتبہ پھل لگا تھا۔ ہر روز صبح کے وقت محمدؐ کے ہم سن چالیس بچے آتے اور درختوں کے نیچے پڑے ہوئے خرمے جمع کر کے کھا لیتے تھے۔ کبھی ایک دوسرے کے ہاتھ سے بھی چھین کر کھا جاتے تھے۔ لیکن میں نے محمدؐ کو کبھی بھی اس خرمہ کی طرف بڑھتے نہیں دیکھا جو دوسرے کی طرف چلا گیا ہو اور نہ کسی کے ہاتھ سے چھینتے دیکھا ہے۔ میں اور میری کنیز دوسرے بچوں سے پہلے باغیچہ میں پہنچ جاتی تھیں اور محمدؐ کے لئے کچھ خرمے جمع کر لیتی تھیں، ایک روز ہم بھول گئے۔ محمدؐ سوئے ہوئے تھے۔ بچے آئے اور خرمے چن کر لے گئے۔ محمدؐ اٹھے تو میں شرم کے مارے ایسے لیٹ گئی جیسے سو رہی ہوں۔

نے ان سے پوچھا: تمہاری مراد کون ہے؟ خدا لعنت کرے۔ تمہاری مراد معاویہ ہے؟

آمنہ نے اس سے کہا: تیرے اوپر بھی لعنت، تو پست اور منحوس آدمی ہے... مجھ سے دور ہو جاؤ۔ اسود اس کی حاضر جوابی سے حیرت زدہ رہ گیا تھا، واپس لوٹا اور معذرت کی۔ معاویہ سے کہا: میں نے ہرگز ایسی قادر الکلام عورت نہیں دیکھی تھی، بڑی شیر دل اور دندان شکن جواب دینے والی ہے۔ وہ مجھ پر اس طرح غضبناک ہوئیں کہ میں مرعوب ہو گیا۔ معاویہ نے عبید بن اوس کو حکم دیا کہ آمنہ کیلئے کچھ پیسہ بھیجو تاکہ زاد راہ فراہم کر سکے اور وہ اپنا قرض ادا کر سکے۔ جب مامور افراد پیسہ لیکر ان کے پاس پہنچے تو کہا: تعجب ہے! معاویہ میرے شوہر کو قتل کرتا ہے اور میرے لئے انعام بھیجتا ہے! پیسہ لیا اور انتقال کیا، اس مجاہدہ کے انتقال کی خبر سن کر معاویہ بہت خوش ہوا۔[1]

---

[1] سطور مع نساء مومنات

زرقاء

ظالموں اور ستمگروں کو کچلنے والی

ایک رات معاویہ اپنے دربار کے خاص افراد عمرو عاص، سعید اور عقبہ و ولید کے ساتھ بیٹھا محو گفتگو تھا کہ زرقا بنت عدی ابن غالب کا ذکر چھڑ گیا، وہ اپنے عزیزوں کے ساتھ جنگ صفین میں شریک ہوئی تھی۔

معاویہ نے پوچھا: "تم میں سے کسے اس کی باتیں یاد ہیں؟ ان میں سے دو چار نے کہا: ہمیں یاد ہیں، معاویہ نے کہا: میں آپ سے یہ مشورہ چاہتا ہوں کہ اس کے ساتھ کیا کیا جائے؟ کچھ لوگوں نے کہا: اسے قتل کر دینا چاہئے۔ معاویہ نے کہا: بہت برا مشورہ دیا ہے۔ کیا یہ بات صحیح ہے کہ لوگ مجھے یہ کہیں کہ اس نے خلیفہ بننے کے بعد عورت کو قتل کیا ہے؟

اس کے بعد اس نے حاکم کوفہ کو لکھا کہ انھیں ان کے محرموں کے ساتھ اور زاد راہ دیکر احترام کے ساتھ شام بھیجدو! معاویہ کا خط حاکم کوفہ کو موصول ہوا، اس کے مضمون سے زرقاء کو آگاہ کیا زرقاء نے کہا: اگر مجھے اختیار ہے تو میں شام نہیں جاؤں گی اور اگر مجبور ہوں تو جاؤنگی۔

حاکم کوفہ نے معاویہ کے حکم کے مطابق زرقاء کو شام روانہ کیا۔ معاویہ کے پاس پہنچی تو معاویہ نے ان کا خیر مقدم کیا، مزاج پوچھا۔ زرقاء نے بھی

شکریہ اداکیا، پھر معاویہ نے پوچھا: سفر کیسے گذرا؟ زرقاء نے کہا: بالکل ایسے ہی جیسے جھولے میں بچہ ہو، آرام سے۔ معاویہ نے کہا: یہی ہمارا حکم تھا۔ تمہیں معلوم ہے کہ یہاں کیوں بلائی گئی ہو؟ زرقاء نے کہا: میں نہیں جانتی! کہا: تم وہی ہو جو جنگ صفین میں ایک سرخ اونٹ پر سوار میدان کے وسط میں کھڑی تھی اور لوگوں کو جنگ کرنے پر ابھار رہی تھی اور جنگ کی آگ بھڑکا رہی تھی اس سے تمہارا کیا مقصد تھا؟

زرقاء نے کہا: ہمارے بزرگ دنیا سے اٹھ گئے، تمام جھگڑے ختم ہو گئے حالات بدل گئے جو بھی صحیح طریقہ سے غور و فکر کرے گا وہ سمجھ جائے گا۔ معاویہ نے کہا: مجھے یاد ہے تم لوگوں کو جنگ کی تشویق دلا رہی تھی اور کہہ رہی تھی مہاجرین و انصار کو صبر سے کام لینا چاہئے اور انھیں حق کی حمایت اور باطل کو کچلنے کیلئے کوشش کرنی چاہئے۔ جان لو کہ عورتوں کا خضاب مہندی اور مردوں کا خضاب خون ہے۔ آج کے بعد آنے والی کل ہے۔ کاموں میں صبر کرنا بہتر ہے۔" اس کے بعد کہا: خدا کی قسم جو خون بہایا گیا ہے اس میں تم علیؑ کی شریک ہو۔ زرقاء نے کہا: ... اس دن خیر و شر ایک دوسرے کے مقابلہ میں آگئے تھے، ناحق کسی کا خون نہیں بہایا گیا۔ معاویہ ہنسا اور کہنے لگا: علی کے انتقال کے بعد ان سے تمہاری وفاداری ان کی حیات میں تمہاری وفاداری سے زیادہ تعجب خیز ہے۔ اپنی ضرورتوں کو بیان کرو تاکہ میں پورا کروں۔

زرقاء نے کہا: میں نے خدا سے عہد کیا ہے کہ میں کسی سے کچھ نہ مانگوں گی۔ پھر اگر تم میری مدد کرنا چاہتے ہو تو معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

معاویہ نے کہا: تم نے صحیح کہا۔

معاویہ نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ زرقاء اور ان کے ساتھ آنے والوں کو انعام سے نوازا جائے اور دس ہزار درہم کی ملکیت کا ایک قطعہ ان کے سپرد کیا جائے اور انھیں احترام کے ساتھ کوفہ بھیجا جائے۔ حاکم کوفہ کو ان کا خیال رکھنے کا حکم دیا جائے۔

ایسے کاموں سے معاویہ لوگوں کے دلوں سے علیؑ کی محبت مٹانا چاہتا تھا اور ان میں اپنی محبت بٹھانا چاہتا تھا لیکن علیؑ کے چاہنے والے پر راضی نہیں ہوتے تھے۔[۱]

---

[۱] سطور مع نساء مومنات وحیات الامام الحسن، مولفہ باقر شریف قرشی۔ ج۲ ص۲۰۲ تا ۲۰۹

سُودہ

عمارہ بن اشتر کی بیٹی

یہ عمارہ بن اشتر کی بیٹی تھی ، علیؑ کی محبت خاندان سے ورثہ میں ملی تھی ، معاویہ کے رنگ محل پر پہنچی ، داخل ہونے کی اجازت دی ، داخل ہوتے وقت معاویہ نے کہا : اشتر کی بیٹی ! کیسی ہو ؟

کہا : "بخیر ہوں"۔ معاویہ نے کہا : تم وہ ہی نہیں ہو کہ جو جنگ صفین میں اپنے بھائی سے کہہ رہی تھی : "اے عمارہ کے بیٹے جنگ کے دوران اپنے والد کی طرح کو کس لو ، علیؑ، حسینؑ اور ان کے مددگاروں کی مدد کرو ، ہند اور اس کے بیٹے پر ہلاکت خیز ضرب لگاؤ ، امام وہی ہے جو اللہ کے رسول محمدؐ کا بھائی اور منظہر ایمان وہدایت ہے ۔ ان کے سپاہیوں اور پرچم کے آگے چلو ! شمشیر برّاں اور نیزے کیساتھ جنگ میں کود پڑو !"

سودہ نے کہا : "ہاں ! خدا کی قسم میں وہی ہوں ، میں حق سے جدا نہیں ہوئی ہوں اور جھوٹ موٹ میں کسی سے معذرت نہیں کی ہے ۔"

معاویہ نے کہا : اس بات پر تمہیں کس چیز نے مجبور کیا تھا ؟

کہا : علیؑ کی دوستی اور حق کی پیروی کرنے ۔

معاویہ نے کہا : علی سے تمہیں کیا ملا ؟

کہا: تمہیں خدا کی قسم، گڑے مردے نہ اکھاڑو، اور گذشتہ باتوں کو نہ دہراؤ۔

معاویہ نے کہا: میں ہر بات کو کیسے بھلا دوں؟ تمہارے عزیزوں اور بھائی سے ایسی چیزیں دیکھی ہیں کہ جنھیں فراموش نہیں کر سکتا۔

سودہ نے کہا: تم سچ کہتے ہو۔ اس دن میرا بھائی فوج کا سپہ سالار اور لوگوں کا امام نہیں تھا۔ بلکہ وہ اپنے سپہ سالار اور اپنے امام کی اطاعت کرتا تھا

معاویہ نے کہا: تم سچ کہتی ہو، یہی حقیقت ہے۔

سودہ نے کہا: ہمارا امام دنیا سے اٹھ گیا، مجھے معاف کرو۔

معاویہ نے کہا: معاف کیا! بتاؤ کس چیز کی ضرورت ہے؟

سودہ نے کہا: تم آج تخت حکومت پر بیٹھے ہوئے ہو اور بارگاہ خدا میں تم سے بازپرس ہوگی۔ جس شخص کو بھی تم ہم پر حاکم بنا کر بھیجتے ہو وہ تمہاری حکومت و شوکت پر مغرور ہوتا ہے۔ ہمارے سر تن سے جدا کرتا ہے اور مال لوٹ لیتا ہے۔ بسر بن ارطاۃ بھی تمہارا ایک نمائندہ ہے۔ اس نے ہمارے مردوں کو قتل کر ڈالا اور مال کو لوٹ لیا اور میری عزت کا کوئی خیال نہ کیا۔ اگر اسے معزول کر دو گے تو میں شکر گزار ہوں گی اور اس کی جگہ پر باقی رکھو گے تو تمہیں اس کا نتیجہ بھی سمجھائیں گے۔

معاویہ نے کہا: مجھے دھمکی دیتی ہو؟ میں تمہیں اسی کے پاس بھیجتا ہوں تاکہ وہ جو چاہے تمہارے ساتھ سلوک کرے۔

سودہ رونے لگی اور کہا: خدا اس بدن پر رحمت نازل کرے جو کہ قبر میں پنہاں ہو گیا اور عدالت بھی اسی کے ساتھ دفن ہو گئی۔ اس نے قسم کھائی تھی

ہرگز حق کو نہیں چھوڑوں گا ۔ زندگی کے ہر لمحہ میں وہ حق و ایمان کے ساتھ تھا۔

معاویہ نے کہا: تمہاری مراد کون ہے ؟

سودہ نے کہا: علی بن ابی طالبؑ !

معاویہ نے کہا: علی نے تمہارے لئے کیا کیا ہے ؟

سودہ نے کہا: ایک شخص علیؑ کی طرف سے ہمارا حاکم تھا۔ میں اس کی شکایت لے کر علیؑ کی خدمت میں پہنچی، اس وقت آپؑ نماز کے لئے تیار تھے، مجھے دیکھا تو نماز شروع نہ کی اور شفقت کے ساتھ مجھ سے فرمایا: کوئی کام ہے ؟

میں نے واقعہ عرض کیا، آپ رونے لگے اور فرمایا: اے اللہ تو گواہ ہے، کہ میں نے انھیں ظلم کرنے اور حق کو چھوڑنے کا حکم نہیں دیا ہے۔ اس کے بعد اس کے نام اس مضمون کا ایک خط لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"خدا کی طرف سے تم پر آسمانی کتاب نازل ہو چکی ہے اور وزن و پیمانہ پورا پورا دو، لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو اور زمین پر فساد نہ پھیلاؤ، کہ جو تمہارے لئے خدا کے پاس ہے وہ باقی رہے گا۔ اگر تم مومن ہو تو تمہارے حق میں یہی بہتر ہے۔ میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں۔ میرا خط ملتے ہی ان چیزوں کو محفوظ کر لینا جو تمہارے پاس ہیں یہاں تک کہ تمہاری جگہ پر دوسرے کا تقرر ہو اور وہ تم سے اپنی تحویل میں لے۔"

خدا کی قسم یہ خط آپؑ نے مجھے دیا اور میں نے اسے پڑھا۔

معاویہ نے کہا: علی بن ابی طالب نے تمہیں اتنا جری بنا دیا کہ بادشاہ کے

سامنے گستاخی کرد اور اس انداز میں گفتگو کرد ۔ اس کے بعد معاویہ نے کسی کو حکم دیا کہ "بسر" کو لکھو کہ اس کا مال واپس کردے اور اس کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرے۔

سودہ نے کہا: یہ حکم صرف میرے لئے ہے یا سب کے لئے؟

معاویہ نے کہا: تمہیں دوسروں سے کیا مطلب؟

سودہ نے کہا: میں بھی دوسروں کی مانند ہوں، اگر حکم سب کے لئے نہ ہو تو میں خود کو لائق مذمت و ملامت سمجھتی ہوں!

معاویہ نے دوبارہ کہا: لکھدو کہ اس کے اور اس کے وابستگان کے ساتھ نیک سلوک کرے۔ پھر کہا: علی ابن ابی طالب نے تمہیں مغرور بنا دیا کہ تمہاری قوم کے بارے میں کہدیا: اگر میں بہشت میں دربان ہوں گا تو ہمدان والوں سے کہوں گا سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ [1]

---

[1] سطور مع نساء مومنات و حیاۃ الحسن ج ۲ ص ۴۰۹ ۔ ص ۴۱۲

ام سنان

خیثمہ مذحجی کی بیٹی

یہ خیثمہ کی بیٹی اور عرب کی بہتر سخنور تھی ۔ ان نمونہ عورتوں میں سے ہے کہ معاویہ کے دربار میں پہنچی تھیں اور حاشیہ نشینوں کے سامنے اسے ذلیل کیا تھا۔ مروان بن حکم مدینہ کا حاکم تھا ، اس نے ایک جوان کو کسی تہمت کی بنا پر گرفتار کر لیا تھا۔ ام سنان اس جوان قیدی کی دادی تھی ۔ وہ مروان کے پاس گئی اور اس کے بارے میں گفتگو کی ۔ مروان نے ان کے ساتھ بد اخلاقی کی اور سختی سے پیش آیا۔ وہ شام گئی تاکہ معاویہ سے اس کی شکایت کرے ۔ وہاں پہنچی تو معاویہ نے ان کا احترام کیا اور ان سے زحمت فرمائی کا سبب معلوم کیا۔ پھر کہا : مجھے تمہاری دشمنی اور جنگ صفین میں فوجیوں کو اکسانا یاد ہے۔

ام سنان نے کہا : عبد مناف کے بیٹے ! لوگ خوش خو ہیں اور اپنے در گذر واحسان کی وجہ سے عام و خاص میں مقبول ہیں ۔ بہتر ہے کہ تم اپنے بزرگوں کی روش اختیار کرو !

معاویہ نے کہا : تم نے صحیح کہا ، لیکن میں تمہاری ان باتوں کو کیسے بھلا سکتا ہوں ؟ سب سو رہے ہیں مگر میں بیدار ہوں ، رنج و غم آج کی رات مجھے

سونے نہیں دیں گے۔

"اے مذحج والو! ثابت قدمی سے کام لو کیونکہ دشمن نے آلِ محمدؐ کو مٹانے کا ارادہ کر لیا ہے۔ یہ علیؑ اس چاند کی مانند ہیں جو آسمان پر ستاروں کے جھرمٹ میں ہو۔ یہ سب سے افضل اور رسولؐ کے چچا زاد بھائی ہیں۔ وہ تمہاری نیکی کی طرف ہدایت کریں گے وہ ہمیشہ جنگوں میں کامیاب اور ان کی فتح کا پرچم سدا لہراتا رہا ہے۔"

ام سنان نے کہا: صحیح ہے، لیکن ہمیں تم سے نیکی کی امید ہے۔

دوسرا کہتا ہے: یہی کہہ رہی تھی: اے علی بن ابی طالبؑ! اگرچہ آپ قتل کر دیئے گئے لیکن آپ ہمیشہ راہ ہدایت پر رہے اور لوگوں کو حق کی طرف ہدایت کرتے تھے، آپ آرام کی نیند سوئے اور تا ابد خدا کی بے کراں رحمتوں سے سرشار رہیئے۔

رسولؐ کے بعد آپ ان کے جانشین تھے اور آنحضرتؐ کی وصیت پر عمل کرتے تھے۔ آج رسول کا کوئی جانشین نہیں ہے کہ جس سے لوگوں کی امیدیں وابستہ ہوں۔"

ام سنان نے کہا: یہ ساری باتیں صحیح ہیں۔ ہم تم سے نیکی کی امید رکھتے ہیں۔ ان حاشیہ نشینوں نے مسلمانوں کے دلوں میں تمہاری طرف سے کینہ بھر دیا ہے۔ انھیں اپنے دربار سے نکال دو، اگر ایسا کرو گے تو عزت پاؤ گے اور لوگوں کے دل تمہارے لئے نرم ہو جائیں گے۔

معاویہ نے کہا: یہ بات تم کہہ رہی ہو؟

وہ باغیچہ میں گئے تو وہاں انھیں کچھ بھی نہ ملا۔ کنیز نے کہا: آج ہم آپ کے لئے خرمہ چننا بھول گئے۔ محمدؐ باغیچہ میں گئے، ایک درخت کو اشارہ کیا اور کہا: میں بھوکا ہوں، درخت نے شاخیں جھکا دیں، محمدؐ کھا کر سیر ہو گئے۔ اس سے مجھے بہت تعجب ہوا۔ جب میرے شوہر گھر لوٹے تو یہ قصہ میں نے ان سے بتایا۔ ابوطالب نے فرمایا: یہ بچہ خدا کا پیغمبر ہے، خدا تمھیں بھی ایک بیٹا عطا کرے گا جو اس کا وزیر ہو گا۔[1]

---

[1] بحار الانوار، طبع جدید ج ۳۵ ص ۸۳ - ص ۸۵

ام سنان نے کہا: سبحان اللہ! تم ہی تو باطل و دروغ کی مدح سنتے ہو، تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم علیؑ کو تم سے زیادہ چاہتے ہیں اور دوسروں سے زیادہ تم کو۔

معاویہ نے کہا: کس سے زیادہ؟

ام سنان نے کہا: مروان حکم سے اور سعید عاص سے زیادہ

معاویہ نے کہا: کیوں؟

ام سنان: کیونکہ تم ان سے زیادہ بردبار اور درگذر کرنے والے ہو۔

معاویہ: اپنی حاجت بیان کرو!

ام سنان: مروان بن حکم تمہاری طرف سے ہی مدینہ پر حاکم ہے۔ وہ ظالم اور سنگدل آدمی ہے۔ اس نے میرے پوتے کو قید کردیا تھا۔ میں اس کے پاس گئی۔ اس سے گفتگو کی۔ میں نے اسے بدخلق اور سخت مزاج پایا۔ میں نے سوچا اس واقعہ کی اطلاع تم تک پہنچادوں۔ گذارش ہے کہ میرے پوتے کو معاف کردیں

معاویہ نے کہا: تم نے سچ کہا، اس لڑکے کے بارے میں، میں تم سے کوئی بات نہیں پوچھوں گا اور اس کی رہائی کے لئے پروانہ لکھتا ہوں۔

چونکہ ام سنان کا زادراہ ختم ہوگیا تھا اس لئے ایک اونٹ اور پانچ ہزار درہم بھی انھیں دیئے۔[۱]

---

[۱] سطور مع نساء مومنات

جروہ

مرہ بن غالب تمیمی کی بیٹی

بولنے والی اور خوش بیان عورت تھی۔ وہ علی کے کم نظیر چاہنے والوں میں سے ایک اور عرب کے سارے خاندانوں سے واقف تھی۔ معاویہ مکہ آیا اور وہاں فصد کھلوا لینے کی وجہ سے رات میں بےچین تھا۔ اسی وقت انھیں طلب کیا آئی تو ان کا احترام کیا اور کہا: جروہ! ہم نے تمھیں ڈرایا!

جروہ: ہاں معاویہ! رات کے وقت کوئی چڑیا کو بھی اس کے آشیانہ سے نہیں نکالتا ہے۔ تو نے مجھے خوف زدہ کیا اور میرے بچوں کو پریشان کر دیا ہے میرے عزیز اس اچانک پیش آ جانے کی وجہ سے سخت حیرت و وحشت میں پڑ گئے ہیں۔

معاویہ: ڈرو نہیں! مطمئن رہو۔ جو تم نے سوچا ہے وہ حقیقت نہیں ہے۔ فصد کھلوانے کی وجہ سے آج رات میری نیند اڑ گئی ہے۔ تمھیں اس لئے بلوایا ہے تاکہ تم سے تمہارے قبیلہ والوں سے متعلق کچھ سوالات کروں۔

جروہ: اس طائفہ کی آبادی زیادہ، ان کی زمین وسیع ہے اور اس کے آدمی بڑی عظمت والے ہیں۔ بنی عمرو دلیر ہیں، ان کے دشمن ان کے پاس بھی نہیں بھٹک سکتے۔ انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے تاکہ وہ اپنے ہی دشمنوں

سے الجھے رہیں۔ بنی سعد کی آبادی اور زیادہ ہے۔ اگر وہ ناراض ہوتے ہیں تو اور زیادہ نقصان پہنچاتے ہیں۔ ان سے چشم پوشی کیجئے تاکہ وہ اپنے داخلی اختلافات میں پھنسے رہیں۔ حنظلہ باحیثیت اور باعظمت والا خاندان ہے۔ جب تک وہ اپنا انتقام نہیں لے لیتے آرام سے نہیں بیٹھتے۔ براجم بندھی ہوئی مٹھی کی مانند اور کٹ حجت ہیں۔ بنی ربیعہ سخت اور نہ ٹوٹنے والے پتھروں جیسے ہیں۔ بنی یربوع دلیر، جنگجو اور شجاع ہیں۔ بنی مالک، شیروں کی مانند ہیں، جنگ کرتے ہیں اور غراتے ہیں۔

معاویہ نے بنی تمیم کے بارے میں ان کی اطلاع کی تعریف کی اور کہا: کچھ قیس کے بارے میں بتاؤ۔

جروہ نے قیس کے تمام قبائل کا مکمل تعارف کرایا۔

معاویہ نے ان سے قریش کے بارے میں سوال کیا۔

جروہ نے کہا: قریش نمایاں اور باعظمت لوگ ہیں۔

معاویہ نے ان سے علیؑ کے بارے میں پوچھا۔

جروہ نے کہا: وہ عظمت و شرافت کی اس منزل پر فائز تھے کہ جس کی توصیف نہیں کی جا سکتی۔

لیکن یہ بات کہنے کے بعد ڈر گئے اور معاویہ سے معافی مانگی، معاویہ نے بھی انھیں معاف کر دیا اور انھیں دس ہزار درہم کی ملکیت بخش دی۔[1]

---

[1] سطور مع لنساء مومنات

عکرشہ

عدلِ علیؑ کی شیفتہ

یہ معاویہ کے پاس پہنچی، اسے سلام کیا۔ معاویہ نے کہا: اب میرے ہاتھ میں پوری حکومت ہے۔

عکرشہ نے کہا: ہاں! کیونکہ علیؑ زندہ نہیں ہیں۔

معاویہ: تم وہی تو نہیں ہو جو ایک اونٹ پر سوار تھی اور میدان جنگ میں لوگوں کو میرے خلاف اکسا رہی تھی۔ اگر خدا میری کامیابی نہ چاہتا تو دونوں لشکر میری جان کی فکر میں پڑ جاتے۔ تم نے ایسا کیوں کیا تھا؟

عکرشہ: عقلمند آدمی ناپسندیدہ بات نہیں کہتا ہے۔

معاویہ: تم نے سچ کہا، بتاؤ تمہاری کیا حاجت ہے؟

عکرشہ: آج کل ہمارے نادار اور درماندہ افراد سخت پریشان اور مفلوک الحال ہیں۔ تم خیانت کاروں اور ظالموں کی حمایت کرتے ہو اور انھیں لوگوں پر مسلط کرتے ہو۔ ہم سے جو مال لوٹا گیا ہے وہ لوٹا دیا جائے۔

معاویہ: ہم سرحدوں اور دریاؤں کے امور میں الجھے ہوئے ہیں۔ یہ ہمارے لئے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔

عکرشہ: خدا نے ہمیں ایسا حق کیسے دیا ہے کہ جس سے دوسروں کا نقصان ہو۔

خدا غیب کا جاننے والا ہے وہ ہمیں ایسا حق نہیں دیتا ہے۔

معاویہ: تعجب ہے! ابو طالب کے بیٹے نے تم عراقیوں کو اتنا پڑھا دیا ہے کہ کوئی تم سے بحث نہیں کر سکتا۔ پھر اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ اس کا مال لوٹا دیا جائے اور احترام کے ساتھ اسے واپس کیا جائے۔

لہ سطور مع نساء مومنات، حیاۃ الامام الحسن ج ۲ ص ۴۱۹ - ص ۴۲۳

بکارہ ہلالی

یہ شجاعت، بے باکی، فصاحت و شاعری اور سخنوری میں اہل عرب کے درمیان شہرت یافتہ تھی۔ جنگ صفین میں حضرت علیؑ کی طرف تھی اور وہاں شجاعانہ اور برانگیختہ کر دینے والے اشعار پڑھ کر حضرت علی کی فوج کی حوصلہ افزائی کر رہی تھی کہ وہ بے خطر دشمن کی فوج پر ٹوٹ پڑیں۔

شہادتِ علیؑ کے بعد معاویہ کو اس کی اطلاع دیدی گئی، اس وقت اس عورت کے سر کے بال روئی ہو گئے تھے، بدن نحیف و لاغر ہو گیا تھا، دو خادم ان کے ساتھ تھے۔ معاویہ کے پاس پہنچی، سلام کیا، معاویہ نے نہایت ہی احترام کے ساتھ اس کا جواب دیا اور کہا: بیٹھئے! اس وقت ان کے ہاتھ میں عصا تھا۔ مروان و عمرو عاص بھی وہاں موجود تھے۔

مروان نے معاویہ سے کہا: آپ اسے پہچانتے ہیں ؟

معاویہ نے کہا: کون ہے ؟

مروان نے کہا: جنگ صفین میں یہی عورت علیؑ کی فوج کو جنگ پر ابھار رہی تھی، انھیں تشویق دلا رہی تھی اور کہہ رہی تھی: اے زید جو شمشیر ہمارے گھر میں زیر خاک ہے اسے نکال۔ یہ تلوار بڑے حوادث کے لئے دفن کی گئی ہے۔ آج اسے زمین سے نکالنا چاہیئے۔

عمرو عاص نے کہا: یہی کہہ رہی تھی:

"کیا تم ہند کے بیٹے کو مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے دیکھ سکتے ہو؟ ہرگز نہیں۔ اے پسر ہند تم گمراہ ہو گئے ہو اور عمرو سعید نے تمہیں جنجال میں پھنسا دیا ہے۔ لوٹ جاکہ یہ جنگ تمہارے لئے بدشگونی اور علیؑ کے لئے فال نیک ہے۔"

سعید نے کہا: یہی کہہ رہی تھی:

"میری آرزو تھی کہ میں بنی امیہ میں سے کسی کو منبر پر تقریر کرتے نہ دیکھتی، اس سے پہلے ہی مرگئی ہوتی۔ لیکن خدا نے مجھے موت نہ دی تاکہ میں حیرت انگیز امور دیکھوں۔ بنی امیہ کا خطیب ومقرر ہر روز مجمع عام میں عترت رسولؐ کو برا بھلا کہتا ہے اس وقت حاضرین پر معمولی سکوت چھا جاتا ہے۔ بکارہ نے کہا: معاویہ! تم نے اپنے کتوں کو مجھ پر چھوڑ دیا ہے۔ وہ ہر طرف سے مجھے بھونک رہے ہیں۔ اب میں بوڑھی ہو گئی ہوں۔ وہ جو کہتے ہیں صحیح ہے۔ میں ان کی باتوں کو نہیں جھٹلاتی۔ جو تم چاہتے ہو کرو۔ امیر المومنین کے بعد زندگی بدمزہ ہو گئی ہے۔

معاویہ نے کہا: تمہیں ان باتوں سے سروکار نہیں ہونا چاہیے بتاؤ تمہاری کیا حاجت ہے۔ بکارہ نے حاجت بتائی۔ معاویہ نے انھیں راضی کیا اور واپس وطن بھیج دیا[۱]

---

[۱] سطور مع نساء مومنات و حیاۃ الامام الحسن ج ۲ ص ۴۱۴ ـ ص ۴۱۵

دارمیہ حجونی

ایک سال معاویہ حج کیلئے گیا۔ زمانۂ حج میں اس خاتون کے بارے میں معلومات فراہم کیں، لوگوں نے بتایا زندہ و سالم ہیں۔ حکم دیا کہ اسے حاضر کیا جائے۔ جب آئی تو معاویہ نے کہا: حام کی بیٹی! کیسا مزاج ہے؟

کہا: بخیر ہوں، لیکن میں حام کے قبیلہ سے نہیں ہوں۔ میرا تعلق قریش سے ہے۔

معاویہ نے کہا: صحیح ہے۔ جانتی ہو میں نے تمہیں کیوں طلب کیا ہے؟

کہا: سبحان اللہ! کیا میں علم غیب رکھتی ہوں؟!

معاویہ نے کہا: میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم علیؑ سے محبت اور مجھ سے دشمنی کیوں رکھتی ہو؟

کہا: اگر میں وجہ بیان کر دوں، تو کیا میری جان بخش دوگے؟

معاویہ نے کہا: تمہیں معاف نہیں کروں گا۔ اسی لئے تمہیں طلب کیا ہے۔

کہا: حقیقت یہ ہے کہ میں علیؑ کو عدل اور مساوات قائم کرنے کی وجہ سے دوست رکھتی ہوں اور تمہیں اس لئے دشمن رکھتی ہوں کہ تم نے ان سے جنگ کی ہے۔

انھیں رسولؐ نے خلیفہ مقرر کیا تھا وہ کمزوروں کے طرف دار تھے اور دین دار لوگوں سے محبت رکھتے تھے۔ تم نے ان سے جنگ کی اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف ڈال دیا۔

معاویہ نے کہا: اسی لئے تیرا پیٹ پھول گیا ہے، پستان بڑھ گئے ہیں اور قدم چپٹے ہو گئے ہیں۔

اس نے کہا: تمہاری ماں ہندان اوصاف کا واضح نمونہ تھی اور ضرب المثل بن گئی تھی۔

معاویہ نے کہا: ناراض کیوں ہو میں نے تمہیں کوئی بری بات نہیں کہی ہے۔ جس عورت کے پستان بڑے ہوتے ہیں وہ اپنے بچے کو اچھی طرح دودھ پلاتی ہے۔ وضع حمل کے وقت عورت کا پیٹ بڑا ہو جاتا ہے۔ اور جس عورت کے قدم چپٹے ہو جاتے ہیں وہ بآسانی زمین پر بیٹھ سکتی ہے۔

اس کے بعد کہا: تم نے علیؑ کو دیکھا ہے؟

کہا: ہاں؛

معاویہ نے کہا: انھیں کیسا پایا؟

کہا: وہ دنیوی حکومت اور مال دنیا پر مغرور نہیں ہوئے تھے۔

معاویہ نے کہا: ان کی بات بھی سنی ہے۔؟

کہا: ہاں

معاویہ نے کہا: ان کی باتوں کو کیسا محسوس کیا؟

کہا: بالکل ایسے ہی جیسے زیتون کا تیل ظروف کو نکھار دیتا ہے اسی طرح علیؑ کی باتیں دلوں کو صاف و روشن کر دیتی تھیں۔

معاویہ نے کہا: صحیح ہے کوئی حاجت رکھتی ہو ؟

کہا: اگر میں بیان کردوں تو کیا پوری کرو گے ؟ معاویہ نے کہا: بالکل۔

کہا: سو اونٹوں کی قطار چاہتی ہوں کہ جس میں نر اور چرواہا بھی ہو۔

معاویہ نے کہا: کس لئے چاہتی ہو ؟

کہا: ان کا دودھ چھوٹے اور بے ماؤں کے بچوں کو پلاؤں گی۔ ناداروں کی مدد کروں گی، نیک کام کروں گی اور لوگوں کی اصلاح کردوں گی۔

معاویہ نے کہا: اگر دیدوں تو کیا علیؑ کی بجائے مجھ سے محبت کرو گی ؟

کہا: سبحان اللہ میں تم سے کیسے محبت کرسکتی ہوں کہ تم کسی بھی لحاظ سے ان کے برابر نہیں ہو ؟

معاویہ نے کہا: میں تمہیں سو اونٹ دیتا ہوں لیکن اگر علیؑ زندہ ہوتے تو وہ ہرگز تمہیں سو اونٹ نہ دیتے۔

کہا: خدا کی قسم وہ مسلمانوں کے مال سے مجھے ذرہ برابر بھی نہ دیتے۔

معاویہ نے حکم دیا کہ اسے سو اونٹ دیئے جائیں۔[1]

---

[1] سطور مع لنساء مومنات۔

حضرت

فاطمہ زہراؑ

ان کے بارے میں رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم فرماتے ہیں: خدا نے سب سے بڑی نعمت جو تمہیں عطا کی ہے وہ یہ ہے کہ مجھ سا باپ، علیؑ جیسا شوہر اور حسنؑ وحسینؑ جیسے بیٹوں سے تمہیں نوازا ہے۔ جب قبر میں ان سے فرشتے پوچھیں گے: تمہارا رسول کون؟ کہیں گی: میرے والد۔ اور جب امامت کے بارے میں سوال ہوگا تو کہیں گی: میرے شوہرؑ۔[1]

آپ کا طرزِ زندگی مکمل طور پر نمونہ ہے۔ عبادت کے لحاظ سے امت میں بے نظیر ہیں، عبادت میں کھڑے رہنے کی وجہ سے آپ کے پیروں پر ورم آجاتا تھا۔

رسولؐ نے آپ سے یہ سوال کیا کہ عورت کے لئے بہترین کام کیا ہے؟ تو جواب دیا تھا: وہ کسی مرد کو نہ دیکھے اور کوئی مرد اسے نہ دیکھے۔ اس پر رسولؐ نے اپنی بیٹی کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

باپ کے انتقال کے بعد کبھی آپ کو مسکراتے نہیں دیکھا گیا۔ صرف اس وقت تبسم کیا تھا جب آپ نے اس تابوت کو دیکھا جو آپ کی سفارش سے بنایا گیا تھا کہ اس سے آپ کا بدن نظر نہیں آسکتا تھا۔

---

[1] بحار الانوار ج ۴۳ ص ۲۵۶ طبع جدید

سمیّہ

عمّارِ یاسر کی والدہ، اسلام میں اوّلین شہید عورت

راہِ اسلام میں مسلمانوں میں سے آپ سب سے پہلے شہید ہوئیں۔ حق طلبی اور حقیقت جوئی کے جرم میں ابوجہل نے انھیں شکنجہ دیا اور دل پر شدید چوٹ لگ جانے سے شہادت پائی۔ یہ یاسر کی شریک حیات اور عمّار کی والدہ تھی۔ اس خاندان نے ظہورِ اسلام کی ابتداء ہی میں اسلام کے حقیقی آئین کو تہہ دل سے قبول کر لیا تھا۔ رسولؐ کو اطلاع ملی کہ انھیں شکنجہ دیا جا رہا ہے۔ فرمایا: "صبر کرو تمہاری وعدہ گاہ جنت ہے۔" صدرِ اسلام میں مسلمانوں کو بہت زیادہ تکلیفیں دی جاتی تھیں رسولؐ اور ابوبکرؓ کے علاوہ — جو کہ اپنے اپنے قبیلہ کی حمایت میں تھے — کسی کو کسی کی حمایت حاصل نہ تھی۔ شدید گرمی میں انھیں زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کر دیا جاتا تھا۔

جب جنگ بدر میں ابوجہل مارا گیا تو رسولؐ نے عمار سے فرمایا:

"خدا نے تمہاری والدہ کے قاتل کو کیفر کردار کو پہنچایا۔"

اسلام دشمن طاقتوں کے مقابلہ میں عمار کے خاندان نے صبر و استقامت سے کام لیا۔ عمار نے رسولؐ کے سامنے دشمنوں کی شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا:

"صبر کرو، خدا یاسر کے خاندان میں سے کسی کو بھی آگ میں نہیں جلائے گا۔"

مشرکین نے منصوبہ بنایا کہ مسلمانوں کو اتنی ایذائیں اور تکلیفیں دی جائیں کہ جس سے وہ اسلام سے دست کش ہو جائیں یا ان شکنجوں کی تاب نہ لا کر جان دیدیں۔

آخر کار عمار کے والدین ظالموں کی ایذاؤں کی تاب نہ لا کر چل بسے۔ عمار نے ان سے جان بچانے کی خاطر زبان سے مسلمان نہ ہونے کا اظہار کر دیا اور چھوٹ گئے۔[1]

خدا نے عمار کے بارے میں فرمایا:

"سوائے ان لوگوں کے جو کہ زبردستی زبان سے مسلمان نہ ہونیکا اظہار کرتے ہیں اور ان کا قلب مطمئن ہے۔"[2]

۱۔ سطور مع نساء مومنات

۲۔ سورۂ نحل / ۱۰۶

ہند

یہ علیؑ کی چاہنے والی وفادار شیعہ اور آپ کے مخالفوں کی سخت ترین دشمن تھی ۔ یہ شجاع و عقلمند خاتون شعر گوئی اور قوت بیان کے لحاظ سے بے نظیر تھی ۔ حجر بن عدی ایک پاک دل اور فدا کار شیعہ ہیں جو کہ معاویہ کے خونخوار جلادوں کے ہاتھوں مارے گئے اور اس مجاہد کے فقدان سے شیعوں کے دل پاش پاش ہو گئے ۔ حجر کی شہادت کے بعد ہند نے جو اشعار کہے ان کا ترجمہ یہ ہے :

"حجر کے غم میں میری آنکھوں کے آنسو رخساروں پر بہہ رہے ہیں اور رکتے نہیں ہیں"۔ پھر کہتی ہیں :

"اے ماہ درخشاں ! کیا تو جاتے ہوئے حجر کو دیکھ رہا ہے؟ وہ معاویہ کی طرف جاتے ہیں ، تاکہ راضی برضا جام شہادت نوش کریں ۔"

"اے کاش حجر اپنی موت مرتے اور انھیں شتر کی مانند نحر نہ کیا جاتا ۔ موت بزرگوں کے لئے حتمی ہے اور دنیا کسی سے وفا نہیں کرتی ہے ۔" حجر کے بارے میں عائشہ نے بھی کہا :[1]

"ہم مسلمان تاریکیوں میں گھر گئے ہیں ۔ حجر ایسے حج و عمرہ کرنیوالے مسلمان کو قتل کر دیا گیا ہے ۔"

---

[1] سطور مع نساء مومنات

لیلا غفاری

مجاہد اسلام کی مددگار

یہ جنگوں میں رسولؐ کے ساتھ رہتی تھی اور جنگ میں زخمی ہوجانے والوں کا علاج کرتی تھی۔ انھیں سے منقول ہے کہ رسول نے عائشہ سے فرمایا: "علیؑ ایمان کے پہلے درجے پر فائز ہیں"۔

یہ خاتون رسولؐ کی وفات کے بعد، علیؑ کے ساتھ اس وقت بصرہ پہنچی جب عائشہ نے بصرہ میں جنگ جمل کی بنا رکھی تھی اور جنگ جمل میں بھی زخمیوں کی مرہم پٹی کی۔ جنگ جمل ختم ہوجانے کے بعد عائشہ کے پاس گئی اور ان سے پوچھا:

کیا تم نے رسولؐ سے علیؑ کے فضائل سنے ہیں؟

عائشہ نے کہا:

ہاں! وہ — علیؑ — رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، میرے اور رسولؐ کے درمیان میں بیٹھ گئے۔ میں نے کہا: کیا تمہیں بیٹھنے کیلئے کہیں اور جگہ نہیں ملی؟ رسولؐ نے فرمایا: عائشہ! میرے بھائی سے کچھ نہ کہو کہ یہ سب سے پہلے مسلمان ہوئے اور اپنے عہد کو پورا کیا اور روز قیامت یہی سب سے پہلے مجھ سے ملاقات کریں گے۔[1]

---

1. سطور مع نساء مومنات

عمرہ

ایک عظیم شاعرہ

یہ نعمان بن بشیر انصاری کی بیٹی اور زبردست شاعرہ تھی، دمشق میں سکونت پذیر تھی، مختار ثقفی سے شادی ہوئی تھی۔ مصعب بن زبیر نے کسی کو ان کے پاس بھیجا اور کہا: اپنے شوہر کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا: وہ خدا کے شائستہ بندے تھے۔

مصعب نے عمرہ کو قید کر دیا اور اپنے بھائی عبداللہ بن زبیر کو لکھا: "عمرہ مختار کو اللہ کا رسولؐ سمجھتی ہے۔" عبداللہ نے جواب لکھا کہ عمرہ کو قید سے نکال کر قتل کر دو۔" عمرہ کو حیرہ و کوفہ کے درمیان لایا گیا۔ مصعب کے ایک سپاہی نے انھیں تین ضربت لگائی۔ عمرہ تیورا کر پڑی اور اپنی حیات کے آخری لمحات میں کہا: "ابا، اماں اور بھائیو! میری مدد کرو۔" ابان بن نعمان — جو کہ انصار میں سے ایک تھا — ان کی مدد کو پہنچا اور قاتل پر حملہ کرتے ہوئے کہا: "حرام زادہ، خدا تیرے ہاتھ قلم کرے، تو نے انھیں مار ڈالا؟"

ابان کو پولیس والوں نے گرفتار کر لیا اور مصعب کے پاس لے گئے۔ مصعب نے کہا: اسے آزاد کر دو، اس نے بہت بڑا ظلم دیکھا ہے۔ یہ واقعہ سنہ ۶۷ھ میں

رونما ہوا تھا۔

عمر بن ابی ربیعہ نے اس عظیم عورت کے بارے میں کہا ہے :

"میری نظر میں حیرت انگیز ترین امور میں سے ایک اس آزاد و سرفراز عورت کا قتل ہے۔ اسے بے جرم قتل کیا ہے، خدا اس پر رحمت نازل کرے۔"

زبیر کے بیٹے یہ چاہتے تھے کہ یہ عورت اپنے شوہر سے بیزاری کا اظہار کرے لیکن اس عورت نے جواب دیا :

"میں اس شخص سے کیسے بیزاری کا اظہار کر سکتی ہوں جو کہ راتوں کو عبادت کرتا اور دنوں کو روزہ رکھتا تھا اور خدا و رسولؐ کی راہ میں جان قربان کی۔ میں گواہی دیتی ہوں کہ وہ رسولؐ اور ان کے نواسہ کا مطیع، جنتی اور شیعہ تھا۔[1]

---

[1] سطور رمع نساء مومنات

ام معبد خزاعی

ام معبد خزاعی سخنوری و بلاغت کا بہترین نمونہ عورت تھی۔ جب رسولؐ نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی، ابوبکر اور ان کے غلام آپؐ کے ساتھ تھے، عبداللہ بن اریقط ان کے راہنما تھے، راستہ میں ام معبد کے خیمہ میں پہنچے، اس سے خرمے اور گوشت خریدنا چاہتے تھے، لیکن اس کے پاس کھانے کی کوئی چیز موجود نہیں تھی خود بھی فاقہ کر رہی تھی۔ رسولؐ نے دیکھا کہ خیمہ کے ایک گوشہ میں ایک بکری بندھی ہوئی ہے، فرمایا:

یہ کیا ہے؟ عرض کی یہ ایک بکری ہے۔ دوسری بھیڑ بکریوں سے پیچھے رہ گئی، چلنے سے معذور ہے۔ رسولؐ نے فرمایا: اجازت ہے کہ اس کا دودھ دوہ لوں؟ عرض کی اس کے تھنوں میں دودھ نہیں ہے۔ فرمایا: اجازت دو تو میں دوہ لوں۔ عرض کی: اگر دودھ ہے تو دوہ لیجئے۔

رسولؐ نے ایک دعا پڑھی اور بکری کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا، دودھ اتر آیا۔ اس کے تھنوں سے بہت سا دودھ دوہا، یہاں تک کہ سب نے سیر ہو کر پیا اور اہل خانہ کے لئے بھی بہت سا بچ گیا۔ جب ام معبد کا شوہر آیا، تو مہمان جا چکے تھے، اس نے دیکھا کہ گھر میں دودھ ہے۔ اہلیہ سے معلوم کیا اور کہا:

آج ایک بزرگوار ہمارے یہاں آئے تھے، جن کے چہرہ سے خوش خلقی اور طمانیت عیاں تھی۔ ان کی باتیں دلنواز اور چہرہ پرکشش تھی، اپنے دونوں ساتھیوں سے کہیں زیادہ اچھے اور متین تھے۔ وہ گفتگو کرتے تھے تو ساتھی خاموش رہتے تھے اور جب ساتھیوں کو حکم دیتے تو وہ اطاعت کرتے تھے۔

ابو معبد نے کہا: خدا کی قسم یہ وہی آدمی ہے جو قریش کا سردار ہے اور آج کل ہر زبان پر ان کا چرچہ ہے۔ اگر ان سے میری ملاقات ہو گئی ہوتی تو میں ان کے ساتھ جاتا۔ مجھے ان کے پاس پہنچنا چاہئے اور ان کی خدمت کرنا چاہئے۔

اس عورت نے رسولؐ کو دیکھتے ہی اپنی عقل و فراست سے ان کی عظمت کا سراغ لگا لیا اور دل نشین انداز میں اپنے شوہر کے سامنے اس طرح آپؐ کے کردار کی نقشہ کشی کی وہ آپؐ کا شیفتہ ہو گیا اور آپ کے مجاہدوں اور حقیقی پیروؤں کے صف میں شامل ہو گیا۔ [1]

---

[1] سطور مع نساء مومنات

حضرت سارہ

زوجۂ حضرت ابراہیمؑ

حضرت ابراہیم نے حالتِ شباب ہی میں اپنی خالہ کی بیٹی، سارہ سے شادی کرلی تھی۔ سارہ کی ملکیت میں بہت سی بھیڑ بکریاں تھیں، انہوں نے یہ سب اپنے شوہر کو دیدیں تاکہ وہ ان کی دیکھ بھال کریں۔

ابراہیمؑ بت پرستی سے جنگ کر رہے تھے۔ جب آپ کی تبلیغ اور یاد دہانی کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا تو آپ نے لوگوں کی آنکھوں سے بچ کر ایک روز بتوں کو توڑ ڈالا۔ نمرودیوں نے اس خداپسندانہ کام کی پاداش میں آپکو آگ میں ڈالدیا۔ لیکن خدا کے حکم سے آگ آپکے لئے گلزار بن گئی۔

نمرود نے حکم دیا کہ ان کا مال قرق کر لیا جائے اور بابل کی سرزمین سے جلاوطن کر دیا جائے۔ البتہ قاضی کے فیصلہ کے مطابق آپ کا مال واپس کر دیا گیا۔ ابراہیم بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے اور غیرت کی وجہ سے اپنی ناموس، حضرت سارہ کو ایک صندوق میں رکھ لیا تاکہ ان پر نامحرموں کی نظر نہ پڑے۔ حضرت لوط ان کے خالہ زاد بھائی تھے، وہ بھی ان کے ساتھ تھے۔

جب سرحد پر پہنچے تو سرحد کے محافظوں نے ٹیکس کے طور پر ان سے

مال کا دسواں حصہ مانگا۔ صندوق کو دیکھ کر مال کی طمع میں انہوں نے اسے کھولنا چاہا۔ ابراہیمؑ نے کھولنے سے منع کیا۔ انہوں نے اصرار کیا۔ آخر کار انہوں نے صندوق کھول دیا۔ حضرت سارہ کی خوبصورتی دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔ بادشاہ کو اس کی خبر پہنچا دی اور بادشاہ کو اس بات پر اکسایا کہ سارہ کو چھین لے۔

بادشاہ نے ابراہیمؑ کو طلب کیا اور سارہ سے ان کی نسبت کے بارے میں کچھ سوال کئے۔ ابراہیمؑ جانتے تھے اگر تقیہ نہ کریں تو جان بھی خطرہ میں ہے اور ناموس بھی۔ ناچار کہا: یہ میری ۔ خالہ زاد ۔ بہن ہیں۔ بادشاہ نے سوچا کہ سارہ کی شادی نہیں ہوئی ہے۔ لہٰذا اس نے کہا: سارہ کو محل میں پہنچا دو۔

ابراہیمؑ سارہ کے پاس آئے اور صورت حال سے انھیں آگاہ کیا اور ان سے کہا: میری باتوں کی صداقت کی گواہی دینا۔ سارہ کو بادشاہ کے محل میں پہنچا دیا گیا، جہاں انھیں بہترین لباس اور زیورات سے آراستہ کر دیا گیا۔ لیکن سارہ کے دل اور روح کو آرام نہ تھا۔ انہوں نے شاہی زندگی کی زرق و برق کو قطعی اہمیت نہ دی، مستقل اپنے باغیرت اور باوفا شوہر کی یاد میں محو رہیں۔

بادشاہ سوچتا تھا کہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا، لیکن اس نے دیکھا کہ سارہ غمگین اور پریشان ہیں۔ اس نے انھیں خوش کرنے کی بہت کوشش کی مگر اس کی کوششیں ناکام ہو گئیں، خدا نے اس کے دل میں بھی شدید اضطراب و خوف پیدا کیا دیا۔ مجبوراً وہ سارہ سے دست بردار ہو گیا۔ اس نے دوبارہ سارہ کی طرف ہاتھ بڑھایا، پھر اس کے دل میں خوف و اضطراب پیدا ہو گیا

حضرت فاطمہؑ زہراؑ نے والد کی وفات کے بعد اپنے شوہر علیؑ کے احقاق حق کیلئے بڑے کارنامے انجام دیئے۔ کہا جاسکتا ہے کہ اگر آپ کی زندگی وفا کرتی تو کامیابی یقینی تھی۔

حضرت علی کے ہمراہ چالیس دن تک انصار و مہاجرین کے گھر جاتی اور ان سے تعاون و مدد کا تقاضا کرتی تھیں وہ کہتے تھے:

اے دختر رسولؐ! ہم اس شخص — ابوبکر — کی بیعت کر چکے ہیں۔

"تمہیں یہ کیسے گوارا ہوا کہ رسولؐ کی میراث ان کے گھر سے نکال کر غیر کے گھر میں منتقل کر دی جائے؟"

"اے دختر رسولؐ! اگر آپ کے شوہر علیؑ، ابوبکر سے پہلے ہمارے پاس آتے تو ہم ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے!"

اس وقت حضرت علیؑ نے فرمایا:

"کیا یہ مناسب تھا کہ میں طاقت وحکومت حاصل کرنے کیلئے رسولؐ کا جنازہ بے غسل وکفن چھوڑ کر رقیبوں سے پنجہ آزمائی کرتا؟"

فاطمہؑ زہراؑ نے اپنے شوہر علیؑ کی بات کی تائید کرتے ہوئے فرمایا:

"علیؑ نے صرف اپنا فریضہ انجام دیا لیکن انہوں نے جو کام کیا ہے اس پر خدا اُن سے باز پرس کرے گا۔"

آپؑ نے اپنے ولولہ انگیز خطبہ میں نہایت قیمتی حقائق بیان کئے ہیں حضرت فاطمہ کا خطبہ استدلال بھی ہے اور محاکمہ بھی اور لوگوں کو یہ وصیت بھی کہ ظلم وجور کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے ثابت قدمی سے کام لیں۔

حضرت فاطمہؑ کا جہاد اتنا حقیقت پر مبنی تھا کہ آپ کے کم سن بچے بھی

مجبور ہو کر سو گیا۔ خواب میں ایسا منظر دیکھا کہ جس سے اس نے حقیقت کا سراغ لگا لیا چنانچہ اگلے دن اس نے احترام کے ساتھ سارہ کو آزاد کر دیا اور انھیں ایک کنیز ہاجرہ بھی دی اور انھیں ان کے مہربان شوہر کے پاس بھیجدیا۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ جب بادشاہ نے سارہ کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا تو اس کا ہاتھ خشک ہو گیا۔ حضرت ابراہیمؑ سے درخواست کی: میرا ہاتھ صحیح ہو جانے کی دعا کیجئے۔ اب میں سارہ کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا۔ حضرت ابراہیم نے دعا کی اس کا ہاتھ ٹھیک ہو گیا۔ لیکن اس نے دوبارہ ہاتھ بڑھایا۔ پھر اس کا ہاتھ سوکھ گیا۔ پھر اس نے ابراہیمؑ سے التماس کی اور کہا: آپ کا خدا غیور ہے۔ آپ بھی غیور ہیں، دعا کیجئے کہ میرا ہاتھ ٹھیک ہو جائے۔ اب میں ہرگز دست درازی نہیں کروں گا۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: میں اس شرط پر دعا کرتا ہوں کہ سارہ کی طرف دست درازی نہیں کرو گے۔ اس نے شرط قبول کر لی لیکن ہاتھ صحیح ہو جانے کے بعد اس نے ہاتھ بڑھایا اور ہاتھ سوکھ گیا۔ پھر اس نے حضرت ابراہیمؑ سے التماس کی۔ آپؑ نے اس شرط کی بنا پر قبول کر لیا کہ اگر اب تم نے ہاتھ بڑھایا اور وہ سوکھ گیا تو میں اس کے صحیح ہونے کی دعا نہیں کروں گا۔

اب بادشاہ پر ابراہیمؑ کی عظمت واضح ہو گئی اور اس نے آپ کو آپکی زوجہ کے ساتھ احترام کے ساتھ آزاد کر دیا اور سارہ کو ہاجرہ بخشی۔ حضرت ابراہیم نے شام کی سرزمین کے ایک علاقہ میں سکونت اختیار کی اور لوطؑ کو دوسرے علاقہ میں مقیم کیا۔ دونوں دینی تبلیغ اور توحید کے پرچار میں مشغول ہو گئے۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت سارہ سالہاسال سے ازدواجی زندگی گذار

رہے تھے۔ لیکن ان کے یہاں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ اس سے حضرت ابراھیم رنجیدہ رہتے تھے۔ سارہ بھی ان کی رنجیدگی کے سبب کو سمجھتی تھیں۔ چنانچہ سارہ نے ہاجرہ حضرت ابراھیمؑ کو ہبہ کردی، ہوسکتا ہے خدا ان سے کوئی بچہ عطا کردے اور ابراھیمؑ کو لاولدی کا غم نہ رہے۔

خداوند عالم نے حضرت ہاجرہ کو ایک بیٹا عطا کیا جس کا نام اسماعیل رکھا. مگر سارہ ان دونوں ماں بیٹے کے وجود کو برداشت نہیں کر پائی۔ لہٰذا حضرت ابراھیمؑ سے درخواست کی کہ "ان دونوں کو کہیں ایسی جگہ پر چھوڑ آیئے کہ جہاں میں انھیں نہ دیکھ سکوں۔

حضرت ابراھیمؑ انھیں وہاں سے لے کر روانہ ہوئے اور سرزمین حجاز پر کعبہ کے جوار میں چھوڑ گئے۔ اس کے بعد کبھی کبھی انھیں دیکھنے آتے تھے۔

خدا چاہتا تھا کہ حضرت ابراھیمؑ کی دونوں بیویوں سے نسل چلے، چنانچہ ہاجرہ سے اسمٰعیلؑ اور سارہ سے اسحٰقؑ پیدا ہوئے۔

حضرت اسمٰعیل پانچ سال کے ہوچکے تھے کہ فرشتے حضرت ابراھیمؑ پر نازل ہوئے اور بشارت دی کہ خداوند عالم ضعیف العمری میں ابراھیمؑ کو سارہ کے بطن سے بیٹا عطا کرے گا۔ قرآن مجید فرماتا ہے:

ولقد جاءت رسلنا ابرٰھیم بالبشریٰ قالوا سلٰماً
قال سلٰم فما لبث أن جاء بعجل حنیذ۔ فلمّا رءا
أیدیھم لا تصل إلیہ نکرھم واوجس منھم خیفۃ
قالوا لاتخف انّا ارسلنا الیٰ قوم لوط۔ وامرأتہ
قائمۃ فضحکت فبشّرنٰھا باسحٰق ومن

وراء اسحٰق یعقوب ۔ قالت یٰویلتی ءألد وانا

عجوزٌ وهٰذا بعلی شیخا انّ هٰذا لشیٔ

عجیب ۔ قالوا أتعجبین من امر اللّٰہ رحمت

اللّٰہ وبرکٰتہ علیکم اهل البیت ۔ انّہ

حمید مجید ۔ فلمّا ذهب عن ابراهیم الرّوع

وجاءته البشرٰی یجٰدلنا فی قوم لوطٍ

(ہود/ ۶۹-۷۴)

اور ہمارے قاصد ابراہیم کے پاس بشارت لیکر آئے اور انہوں نے سلام کیا۔ ابراہیم نے سلام کا جواب دیا، تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ ابراہیم انکی ضیافت کے لئے بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔ جب یہ دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے ہیں تو ان سے ڈرے۔ تو انہوں نے کہا: ڈریں نہیں ہمیں قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے، تاکہ ان پر عذاب نازل کریں۔ ان کی زوجہ وہیں پر کھڑی تھیں۔ وہ ہنس ہوگئی تھیں تو ہم نے انھیں اسحٰق اور پھر اسحٰق کے بعد یعقوب کی بشارت دی۔ سارہ نے کہا: ہائیں! اب میرے یہاں بچہ ہوگا، میں تو بوڑھی ہو چکی ہوں اور یہ میرے میاں بھی بوڑھے ہو گئے ہیں یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے۔ فرشتوں نے کہا: تمہیں حکم خدا میں تعجب ہو رہا ہے؟ اللہ کی رحمت و برکت تم گھر والوں پر ہے۔ بیشک خدا لائق حمد اور باعظمت ہے۔ پھر ابراہیم کا خوف برطرف ہو گیا اور

انھیں بشارت بھی مل گئی تو وہ قوم لوط کے بارے میں ہم سے لڑنے لگے...

یہ دلچسپ داستان، سورۂ حجر، عنکبوت، صافات اور ذاریات میں بھی بیان ہوئی ہے لیکن تفصیل سے سورۂ ہود میں بیان ہوئی ہے کہ جس کو ہم نے نقل کر دیا ہے۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ سارہ نے جب تعجب سے کہا کہ ضعیف العمر میاں بیوی کے یہاں کیسے بچہ پیدا ہوگا تو فرشتوں نے کہا:

أتعجبين من امر الله رحمة الله وبركاته
عليكم اهل البيت

(اے سارہ!) حکم خدا میں کیوں تعجب کرتی ہو؟ یعنی فرشتے، سارہ سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ تعجب کی جگہ نہیں ہے۔ کیونکہ تمہارا خاندان تو وہ ہے کہ جس پر ہمیشہ خدا کی عنایت رہتی ہے۔ چنانچہ یہ بھی خدا کی ایک عنایت ہے، کہ وہ تم کو پیری میں بیٹا عطا کر رہا ہے۔ گویا یہ خاندان خلوص و دیانت اور سلامتی کے اعتبار سے اپنے زمانہ کے لوگوں کے درمیان نمونہ ہے۔ ابراہیمؑ نبی بھی ہیں، رسولؑ بھی ہیں، امام بھی ہیں اور اولوا العزم بھی ہیں، ان کے بیٹے بھی خدا کے رسولؑ ہیں، ان کی مائیں بھی نمونہ مائیں ہیں۔

اگرچہ حضرت لوط بھی رسول ہیں لیکن ان کی بیوی ان لوگوں میں سے ایک ہیں جو قوم لوط کے عذاب میں گرفتار ہو کر ہلاک ہوئے۔ اگر حضرت لوط کے خاندان سے زوجہ کو الگ کر دیا جائے تو ان کا خاندان بھی نمونہ خاندان ہے۔ اس خاندان کے سبھی افراد یعنی حضرت اور ان کی بیٹیاں سبھی صاحب کمال اور شائستہ ہیں۔

گویا قرآن مجید لفظ اہل بیت کو خاص توجہ کے ساتھ استعمال کرتا تھا ، اس لفظ کو ایک خاندان کے سبھی افراد ، زوجہ ، بیٹے اور ماں باپ کیلئے استعمال کرنا نہیں چاہتا ہے ۔ بلکہ اس کی توجہ اس بات پر ہے کہ خاندان کے افراد کے درمیان سببی اور نسبی رشتہ کے علاوہ خاص معنوی و ایمانی رابطہ بھی ہونا چاہیئے ۔ اس بنا پر حضرت نوح کا بیٹا اہل بیت میں سے نہیں ہے اور زوجہ بھی لوط کے اہل بیت میں سے نہیں ہے ۔ لیکن حضرت ابراہیم کی بیویاں اور بیٹے ان کے اہل بیت میں شامل ہیں ۔ چنانچہ سورۂ احزاب ــ ۳۳ ــ کی آیۂ تطہیر میں لفظ "اہل بیت" سے علیؑ فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ مراد ہیں ۔ اہل بیت میں رسولؐ کی ازواج شامل نہیں ہیں ۔ بعد میں رسولؐ سلمان فارسی کو اہل بیت میں شامل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں :

سلمان منا اهل البیت ۔ بنا بر این اگر سببی و نسبی رابطہ بھی نہ ہو لیکن معنوی اور مخصوص رابطہ ہو تو بھی اس پر اہل بیت صادق آتا ہے ۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ حضرت نوح اپنے بیٹے کو اپنے اہل میں شمار کرتے ہیں اور خدا فرماتے : انہ لیس من اهلک ہود/۴٦ وہ تمہارے اہل سے نہیں ہے معلوم ہوا کہ اہل بیت میں شامل ہونے کیلئے انبیاء کے خاندان کے افراد کیلئے سببی و نسبی رابطہ کافی نہیں ہے بلکہ ضروری بھی نہیں ہے اور ایمانی رشتہ بھی کافی نہیں بلکہ خاص رابطہ درکار ہے ۔ اس لئے ابوذر جیسے صحابی اہل بیت میں شامل نہ ہو سکے ۔ صرف سلمان کو اہل بیت میں شمار کیا جاتا ہے ۔ اس سے قطع نظر رسولؐ کی ازواج ، ام سلمہ جیسی باعظمت مسمات بھی اہل بیت میں نہیں گنی جا سکیں ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ افراد خاص

روحی رابطہ برقرار نہیں کر پاتے تھے۔

امویوں میں سے ایک آدمی روتا ہوا امام محمد باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ امام نے اس سے رونے کا سبب معلوم کیا۔ اس نے عرض کی کہ میںؑ اس بات پر رو رہا ہوں کہ امویوں میں سے ہوں۔ امام نے اس سے فرمایا:

انت اموی منّا اهل البیت

تم اموی ہو لیکن ہمارے اہل بیت میں شامل ہو۔

اس طرح یہ اموی بھی — نسبی و نسبی رابطہ کی بنا پر نہیں بلکہ — خاص ایمانی رشتہ کی بنا پر رسول کے اہل بیت کے زمرہ میں شامل ہو گیا۔

لفظ "اہل البیت" قرآن میں صرف دو جگہ پر استعمال ہوا ہے۔ ایک سورۂ احزاب میں، وہاں اہل بیت سے مراد پنجتن ہیں، دوسرے سورۂ ہود میں اور وہاں اہل بیت سے حضرت ابراہیم کا خاندان مراد ہے۔[1]

---

[1] قصص قرآن صدر بلاغی، قصص قرآن از حجۃ الاسلام والمسلمین رسولی۔ داستان ابراہیم و تفسیر المیزان ج ۱۰ ص ۳۱۹ اور اس کے بعد۔

امّ وہب

زوجۂ عبداللہ بن عمیر

یہ مجاہدہ، دلیر اور غیرت و شجاعت والی عورت تھی۔ ان کے شوہر عبداللہ ابن عمیر کوفہ آئے اور کوفہ کے کسی محلہ میں ٹھہرے۔ ام وہب بھی ان کے ہمراہ تھی ایک روز دیکھا کہ اہل کوفہ نخیلہ میں جمع ہو رہے ہیں اور امام حسینؑ سے جنگ کرنے کیلئے تیار ہو رہے ہیں۔ اپنے دل میں سوچا:

"میں ہمیشہ یہ آرزو کرتا تھا کہ مشرکوں سے جہاد کروں۔ میں سمجھتا ہوں کہ دخترِ رسولؐ کے بیٹے سے جنگ کرنے والوں سے جنگ کرنا مشرکوں سے جنگ کرنے سے کم نہیں ہے۔"

اپنی زوجہ ام وہب کے پاس آئے انھیں اپنے ارادہ سے آگاہ کیا۔ ام وہب نے کہا: بہت نیک ارادہ ہے، جتنی جلد ہو سکے تیار ہو جاؤ اور مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔

رات ہوئی تو دونوں مرد و عورت کربلا کی طرف روانہ ہوئے۔ امام حسینؑ کی خدمت میں شرف یاب ہوئے۔ عاشور کی صبح کو سب سے پہلے عمر و بن سعد نے خیمہ گاہ امام حسینؑ کی طرف تیر پھینکا اور اس کے بعد اس کی فوج نے خیموں پر

تیروں کی بوچھاڑ کر دی جس سے امام حسینؑ کے بعض اصحاب شہید ہو گئے۔ اس کے بعد زیاد بن ابیہ اور عبد اللہ کے دو غلام میدان میں آئے اور مبارز طلب کرنے لگے۔ حبیب ابن مظاہر و بریر بن خضیر ان سے جنگ کے لئے اٹھے، امام حسینؑ نے انھیں بٹھا دیا۔

عبد اللہ بن عمیر اٹھے اور خدمتِ امام میں عرض کی: خدا آپ پر رحمت نازل کرے، مجھے اجازت دیجئے کہ میں ان سے جنگ کیلئے جاؤں، آپ نے ان پر ایک نظر ڈالی، انھیں طاقت اور قوی الجثہ انسان پایا۔ فرمایا: میری نظر میں یہ دشمن کیلئے سخت مقابل ہے جو شکست کھانے والا نہیں ہے۔ اگر ان سے جنگ کے لئے جانا چاہتے ہو تو جاؤ۔ عبد اللہ میدان میں آئے اور ان کے مقابلہ میں کھڑے ہو گئے انہوں نے کہا: تم کون ہو؟ عبد اللہ نے اپنا تعارف کرایا۔ غلام کہنے لگے: ہم تمہیں نہیں پہچانتے ہیں ہمارے مقابلہ میں حبیب بن مظاہر یا زہیر بن قین یا بریر بن خضیر کو آنا چاہئے عبد اللہ نے کہا: زنا زادو! تم یہ چاہتے ہو کہ جو تم سے جنگ کیلئے آئے۔ وہ تم سے بہتر ہو؟! یہ کہکر ان پر حملہ کر دیا اور تھوڑی ہی دیر میں دونوں کو مار گرایا اور اس طرح رجز پڑھا:

"اگر تم مجھے نہیں پہچانتے ہو تو جان لو کہ میں عبد اللہ بن عمیر کلبی ہوں اور طائف علیم سے میرا تعلق ہے۔ میں باغیرت و متعصب ہوں اور سختی کے وقت ذلت قبول نہیں کرتا ہوں۔"

اے ام وہب! میں تم سے آگے آگے ان سے جنگ کروں گا اور اپنے طعنوں اور ضربوں سے انھیں ہلاک کروں گا۔ اس وقت ام وہب نے بھی ایک چوبِ خیمہ اٹھائی، شوہر کے پاس پہنچ گئی اور کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! ذریت

رسولؐ کا دفاع کرنے کیلئے جنگ و فداکاری کیجئے اور شوہر کا دامن پکڑ کر کہا: میں بھی تمہارے ساتھ مرونگی۔

امام حسینؑ نے انھیں بلایا اور فرمایا: خدا تمہیں جزائے خیر دے تم عورتوں کی طرف پلٹ جاؤ اور انہیں کے ساتھ رہو، کیونکہ جنگ کرنا عورتوں کا فریضہ نہیں ہے۔ ام وہب نے امامؑ کے حکم اطاعت کی اور واپس لوٹ گئی۔ عبداللہ کوفے کے درندوں کے ہاتھوں مارے گئے، اپنے خون میں نہا گئے۔ ام وہب ان کے سرہانے پہنچی اور ان کے سر سے خاک و خون صاف کرتے ہوئے کہا: تمہیں جنت مبارک ہو۔ شمر نے اپنے غلام رستم سے کہا: اس کے سر پر چوب خیمہ مار کر اس کا کام تمام کر دو؛ مختصر یہ کہ ام وہب کی بھی آرزو پوری ہو گئی اور شوہر کے ساتھ جام شہادت نوش کیا یہ پہلی عورت ہے جو کربلا میں شہید ہوئی۔[۱]

---

[۱] سطور مع نساء مومنات

بلقیس

شہزادیٔ سبا

اس نمونہ اور عقلمند و ہوشیار عورت کی داستان سورۂ نمل میں بیان ہوئی ہے۔ یہ حضرت سلیمان کی ہمعصر ہیں۔ سلیمان وہ پیغمبر ہیں جو تخت حکومت پر بیٹھے اور اپنی حکومت کے قلمرو میں لوگوں کو عدل و دین سے مالامال کیا اور انکی دنیا و آخرت کو سنوار دیا۔

حضرت سلیمان کی حکومت، خدا کی حکومت کا مکمل جلوہ ہے۔ ان کی حکومت صرف انسانوں ہی پر نہیں تھی بلکہ جنات و طیور پر بھی ان کا حکم چلتا تھا۔ اذنِ خدا سے ہوا ان کے تابع تھی۔ آپ چیونٹیوں تک کی زبان سمجھتے تھے۔ اپنی بہترین حکومت کے زمانہ میں انہوں نے اپنے ملک شام و فلسطین کو چار چاند لگائے۔ اگرچہ بعض لوگوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ان کا پائے تخت شیراز تھا اور ان کی یادگار وہ محل ہے جو آج تخت جمشید کے نام سے مشہور ہے۔ گویا حافظ نے درج ذیل شعر میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے:

دلم از وحشت زندان سکندر بگرفت ⁂ رخت بر بندم تا ملک سلیمان بروم

اس شعر میں ملک سلیمان سے شیراز مراد ہے۔ ملکِ سلیمان کی ایک یادگار بیت المقدس ہے۔ اس کی تعمیر کا کام حضرت داؤد نے شروع کیا تھا اور سلیمان

اپنی بچپنے کی طاقت کے مطابق آپ کی مدد کرتے تھے۔ چنانچہ وہ کامیابی کی امید اور لوگوں کو حقائق سے واقف کرنے کیلئے ہر موقعہ سے فائدہ اٹھاتے اور حقائق سے پردہ اٹھاتے تھے۔

اسی بچپنے کے زمانہ میں ایک روز امام حسن علیہ السلام مسجد میں تشریف لائے، ابوبکر منبر پر بیٹھے تھے۔ بچہ آگے بڑھا اور ان سے کہا:

"اترو!... میرے باپ کے منبر سے اترو! اپنے باپ کے منبر پر بیٹھو!"

اس سے ابوبکر متحیر ہو گئے اور لوگ حیرت زدہ ہو کر نواسۂ رسولؐ کو دیکھنے لگے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ رسولؐ کا اتباع کرنے والے ان کی ناراضی کو برداشت کر لیں؟

ابوبکر نے اپنی چالاکی سے معاملہ ختم کر دیا۔ امام حسنؑ کو مخاطب کر کے مشفقانہ انداز میں کہا:

"خدا کی قسم تم سچ کہتے ہو۔ منبر تمہارے ہی باپ کا ہے، میرے باپ کا نہیں ہے۔"

صدر اسلام کے حوادث، تاریخ کے عجوبے ہیں۔ سب کو معلوم تھا کہ خدا اور اس کے رسولؐ کے نزدیک فاطمہؑ کی بڑی شان ہے۔ بہت سے قرائن موجود ہیں، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کی یہ مثالی خاتون اپنے والد کی وفات کے بعد زیادہ دن زندہ نہ رہیں، نہ صرف یہ کہ آپ کو آرام و سکون ہی نصیب نہیں ہوا بلکہ نہایت ہی رنج و محن کے ساتھ زندگی بسر کی۔ آخر کار روحی و جسمی مصائب و آلام نے آپ کی جان لے لی۔

خلیفۂ دوم ایک گروہ کے ساتھ درِ فاطمہؑ پر پہنچے اور چلا کر کہا:

نے اس کی تکمیل کی۔ جب اس کی تعمیر مکمل ہوگئی تو آپ بیت اللہ کی زیارت کے قصد سے حجاز کی طرف روانہ ہوئے کچھ دنوں تک حرم الٰہی کی سرزمین پر ٹھہرے اور وہاں سے یمن چلے گئے، صنعا میں پانی کی جستجو میں مشغول ہوئے لیکن کامیاب نہ ہوئے۔

سلیمان پانی تلاش کرنے کے سلسلہ میں، ہدہد سے کام لینا چاہتے ہیں۔ کیونکہ ہدہد بہت ہوشیار پرندہ ہے یہاں تک بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ زمین کی گہرائیوں میں پانی کو اسی طرح دیکھ لیتا ہے، جس طرح ہم گلاس میں دیکھتے ہیں۔

حضرت سلیمان پانی ڈھونڈ رہے تھے لیکن راقم تقدیر نے کچھ اور لکھا تھا۔ وہ پیاسوں کو سیراب کرنے کے لئے پانی کی تلاش میں تھے، لیکن ہدہد پیاسوں کی کھوج میں نکل گیا تھا کہ اگر پیاسا اور پیاس کا وجود ہوگا تو لامحالہ پانی بھی ہوگا

آب کم جو تشنگی آور بہ دست ؛ تا بجوشد آبت از بالا و پست

بہرحال ہدہد غیر حاضر رہا، اس کی غیر متوقع غیر حاضری سے سلیمانؑ کو غصہ آگیا۔ قرآن کہتا ہے:

وتفقد الطیر فقال مالی لا اری الھدھد ام کان من الغائبین (نمل/۲۰)

پرندہ کو نہ پایا تو کہا: کہیں ہدہد نظر نہیں آرہا ہے! کیا وہ غائب ہے؟

اس کے بعد فرماتے ہیں:

لاعذبنہ عذابا شدیدا اولاذبحنہ اولیاتینی

میں اسے ضرور سخت سزا دوں گا یا ذبح ہی کر ڈالوں گا مگر یہ کہ وہ خود کو بچانے کیلئے واضح دلیل پیش کرے۔

تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ ہدہد لوٹ آیا، معذرت چاہی اور جس چیز کا سراغ لگایا تھا اس سے حضرت سلیمان کو آگاہ کیا، اس سے آپؑ بہت متاثر ہوئے ابھی تک جناب سلیمان کو یہ خبر نہ تھی کہ ان کا ہمسایہ دنیوی و مادی نعمتوں سے بہرمند ہوں اور معنوی نعمتوں سے بے بہرہ ہوں اور جائے افسوس ہے کہ جس زمانہ میں سلیمان جیسے عدل گستر بادشاہ کی حکومت ہو اس زمانہ میں ان کے ہمسایہ ملک میں خدا پرستی اور دین داری کے سرچشمہ سے لوگ محروم رہیں۔

سلیمان کو بڑا شوق تھا کہ ہدہد اس کی تفصیل بیان کرے جو کہ اس نے دیکھا ہے تا کہ پھر ضروری اقدامات کئے جائیں۔

ہدہد نے کہا:

انی وجدت امراۃ تملکھم و اوتیت من کل شئ ولھا عرش عظیم وجدتھا و قومھا یسجدون للشمس من دون اللہ وزین لھم الشیطان اعمالھم فصدھم عن السبیل فھم لا یھتدون الا یسجدون للہ الذی یخرج الخبأ فی السموات والارض و یعلم ما تخفون ما تعلنون۔ اللہ لا الٰہ الا ھو رب العرش العظیم (النمل / ۲۳-۲۶)

میں نے ایک عورت کو دیکھا ہے جو سب پر حکومت کر رہی ہے اور اسے

دنیا کی ہر چیز حاصل ہے۔ اس کے پاس بہت بڑا تخت ہے۔ میں نے دیکھا
کہ وہ اور اس کی قوم سورج کی پوجا کر رہی ہے، خدا کی عبادت سے
محروم ہیں۔ شیطان نے ان کی نظر میں ان کے اعمال کو سجا دیا ہے اور
انھیں راہ راست سے روک دیا ہے۔ اب وہ ہدایت سے دور ہیں۔ اب
انکی سمجھ میں یہ بات بھی نہیں آتی ہے کہ کیوں نہ اس خدا کو سجدہ کریں کہ
جو زمین و آسمان کے پوشیدہ اسرار کو ظاہر کرنے والا ہے اور جو کچھ
لوگ چھپاتے اور ظاہر کرتے وہ سب کا جاننے والا ہے۔ وہ اللہ
ہے جس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے وہی عظیم عرش کا پروردگار ہے۔
ہدہد کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک سبا کی ملکہ بے نظیر تھی اور
اس کی سلطنت و بادشاہی بھی کم نظیر تھی اور اس کی بادشاہی کا تخت عظیم تھا۔
بعض روایات میں بیان ہوا ہے۔ کہ تخت تیس میٹر لمبا اور تیس میٹر چوڑا تھا، مختصر
یہ کہ اس کا تخت ہر لحاظ سے عظیم تھا۔ لیکن خدا کے عرش کے سامنے اس کی کوئی حیثیت
درحقیقت نہیں ہے۔ ہدہد کی اس رپورٹ سے، اگر اس کی بات صحیح ہے تو
اس کی جان بھی بچ جائے گی اور اس کے سپرد بڑی ذمہ داری کی جائے گی۔ سلیمان
حیرت زدہ رہ گئے اور اس سے کہا:

سننظر اصدقت ام کنت من الکاذبین (نمل/٢٧)

ہم دیکھتے ہیں کہ تم نے سچ کہا ہے یا جھوٹوں میں سے ہو؟

سلیمان نے کتنا اچھا برتاؤ کیا وہ نہیں چاہتے کہ ہر صورت میں مشت
بھر پرندے کی مذمت کریں اور دوسروں کی عبرت کیلئے اسے سزا دیں یا
ذبح کر دینے کا حکم صادر کر دیں۔

بنابراین تحقیق کے بغیر نہ اس کی باتوں کی تصدیق کرتے ہیں اور نہ تکذیب کرتے ہیں بلکہ کہتے ہیں:

اذھب بکتابی ھٰذا فالقہ الیھم ثمّ تولّ
عنّھم فانظر ماذا یرجعون (نمل / ۲۸)

یہ میرا خط لے جاؤ اور ان کے پاس ڈال دو اور خود وہیں کسی گوشہ میں چھپ جاؤ اور دیکھو کہ وہ کیا کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں وہ آپس میں کیا گفتگو کرتے ہیں۔

سلیمان اس طرح ہدہد کو بھی آزمانا چاہتے ہیں اور اپنا تبلیغی فریضہ ــ جو کہ خدا کے تمام پیغمبروں کا فریضہ ہے ــ بھی انجام دیتے ہیں سلیمان نبوت تبلیغی کے حامل ہیں، اولوالعزم پیغمبروں کی مانند نہیں ہیں کہ وہ نبوتِ تشریعی کے بھی حامل ہوتے ہیں اور نبوتِ تبلیغی کے بھی۔ اس میں شک نہیں ہے کہ داؤد کے بیٹے کے پاس یہ ظاہری امکانات و وسائل اور مادی طاقت و قدرت ــ جو کہ گذشتہ انبیاء کو نصیب نہیں تھے ــ تبلیغ کے لئے تھے، مقام و منصب کے لئے تبلیغ نہیں تھی۔ یہ ان کیلئے تبلیغ کا ذریعہ ہیں۔ ان کا آخری مقصد خدا ہے اس لئے ملکہ اور اس کے ملک کے حکام کو اس مضمون کا خط لکھا تھا:

انّہ من سلیمان وانّہ بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم
الّا تعلوا علیّ واتونی مسلمین (نمل / ۳۰ و ۳۱)

یہ خط سلیمان کی طرف سے ہے، جس کا آغاز رحمٰن و رحیم خدا کے نام سے ہوا ہے اور ہمیں حکم دیا ہے کہ مجھ پر برتری کی کوشش نہ کرو اور مطیع ہو کر میرے پاس چلے آؤ۔

درحقیقت پہلی آیتوں کی حکایت کی بنا پر سلیمانؑ کے خط کا مضمون یہ تھا: رحمٰن ورحیم خدا کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ میرے اوپر برتری کی کوشش نہ کرنا اور اطاعت کی صورت میں میرے پاس آجاؤ۔

کتنا قطعی اور محکم! سورج کو پوجنے والے صائبین ہی کا ایک گروہ ہے، خدا کو نہیں مانتے نہ اس کی رحمانیت ورحیمیت کے قائل ہیں۔ درحقیقت وہ عبادات میں شرک کرتے ہیں۔ سلیمان جس چیز سے خط کی ابتداء کرتے ہیں وہ ان کے لئے عجیب ہی نہیں بلکہ ان کے لئے قابلِ قبول ہے اور ان کے یقین کے مطابق ہے۔ خدائے عظیم کی مخلوقات خالقِ یکتا کی عبادت کی بجائے دوسری مخلوقات کی عبادات کس دلیل سے کرتی ہیں؟! بنابراں یہ کتنی اچھی بات ہے کہ وہ عقل سے کام لیں اور اپنی توحیدی فطرت کی طرف لوٹ آئیں، نظامِ تخلیق کو مذاق نہ سمجھیں اور خدا کو فراموش کر کے سرکشی پر کمر نہ باندھیں اور اس کے علاوہ اگر دوسرا راستہ اختیار کرتے ہیں تو کچلے جائیں گے۔ کیونکہ جو لوگ اپنی فطرت کو کچلتے ہیں۔ انہیں اپنے کچلے جانے ہی کی توقع رکھنی چاہئے۔

حقیقت یہ ہے کہ سلیمان دینِ خدا کے بلکہ پیغامِ فطرت کے مبلغ ہیں پاک و توحیدی فطرت کے، یہ لوگ جہالت و شہوتوں کی بھینٹ چڑھ گئے ہیں۔ اگر یہ خود ہی اپنے پاؤں سے اپنی اصلی جگہ لوٹ آئیں اور خود سے بیگانگی کے سلسلہ میں اس سے آگے نہ بڑھیں تو بہت اچھی بات ہے ورنہ سلیمان کی سرکردگی میں لشکرِ توحید پاک فطرت کے تحفظ کی خاطر ان پر حملہ کرے گا اور پاک توحیدی فطرت کا ان سے انتقام لے گا۔

بہرحال، ہدہد، خدا کے پیغمبر کا خط، شہر مأرب، لے گیا اور بلقیس کے

محل میں ڈال دیا۔ بلقیس نے خط اٹھایا، پڑھا۔ بلقیس حکومت اور جاہ و منصب پر مغرور نہیں ہیں۔ واقعی ایسی آزاد فکر اور آزاد عورت قابل تعظیم ہے۔ وہ ان رہبروں میں سے نہیں ہیں جو حق و حقیقت کو قبول نہیں کرتے اور ملک و ملت کو فنا کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔ کتنے ہی لوگوں نے جان بوجھکر حق و حقیقت کو پامال کر دیا اور اپنی طاقت کے غرور میں مست رہے۔

حکومت کے سربراہوں سے مشورہ

بلقیس خدا کے پیغمبر کے خط کی بے حرمتی نہیں کرتی ہیں اور نہ عجلت سے کوئی منصوبہ بناتی ہیں بلکہ سربراہوں کو بلاتی ہیں، ان سے مشورہ طلب کرتی ہیں۔ اس منطقی سیاست کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

قالت یا ایّھا الملؤا انی القی الیّ کتاب کریم

(نمل / ۲۹)

بلقیس نے کہا: اے قوم کے بزرگو! میرے پاس ایک گرامی نامہ آیا ہے۔ اس طرح انھیں اس سے آگاہ کرتی ہیں کہ ان کے پاس کس طرح خط بھیجا گیا ہے اور جو پرندہ اس رقعہ کا حامل تھا وہ کس طرح ان کے پاس خط پہنچاتا ہے۔ بلقیس نے ان کے سامنے خط پڑھا اور دو اعتبار سے خط کو مقدس و محترم سمجھا۔ ایک خط کے مضمون کے اعتبار سے کہ اللہ — اور اس کی رحمانیت و رحیمیت — کے نام سے شروع ہوا ہے۔ دوسرے خط بھیجنے والے کے لحاظ سے کہ وہ ظاہری و باطنی عزت اور معنوی و مادی طاقتوں کے مالک ہیں۔ معمولی بادشاہوں میں سے نہیں ہیں۔

اس کے بعد قرآن مجید بلقیس کی حکیمانہ باتوں کو اس طرح نقل کرتا ہے:

قالت یا ایھا الملأ افتونی فی امری ما کنت قاطعة امراً حتیٰ تشھدون (نمل/ ۳۲)

بلقیس نے کہا: اے قوم و ملک کے بزرگو! میرے کام کے بارے میں مجھے مشورہ دو تم جانتے ہو کہ میں ظالم و خود سر ملکہ نہیں ہوں اور تمہارے مشورے کے بغیر میں اپنی ملت و مملکت کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کرتی ہوں۔

آپ یہ تصور نہ کریں کہ قرآن صرف قصہ سنانا چاہتا ہے۔ بلکہ قرآن مجید اس قصہ کو سنا کر حکومت و زمام داری کا درس دینا چاہتا ہے، تاکہ اگر اس کے ماننے والوں کے ہاتھ میں حکومت آجائے تو وہ خدا اور لوگوں کو فراموش نہ کریں اور ظلم و ڈکٹیٹری میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

قرآن مجید نے حکومت کے بارے میں ہمیں یہ سبق دیئے ہیں۔ اسی طرح دوسری چیزوں کے بارے میں بھی درس دیئے ہیں" تاکہ ہم قرآن کے دستور پر عمل کر کے دنیا والوں کے سامنے ایک نمونہ زندگی پیش کریں اور قرآن کی اصطلاح میں امت وسط بن جائیں۔

اگر ائمہ معصومین چند دن کے لئے خلافت ظاہری پر متمکن ہوئے ہیں تو عملی طور پر لوگوں کو یہی سبق دیا ہے تاکہ وہ یہ جان لیں کہ ان قوانین پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

ملکۂ سبا ر دوراہے پر کھڑی ہے۔ ایک راستہ دنیا و آخرت کی کامیابی کی طرف جاتا ہے۔ صرف اسی کے لئے نہیں بلکہ اس کی پوری ملت کیلئے

دوسرا راستہ دنیا و آخرت کی ناکامی اور مملکت کی تباہی و جنگ کی آگ بھڑکانے کی طرف جاتا ہے۔

مملکت کے سربراہ بیوقوفی میں دوسرا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ گویا وہ ابھی تک ملکہ کی دور اندیشی اور اپنے ملک کی بھلائی کے بارے میں غور نہیں کر پائے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اس کے لئے یہ جواب مسرت آگیں ہوگا چنانچہ وہ ایک لمبی جنگ کا اعلان کرتے ہیں قرآن مجید ان کی بات کو اس طرح نقل کرتا ہے:

قالوا نحن اولوا قوۃ اولوا باس شدید والامر الیک فانظری ماذا تامرین (نمل/۳۳)

انہوں نے کہا: ہم طاقت ور ہیں، میدان کارزار میں دلیر و شجاع ہیں۔ سارے امور کی زمام آپ کے اختیار میں ہے۔ آپ جو حکم فرمائیں۔

وہ اس طرح اس کی پریشانی کو دور کرنا چاہتے ہیں اور فیصلہ کرنے میں آزاد چھوڑ دیتے تاکہ جو چاہے فیصلہ کرے۔ لیکن ملکہ ان کی مانند نہیں ہے کہ مصلحت کو نہ سوچے اور ملک و ملت کے مفاد کو فراموش کردے اور ایسی آگ بھڑکا دے جو کہ ہر چھوٹے بڑے کو نقصان پہنچائے پھر قرآن مجید اس کی مآل اندیشی، تدبیر اور درایت سیاست کی اس طرح خبر دیتا ہے:

قالت ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا وجعلوا اعزۃ اھلھا اذلۃ وکذالک

يفعلون و انی اليهم بهدية فناظرة

يرجع المرسلون (نمل/ ۳۴ و ۳۵)

بلقیس نے کہا: جب بادشاہ شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اسے ویران کر دیتے ہیں، اور شہر کے معزز لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں، ایسا ہی کرتے ہیں۔ میں ان کے پاس ہدیہ بھیجتی ہوں اور دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لاتے ہیں۔

سب نے ان کی اس رائے سے اتفاق کیا اور ملکہ کی عقل و درایت کو شاباش کہا۔ لیکن بلقیس کے اس اقدام کا مقصد دوسرا ہے۔ وہ سلیمان کا امتحان لینا چاہتی ہے تاکہ اسے یہ معلوم ہو جائے کہ سلیمان کا مقصد کیا ہے؟ کیا ان کا مقصد ملک کشائی اور مال و دولت جمع کرنا ہے؟ یا ان کا مقصد توحید کی طرف دعوت دینا، خدا کے احکام کی تبلیغ اور پیغام پہنچانا ہے؟

اس لئے ملکہ منصوبہ سازی کو دوسرے وقت پر موقوف کر دیتی ہے اور جنگ کے نتائج و خسارے بیان کر کے، سربراہان مملکت کو یہ باور کراتی ہے کہ اس نازک مسئلہ میں عجلت پسندی سے کام نہیں لینا چاہئے۔ اگر سلیمان کا مقصد ملک کشائی اور لوٹ مار ہے تو جب تک دم میں دم ہے جنگ کریں گے اور اگر ان کا ارادہ نیک ہے تو پھر ہم جنگ کیوں کریں، جنگ کا نتیجہ سوائے ویرانی، تباہی، مفلسی اور مصیبت کے اور کچھ نہیں ہے۔ اس رہبر سے کیوں لڑیں کہ جس کا مقصد صرف توحید کا پرچار ہے؟!

بلقیس نے تحائف اور ہدیوں کے ساتھ ایک وفد حضرت سلیمان کے پاس بھیجا۔ لیکن ابھی یہ وفد سلیمان کے ملک میں داخل بھی نہ ہوا تھا کہ

ہدہد نے جناب سلیمان کی خدمت میں اپنی کارکردگی کی پوری رپورٹ پیش کی۔

بلقیس نے جو ہدیئے بھیجے تھے، ان میں گراں قیمت جواہرات اور کچھ حسین وجمیل کنیز و غلام تھے۔ نہ سلیمان کو ان کی ضرورت ہے اور نہ ہی وہ حسن و زر کے شیدا ہیں۔ اس لئے یہ طے کیا کہ بلقیس کے وفد سے اس طرح کا سلوک کیا جائے کہ جس سے وہ یہ بھی سمجھ جائیں کہ آپ ان چیزوں سے بے نیاز ہیں اور آپ کی بے اعتنائی بھی ظاہر ہو جائے۔ اس لئے حکم دیا کہ وفد کے آنے سے پہلے محل کو آراستہ کر دیا جائے۔ وفد آگیا اور اس آرائش و سجاوٹ سے انگشت بدندان رہ گیا اور خود کو حقیر محسوس کرنے لگا کیونکہ اس آرائش کے مقابلہ میں ان جواہرات کی کوئی قیمت نہ تھی۔

خدا کی نعمتیں خدا کے بندوں کے لئے خلق کی گئی ہیں، خدا کے بندوں کو ان سے فائدہ حاصل کرنا چاہیئے۔ ہاں ان کا شیفتہ نہیں ہونا چاہیئے اور ان پر اپنے دین وایمان اور وجدان وضمیر کو قربان نہیں کرنا چاہیئے اور نہ ہی ایک گروہ کو مالدار اور دوسرے کو محروم ہونا چاہیئے۔ ملک سلیمان میں طبقاتی فاصلوں کو مٹا دیا گیا تھا اور لوگ خدائی قوانین، سلیمان عادل حکومت اور آسمانی پیشوا کی صحیح تدبیر کی برکت سے نازو نعمت کی زندگی بسر کر رہے تھے اور اپنے دین و دنیا کو آباد کر رہے تھے۔

بنا برایں زر و مال کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اصلی مقصد انسانوں کو بیدار کرنا اور ان کی نجات ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے:

فلما جاء سلیمان قال اتمدونن بمال فما آتانی الله خیر مما آتاکم بل انتم بھدیتکم تفرحون

"جو لوگ گھر کے اندر ہیں وہ باہر نکل آئیں ورنہ میں گھر کو اس کے مکینوں کے ساتھ جلا دوں گا"۔ بعض لوگوں نے اسے اس ظلم سے باز رکھنے کے لئے کہا: "اس گھر میں فاطمہؑ بھی ہیں۔!"

لیکن خلیفۂ دوم نے چلّا کر کہا: "کوئی بھی ہو۔" ابھی رسول اکرمؐ کا کفن بھی میلا نہیں ہوا تھا کہ حالات نے فاطمہ کو یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ "میں نے تم سے زیادہ بدخو کوئی مرد نہیں دیکھا۔ رسولؐ کا جنازہ تم نے ہمارے پاس چھوڑا اور خود اپنے کام کے چکر میں چلے گئے۔ آخر تم ہمارے درپے کیوں ہو؟ اور ہمارا حق ہمیں کیوں نہیں دیتے؟

عمر بجائے اس کے کہ فاطمہؑ کے کلام سے عبرت حاصل کرتے، ابوبکر کے پاس گئے اور ان سے کہا: "علی کو حاضر کئے جانے کا حکم صادر کر د۔" اب قنفذ کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ علیؑ مسجد میں آئیں، لیکن علیؑ مسجد میں نہ آئے تو عمر دوبارہ درِ فاطمہؑ پر آئے دروازہ کھٹکھٹایا۔ فاطمہؑ باہر نکلیں اور شکوہ آمیز لہجہ میں فرمایا:

"بابا! اے اللہ کے رسولؐ! آپ کے بعد ہم ابن خطاب اور ابن ابی قحافہ سے کیا ستم دیکھ رہے ہیں۔"!؟

آخر کار علیؑ کو مسجد لے گئے تاکہ وہاں آپ سے زبردستی بیعت لے سکیں۔

مسعودی لکھتے ہیں:

علی اور ان کے طرفدار گھر میں رہے تاکہ پیغمبرؐ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کر سکیں۔ لیکن گھر پر حملہ ہو گیا۔ دروازہ کو آگ لگا دی گئی اور علیؑ کو زبردستی گھر سے باہر نکالا اور فاطمۂ زہراؑ پر دروازہ گرا دیا، جس سے آپؑ کا محسن ساقط ہو گیا۔ مسجد میں علیؑ سے بیعت لینا چاہی، آپؑ نے بیعت سے پہلو تہی کی تو انہوں نے علیؑ کو قتل کی دھمکی دی۔ آپؑ نے فرمایا: اگر مجھے قتل کروگے تو سمجھ لو کہ میں خدا

ارجع الیھم فلنا تینھم بجنود لا قبل لھم بھا ولنخرجنھم منھا اذلۃ وھم صاغرون

(نمل / ۳۶ و ۳۷)

جب وہ — ملکہ سبا کا بھیجا ہوا وفد — سلیمان کے دربار میں پہنچا تو فرمایا: کیا تم مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو؟ تو خدا نے مجھے اس سے بہتر عطا کیا ہے جو تم میرے لئے لائے ہو بلکہ تم اپنے ہدیوں پر خوش ہو، تم ان کی طرف پلٹ جاؤ ہم ضرور ان پر لشکر کشی کریں گے جن کی وہ تاب نہ لاسکیں گے اور انھیں ذلت و رسوائی کے ساتھ ان کے ساتھ ان کے ملک سے نکالیں گے۔

حضرت سلیمان نے ملکہ سبا کو ان کے ہدئے واپس لوٹا دیئے اور محکم ارادہ کے ساتھ ان سے جنگ کرنے کا اعلان کر دیا۔ مقدس جنگ کا، حق و باطل کی جنگ کا۔ ایمان و کفر کی جنگ کا اعلان کیا۔ ایسی ہی جنگیں توحید کے رہبروں کا مقصد ہوتی ہیں، اس پر اپنی جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔ دوسری جنگوں کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی ہے بلکہ اقدار کے خلاف ہیں اور طرفین کا خسارہ ہوتا ہے۔

وفد والے تمام باتیں سمجھ گئے اور اپنے سارے تحفوں کے ساتھ اپنے ملک چلے گئے اور جب ملکہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے اپنی آنکھوں دیکھا اور کانوں سنا حال من عن بیان کر دیا۔

بلقیس سلیمان کو پہچان گئی، اگرچہ انھوں نے سلیمان کا ملکوتی چہرہ نہیں دیکھا تھا، لیکن ذہن میں نقشہ کشی کرلی۔ اب وہ وقت آگیا ہے کہ عقل مند و ہوشیار اور بیدار و آگاہ عورت کے ذریعہ باطل و شرک کی بساط لپیٹ دی جائے اور

خونریزی کے بغیر مکتب توحید کی ترقی کا راستہ ہموار ہو جائے اور اللہ کے پیغمبر کی دعوت اس ملک کے لوگوں تک پہنچ جائے۔

سلیمان بن داؤد کا مقصد، دہشت گردی نہیں ہے، بلکہ ان کا مقصد مقدس ہے۔ اس کا حصول مدنظر ہے۔ آپ نے ملکہ سبا اور وہاں کے باشندوں سے فرمایا تھا کہ تسلیم ہو جاؤ اور عناد چھوڑ کر میرے پاس چلے آؤ۔ لیکن انہوں نے تحفے بھیج دیئے اور روگردانی کی۔ اسی لئے انھیں ایسی دھمکی دینا ضروری ہے اگر وہ تحفے نہ بھیجتے اور خط کے مضمون پر عمل کرتے تو انھیں ایسی سخت دھمکی نہ دی جاتی۔

بلقیس نے بھی اپنا منصوبہ بنایا، ان کے وجود میں ایمان و ہدایت کا عنصر قوی ہے۔ ان کی پاک فطرت سے خدا جوئی کا نور چمک اٹھتا ہے اور صرف ان ہی کو نہیں بلکہ پوری ملت کی سرشت کو روشن کر دیتا ہے۔ ایک بڑا کارواں بن گیا بلقیس اور مملکت کے سبھی سربراہ تھے۔ وہ سلیمان کی خدمت میں باریابی کیلئے چلے تاکہ وہاں کلمہ لا الٰہ الا اللہ، سلیمان رسول اللہ پڑھیں اور معبود یکتا کی بارگاہ میں سجدہ بجالائیں۔

فرشتہ وحی لیکر حضرت سلیمان پر نازل ہوا اور انھیں بلقیس اور سربراہان سلطنت کے پروگرام سے آگاہ کیا۔ سلیمان نے عجیب کام انجام دینے کا ارادہ کیا۔ قرآن کہتا ہے:

قال یا ایھا الملؤا ایکم یاتینی بعرشھا قبل
ان یاتونی مسلمین (نمل/۳۸)

سلیمان نے شرفاء سلطنت سے فرمایا: تم میں سے کون بلقیس کو اس کے

تخت کے ساتھ میرے پاس لا سکتا ہے قبل اس کے کہ وہ مطیع ہو کر خود آئے۔

اس کا کیا فائدہ ہے؟ اوّل تو تخت لانے والے کی عظمت سب پر عیاں ہو جائے گی اور حتمی طور پر اس کی خلافت و جانشینی واضح ہو جائے گی۔ دوسرا اس حادثہ سے بلقیس اور ان کے ساتھیوں کے یقین اطمینان میں استحکام پیدا ہوگا اور وہ بھی توحید کے معتقد ہو جائیں گے۔

اس عجیب کام کا امیدوار ایک طاقتور و خردمند جنات میں سے تھا اس کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

قال عفریت من الجن انا اتیک بہ قبل ان تقوم من مقامک وانی علیہ لقوی امین (نمل/۳۹)

جنوں میں سے عفریت نے کہا: میں اسے آپ کے پاس اتنی جلد لے آؤں گا کہ آپ اپنی جگہ سے نہیں اٹھ پائیں گے۔ اور میں زبردست طاقت والا اور ذمہ دار ہوں۔

لیکن حضرت سلیمان کا مقصد یہ نہیں تھا بلکہ یہاں اپنے وصی، وزیر بھیتجے آصف بن برخیا کا تعارف کرنا چاہتے ہیں اور لوگوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ سلیمان کے بعد کون پیغمبر ہے اور آئندہ کون رہبر ہوگا۔

وقال الذی عندہ علم من الکتاب انا آتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک (نمل/ ۴۰)

اور جس کے پاس کتاب کا کچھ علم تھا اس نے کہا: میں اسے آپ کے پاس چشم زدن میں لے آؤں گا۔

یہ کونسی طاقت ہے؟ علم کتاب کیا ہے؟ کیا کتاب سے یہی تدوین

یافتہ کتاب مراد ہے یا کوئی دوسری کتاب ہے ۔ آصف کو اس سے کتنا علم ملا ہے ۔ جو بھی ہے لیکن پوری کتاب کا علم نہیں ہے اور اس کے باوجود اس کے اندر اتنی طاقت ہے ۔ اب اگر کسی کے پاس پوری کتاب کا علم ہو تو اس کی قدرت وعظمت کا کیا حال ہوگا ؟ اس داستان کے مرکزی کردار سبا کی حق جو شہزادی کی کیا عظمت ہے کہ اس کی زندگی کے کاروبار ان تمام عجائبات کے باوجود، عجائبات کو پیدا کرنے والا پہچانا جاتا ہے ۔

یہاں مجھے ایک اور چیز یاد آرہی ہے جو کہ مذکورہ آیت سے مشابہ ہے ، اگر مذکورہ آیت سلیمان کے وصی کا تعارف کراتی ہے تو یہ آیت محمدؐ کے وصی کو پہچنواتی ہے ۔ ارشاد ہے :

یقول الذین کفروا لست مرسلا ، قل کفی باللّٰہ شھید اً بینی و بینکم ومن عندہ علم الکتاب (رعد/۴۳)

یہ کافر کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں ، کہدیجئے میرے اور تمہارے درمیان گواہی کیلئے اللّٰہ اور وہ شخص کافی ہے جس کے پاس علم کتاب ہے ۔

اگر آصف ابن برخیا اس خارق العادت فعل کی انجام دہی سے سلیمان کی رسالت کے گواہ بن سکتے ہیں تو امیر المومنین ، کہ جن کے پاس کل کتاب کا علم ہے ، رسولؐ کی رسالت کے گواہ ہیں ۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں :

قلعت باب خیبر بقوۃ صمد انیۃ لا بقوۃ جسد انیۃ

درِ خیبر میں نے خدائی طاقت سے اکھاڑا ہے جسمانی طاقت سے نہیں۔

واقعاً علم کتاب بہت بڑی طاقت ہے۔ ملکِ سبا کے شہر "مآرب" سے بلقیس کے عظیم تخت کو چشم زدن میں لانا حیرت کی بات ہے۔ اس کی رفتار نور کی رفتار سے زیادہ ہے یا اتنی ہی ہے؟ یہ اسرار ہیں۔

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: اسم اعظم ۷۳ حرف ہیں، آصف ان اسماء میں سے ایک کو جانتے تھے اسی کو زبان پر جاری کیا تھا کہ ان کے اور بلقیس کے تخت کے درمیان کی زمین لپٹ گئی اور وہ تختِ بلقیس کو سلیمان کی خدمت میں لے آئے۔ زمین پھر اپنی پہلی صورت پر پلٹ آئی۔ اور یہ مراحل چشم زدن میں طے ہو گئے۔ لیکن ہمارے پاس بہتر حرف ہیں، ایک خدا سے مخصوص ہے۔ اسی سے علم غیب مخصوص ہے...

تختِ بلقیس سلیمان کے سامنے

آصف بن برخیا نے معجزہ دکھایا اور تختِ بلقیس کو سلیمان کی خدمت میں حاضر کیا اس سلسلہ میں قرآن مجید کہتا ہے:

فلما راٰہ مستقراً عندہ قال ھذا من فضل ربی لیبلونی ءاشکر ام اکفر ومن شکر فانما یشکر لنفسہ ومن کفر فان ربی غنی کریم (النمل/ ۴۰)

جب سلیمان نے دیکھا کہ تختِ بلقیس ان کے سامنے آ کر ٹھہر گیا تو کہا: یہ میرے پروردگار کا فضل ہے تاکہ مجھے آزمائے کہ میں اس کا

شکر ادا کرتا ہوں یا کفران ؟ جو بھی شکر ادا کرتا ہے وہ اپنے ہی لئے کرتا ہے اور جو کفران نعمت کرتا ہے تو میرا پروردگار اس سے بے نیاز و برتر ہے۔

یہاں حضرت سلیمان دوسرا درس دیتے ہیں تاکہ لوگ یہ جان لیں کہ نعمتیں خدا ہی کی طرف سے ہیں اور نعمتوں کے ملنے پر شکر ادا کرنا انسان کا فریضہ ہے اور انسان کو صرف نعمتوں ہی کا فائدہ نہیں ملتا ہے بلکہ شکر کا فائدہ بھی انسان ہی کو حاصل ہوتا ہے اور نعمت کے کفران سے اس کا نقصان و خسارہ ہے۔

حضرت سلیمان دیکھتے ہیں کہ جیسے ہی آصف اجازت دیتے ہیں ویسے ہی تخت بلقیس ان کے سامنے آکر ٹھہر جاتا ہے۔ اور پیغمبروں کی نظر میں یہ بہت بڑی نعمت ہے کیونکہ وہ نعمتوں کی قدر جانتے ہیں۔

حضرت سلیمان نے ایک مرتبہ یمن کی ملکہ کی عقل و درایت کا سراغ لگانا چاہا۔ چنانچہ نیا حکم صادر کیا۔ قرآن کہتا ہے:

قال نکروا لها عرشها ننظر اتهتدی ام تکون
من الذین لا یهتدون (نمل / ۴۱)

حضرت سلیمان نے فرمایا: اس کے تخت کا روپ بدل دو، دیکھیں وہ سمجھ پاتی ہے یا نہیں؟

بلقیس کا تخت دور دراز سے مقصد تک پہنچا تھا۔ ان کی توجہ کو جذب کرنے کیلئے بہترین چیز خود ان کے تخت کا منظر ہے وہ اسی میں تبدیلی محسوس کریں۔

فلما جاءت قیل اھکذا عرشک قالت کانہ ھو و اوتینا العلم من قبلھا وکنا مسلمین

(نمل / ۴۲)

"جب وہ آئی تو ان سے کہا گیا: کیا یہ تمہارا ہی تخت ہے؟ کہا: گویا وہی ہے۔ ہم اس تخت کو دیکھنے سے پہلے جانتے تھے اور سلیمانؑ کے مطیع تھے۔"

ایک بار پھر ملکہ سبا نے اپنی ہوشیاری کو ثابت کر دیا کیونکہ تخت کو بھی پہچان لیا اور نہایت احتیاط سے جواب دیا اور کہا: گویا وہی ہے کیا ممکن تھا وہ نہ ہوتا۔ پھر اس بات کا اعلان کیا کہ وہ سلیمان کی عظمت و منزلت سے آگاہ تھی اور پہلے ہی ان کی فرمانبرداری قبول کر چکی تھی۔

یہاں تک یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ وہ اپنے باطل مسلک سے دست کش ہو کر سورج کی پرستش چھوڑ دی ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے:

وصدھا ما کانت تعبد من دون اللہ انھا کانت من قوم کافرین (نمل / ۴۳)

غیر خدا کی عبادت نے اسے خدا کی عبادت سے روک رکھا تھا کیونکہ وہ کافروں میں سے تھی۔

وہ سلیمان کی خارق العادت صلاحیت کو سمجھ چکی تھی اور یہ جان چکی تھی کہ سلیمان اس خدا کے رسول ہیں جس کو اس نے اور اس کی قوم نے سجدہ نہیں کیا ہے اور ابھی تک اسی ملک پر باقی ہے کہ سلیمان کی عظمت کا اعتراف بھی ہے اور اپنے

بت پرستی کے مذہب پر باقی بھی رہیں۔ جن لوگوں نے ایک عمر تک بت پرستی کی ہو اور اس کی عادت ہو گئی ہو، ان کے اندر ایک انقلاب پیدا ہونا چاہئے تاکہ ان کے وجود سے پہلی عادتوں کے تمام آثار مٹ جائیں اور وہ پاک ہو جائیں اور یہی حضرت سلیمان کا اصلی مقصد ہے۔ اس لئے حکم دیا ہے کہ بلقیس اور دوسرے مہمانوں کی پذیرائی کیلئے شیشہ کا محل تعمیر کیا جائے کہ جس سے وہ پہلے سے زیادہ سلیمان کی عظمت کا اندازہ لگا سکیں اور ان کے اندر ایک انقلاب آ جائے۔ اس لئے بلقیس نے اپنے تخت کو دیکھنے اور پہچاننے کے بعد سلیمان کی اطاعت کا اعلان کیا تھا۔ خدمت گذاروں میں سے ایک نے بلقیس سے درخواست کی کہ محل میں تشریف لے چلیں۔ اس داستان کی آخری آیتیں یہ ہیں:

قیل لها ادخلی الصّرح فلمّا رأته حسبته لجّة وکشفت عن ساقیها قال انّه صرح ممرّد من قواریر قالت ربّ انی ظلمت نفسی واسلمت مع سلیمٰن للّٰه ربّ العٰلمین۔ (نمل / ۴۴)

بلقیس سے کہا گیا کہ: محل میں داخل ہو جاؤ۔ اب جو اس نے دیکھا تو سمجھی کہ کوئی گہرا پانی ہے اور اپنی پنڈلیاں کھول دیں۔ سلیمان نے کہا کہ یہ ایک قلعہ ہے جسے شیشوں سے مرصع کیا گیا ہے اور بلقیس نے کہا کہ میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا اور اب میں سلیمان کیساتھ اس خدا پر ایمان لے آئی ہوں جو عالمین کا پالنے والا ہے۔"

حضرت ہاجرہ

والدۂ حضرت اسمٰعیل

حضرت سارہ کی داستان میں آپ یہ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ یہ کنیز حضرت سارہ کو بادشاہِ مصر نے دی تھی اور انہوں نے اولاد نہ ہونے کی بنا پر اپنے شوہر ابراہیمؑ کو بخش دی تھی تاکہ بیٹے کے وجود سے ان کے گھر میں رونق پیدا ہو سکے

حضرت ابراہیم اور ہاجرہ کی مبارک شادی کے نتیجہ میں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام اسمٰعیل رکھا گیا۔ چونکہ سارہ انھیں نہ دیکھ سکیں لہٰذا حضرت ابراہیم سے درخواست کی کہ ہاجرہ اور ان کے بچہ کو میری آنکھوں سے دور لے جائیں، تو واقعہ کا ظاہر ہے۔ "قضیہ کا باطن کچھ اور ہے۔ یہ تقدیر کا نوشتہ ہے جس کا ورق اسی طرح پلٹے گا اور نہایت ہی حیرت انگیز و سبق آموز حوادث وجود پذیر ہوں گے۔

حضرت ابراہیم اپنی زوجہ اور بیٹے کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوئے اور خدا کی راہنمائی کے مطابق حجاز کی سرزمین پر پہنچے اور انھیں کعبہ کے قریب ٹھہرا دیا۔ البتہ اس وقت کعبہ کی عمارت نہیں تھی نہ آبادی تھی بلکہ بے آب و گیاہ بیابان تھا۔ وہاں کوئی ذی روح نظر نہیں آتا تھا۔ قرآن مجید حضرت ابراہیم کی بعض دعاؤں کو اس طرح نقل کرتا ہے:

ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلوٰۃ فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم وارزقھم من الثمرات لعلھم یشکرون (ابراھیم / ۳۷)

پروردگار! میں نے اپنی ذریت میں سے بعض کو تیرے محترم گھر کے پاس بے آب وگیاہ وادی میں بسا دیا ہے تاکہ وہ نماز قائم کریں لہذا لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف موڑ دے اور انھیں پھلوں کا رزق عطا کر تاکہ وہ تیرے شکر گذار بن جائیں۔

سارہ نے حضرت ابراھیم سے اصرار کے ساتھ درخواست کی تھی کہ عورت اور بچہ کو کسی جگہ پہنچا کر سواری سے اترے بغیر واپس لوٹ آئیے۔ حضرت ابراھیم نے انھیں اس بے آب وگیاہ اور ویران وادی میں مکہ جہاں کسی زمانہ میں کعبہ کی عمارت تھی اور اب ویران ہو چکی ہے اور یہ مقدر ہو چکا ہے کہ انھیں باپ بیٹوں کے ہاتھوں خانہ کعبہ تجدید ہو تاکہ مومن وموحد لوگوں کیلئے جائے طواف بن جائے ــ تھوڑے سے کھانے پانی کے ساتھ اتارا اور واپسی کا ارادہ کیا۔

ہاجرہ کا دل ٹوٹ گیا۔ یہاں تو صرف ایک درہ ہے۔ بڑے بڑے سخت آسمان کی طرف سر اٹھائے ہوئے ہیں۔ آس پاس کے دو پہاڑ چھوٹے چھوٹے ہیں جنھیں صفا ومروہ کہتے ہیں۔ یہ زیادہ اونچے نہیں ہیں۔ یہاں پر یہ عورت تن تنہا ناتواں بچے کے ساتھ کیا کرے؟ کون ان کا نگہبان ہے؟ بیابان کی وحشتوں سے انھیں کون بچاتا ہے اور تنہائی وبیکسی میں

کا بندہ اور رسولؐ کا بھائی ہوں۔ انہوں نے علیؑ کا ہاتھ پھیلانا چاہا، مگر آپؑ نے مٹھی بند کر لی۔ لہٰذا انہوں نے علیؑ کی بند مٹھی پر ہاتھ رکھ دیا، گویا اس طرح علیؑ سے بیعت لی۔[1]

حضرت فاطمہؑ بیمار اور صاحبِ فراش ہو گئی تھیں۔ اہل اقتدار کو خوف ہوا کہ کہیں فاطمہؑ دنیا کو خیر باد نہ کہدیں اور یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ فاطمہؑ ناراض ہیں، اس سے لوگوں پر اچھا اثر نہیں پڑے گا۔ لہٰذا انہوں نے یہ طے کیا کہ فاطمہ زہراءؑ کی عیادت کیلئے چلیں اور ان سے معذرت طلب کریں۔

دو بار انہوں نے فاطمہؑ سے ملاقات و عیادت کی اجازت مانگی مگر آپؑ نے اجازت نہیں دی۔ مجبوراً علیؑ کا سہارا لیا۔ جوں توں کر کے اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے لیکن جب فاطمہ زہراءؑ کے پاس آئے اور سلام کیا تو آپؑ نے ان کے سلام کا جواب نہ دیا اور ان کی طرف سے منھ پھرا لیا۔

حضرت فاطمہؑ یہ سمجھانا چاہتی تھیں کہ ظالم کے سلام کا جواب نہیں دیا جاتا اور احقاقِ حق کے علاوہ ظالم سے ملاقات کرنا صحیح نہیں ہے۔ انہوں نے التماس کیا اور اپنے اعمال کی توجیہہ کرنا چاہی اور فدک پر قبضہ کو قانونی اقدام قرار دینا چاہا۔

لیکن حضرت فاطمہؑ اپنے آتشین خطبہ میں قضیۂ فدک کو سب کیلئے روشن کر چکی تھیں۔ سبھی نے فاطمہؑ کی مستدل باتیں سنی تھیں، سب کو یقین تھا کہ دخترِ رسولؐ حق کہتی ہیں۔ مگر حق قبول کرنے والے نہیں ہیں۔

فدک کے بارے میں فاطمہؑ دوبارہ کچھ کہیں؟ ضروری نہیں تھا۔ اس دفع انکی فردِ جرم پر دوسرے طریقہ سے دستخط کرنا تھے۔ لہٰذا آنے والوں سے فرمایا:

---

[1] اثبات الوصیت فی خلافۃ ابی بکر و عمر

کون مدد کرتا ہے؟ اور اگر تنہائی و بیکسی کو برداشت بھی کرلیں تو کھانا، پانی کہاں سے لائیں اور اپنے شیر خوار کی کیسے پرورش کریں؟!

ہاجرہ کیا کریں؟ ایک ہی علاج ہے کہ حضرت ابراھیم کے دامن سے لپٹ جائیں اور ان سے التماس کریں۔ اس دور افتادہ بیابان میں ہاجرہ آخری کوشش یہ کرسکتی ہیں ہاجرہ حضرت ابراھیمؑ کے احساس کو بیدار کرنے کی کوشش کرتی ہیں اور انھیں واپس جانے سے روکنا چاہتی ہیں، یا پھر انھیں بھی اپنے ساتھ لے جائیں۔ اس شیر خوار بچہ کی کیا خطا ہے؟ اگر کوئی درندہ ان پر حملہ کرے گا تو کیا ہوگا؟ اس جلا دینے والی گرمی میں کسی سائبان کے بغیر کیسے گرمی کا زمانہ گذرے گا۔ اگر مشک میں تھوڑا بہت پانی ہے تو وہ بھی ختم ہو جائے گا۔ اس وقت کیا کریں گے، کہاں سے پانی لائیں گے؟ دل سوختہ ماں، رونما ہونے والے حوادث کے بارے میں نہیں سوچتی ہیں وہ نہیں جانتی ہے کہ قلم تقدیر نے اس کے اور ان کے بچہ کے لئے کتنے عظیم حوادث لکھدیئے ہیں؟ انھیں ابراھیم کے دل کی خبر نہیں ہے۔ وہ یہ نہیں جانتی کہ ابراھیمؑ نے کس محرک کی بنا پر یہ دلیرانہ اقدام کیا ہے! اگر وہ غیب کے اسرار سے آگاہ ہوتی تو ہو سکتا تھا کہ ان کے دل کو کچھ تسلی مل جاتی۔

ابراھیم نے پروانہ کی اور ہاجرہ سے کہا: خدا کے حکم کی اطاعت کے علاوہ چارہ نہیں ہے۔ جب ہاجرہ کو یہ معلوم ہوا کہ ابراھیم کا اقدام نجی نہیں ہے بلکہ یہ حکم خدا کے مطابق ہے تو انہوں نے خدا سے لو لگائی اور سر تسلیم خم کر دیا اور لطف خدا پر اعتماد کر کے ابراھیم کی سواری کی لجام چھوڑ دی اور سمجھ گئیں کہ خدا انھیں رسوا نہیں کرے گا۔

ابراہیم اونچائی سے نشیب کی طرف روانہ ہوتے یہاں تک کہ ہاجرہ کی آنکھوں سے اوجھل ہوگئے لیکن ابراہیم کے لئے اکلوتے بیٹے اور مہربان، پارسا اور فرض شناس بیوی کی جدائی بہت شاق ہے۔ اگرچہ حکمِ خدا کی اطاعت کی لذت ان تمام باتوں سے بلند ہے۔

رفتہ رفتہ حجاز کا شعلۂ جوالہ دائرہ نصف النہار پر پہنچ گیا اور نیم سوختہ پتھروں کو دہکتی بھٹی جیسا بنا دیا۔ اور ان کا مختصر پانی ختم ہوگیا۔ اگرچہ ابراہیم کا دل ان ماں، بچے کے پاس ہے لیکن اگر لطف خدا ان کے شامل حال نہ ہوتو بھوک و پیاس سے ان کی موت یقینی ہے۔

ہاجرہ خدا کی صابرہ کنیز ہیں، انہوں نے ارادۂ حق کے سامنے سراپا تسلیم ہونے کی ٹھان لی ہے۔ اب ان کے پاس نہ کھانا ہے اور نہ پانی اور نہ پستان میں ایک قطرہ دودھ ہے۔ بچہ بھوک اور پیاس سے رو رہا ہے۔ اب ہاجرہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ مجبوراً اپنی جگہ سے اٹھتی ہیں اور پانی ڈھونڈتی ہیں۔ پہلے کوہِ صفا پر گئیں اور اوپر چڑھ کر اطراف میں نظر دوڑائی کچھ نظر نہ آیا۔ حد نظر تک پہاڑ، جنگل، بیابان اور سخت پتھر ہی پتھر ہیں، پہاڑ سے نیچے اتریں اور دوڑتی ہوئی کوہ مروہ تک پہنچیں اور اس کی چوٹی پر چڑھ گئیں لیکن کچھ بھی نظر نہ آیا۔ جہاں بھی جاتی ہیں وہاں یہی آسمان ہے۔ ہراساں، پہاڑ سے نیچے اتریں اور پھر ہرولہ کرتی ہوئی صفا کی طرف دوڑیں اور وہاں سے مروہ کی طرف اسی طرح اِدھر سے اُدھر سات مرتبہ دوڑیں اور اس نتیجے پر پہنچیں کہ یہاں مادی علل و اسباب عمیق ہیں۔ غیبی طاقت ایسے ان سراؤں میں پانی تک پہنچا سکتی ہے اور وہی بھوک و موت سے نجات

دلا سکتی ہے۔

یہ رفت و آمد اس لئے تھی کہ وہ جب بھی صفا یا مروہ سے دیکھتی تھیں تو انھیں سراب نظر آتا تھا جسے وہ پانی سمجھ کر دوڑتی تھیں لیکن وہاں پانی نہیں ملتا تھا۔

یہاں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ خانۂ خدا کے زائروں پر جو صدیوں سے کوہ صفا و مروہ کے درمیان سعی واجب ہوئی ہے وہ بھی سات بار نہ کم نہ زیادہ۔ اس کی علت اس شیر دل و فدا کار ماں کی یاد تازہ کرنا ہے۔ حقیقت میں ایک ماں کی اس سے بڑھ کر اور کیا تجلیل کی جا سکتی ہے کہ جو بھی خدا جو مومن حج کرتا ہے اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ صفا و مروہ کے درمیان اسی حالت میں سعی کرے۔

رفتہ رفتہ بچہ کی سانس رکنے لگی، چہرہ کا رنگ زرد پڑ گیا اور ہونٹ خشک ہو گئے تھے۔ ماں نے بچہ کے چہرہ پر کپڑا ڈال دیا تاکہ اس کے جان دینے کے منظر کو نہ دیکھے۔ موت بچہ ہی کے سر پر نہیں بلکہ خود ان کے سر پر بھی منڈلا رہی تھی۔ تھک جانے کی وجہ سے خود بھی جان دینے کیلئے تیار ہو گئی تھیں۔

لیکن اسی لمحہ کے دوران جب ہاجرہ تمام راستے بند دیکھ رہی تھیں، امید کی کرن نظر آئی، بچہ کے پیروں کے نیچے پانی جاری ہو جاتا ہے۔ ہاجرہ بہتے ہوئے پانی کو تعجب سے دیکھتی ہیں اور پانی نہ ہونے کے غم سے نجات پا جاتی ہیں۔

یہ پانی اس چشمہ کا تھا جو کہ زمزم کے نام سے مشہور ہوا۔ ہاجرہ نے بہتے ہوئے پانی کو میڈ باندھ کر روک دیا۔ بچہ کو پلایا اور خود بھی پیا۔ دونوں کی جان میں جان آ گئی۔ اس زمانہ سے آج تک حاجی بیت اللہ کا طواف اور کوہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کے بعد چشمۂ زمزم کی طرف دوڑتے ہیں، آب زمزم پیتے ہیں اور اپنی تشنگی و تھکن کو مٹاتے ہیں۔

اس چشمہ کے جاری ہو جانے سے اس کے اوپر پرندے منڈلانے لگے۔ اس طرف پرندوں کی آمد و رفت نے صحراء عرفات سے نزدیک سکونت پذیر قبیلۂ جرہم کو چشمہ نکل آنے سے آگاہ کر دیا۔ اس لئے جستجو کی حس بھڑک اٹھی، انہوں نے چند افراد کو مامور کیا کہ ماجرے کا سراغ لگائیں۔

ان مامور افراد نے قبیلۂ جرہم والوں سے بتایا کہ چشمہ پھوٹ نکلا ہے قبیلۂ جرہم کے چند افراد آئے اور چشمہ زمزم کے نزدیک سکونت پذیر ہو گئے۔ وہاں سکونت اختیار کرنے سے قبل انہوں نے ماں اور بچہ کے حالات معلوم کئے ہاجرہ نے اپنا تعارف کرایا کہ ابراھیم کی کنیز اور بچہ کی ماں ہے۔ جرہم والوں نے ہاجرہ سے اجازت حاصل کرنے کے بعد وہیں سکونت اختیار کی۔ ان کے درمیان محبت و انسیت پیدا ہو گئی۔

اب ہاجرہ پر یہ عیاں ہو گیا ہے کہ ان کے اور ان کے معصوم بچہ کے بارے میں حضرت ابراھیمؑ کی دعا مستجاب ہو گئی ہے۔ لیکن آئندہ رونما ہونے والے حوادث سے بے خبر ہیں۔ پھر ابراھیم کبھی کبھی اپنی بیوی اور بچہ کو دیکھنے آتے تھے اور ان کے حالات سے آگاہ ہوتے تھے۔ رفتہ رفتہ حضرت اسمٰعیل جوان ہو گئے۔ ماں باپ کیلئے امید کی کرن تھے۔ وہ اسمٰعیل کو دیکھتے تو ان کے دلوں کو آرام ملتا تھا۔ ابراھیم نے خواب میں دیکھا کہ حکم خدا ہے اپنے جوان بیٹے کا سر قلم کریں۔ ابراھیم بڑے بڑے امتحانوں سے گذر چکے تھے۔ آتش نمرود میں کود چکے تھے، اپنی بیوی کے ساتھ بادشاہ مصر کے چنگل میں پھنس چکے تھے۔ اپنی زوجہ اور شیر خوار بچہ کو بے آب و گیاہ سرزمین پر پہنچا چکے تھے۔ لیکن یہ امتحان سب سے بڑا تھا۔

اس امتحان کے ہیرو صرف ابراھیم ہی نہیں ہیں بلکہ اسمٰعیل اور اُن کی

والدہ بھی اس میں شریک ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک باپ نوجوان بیٹے کے گلے پر تیز چھری چلائے اور اس کے گلے کی رگوں کو کاٹ دے اور اس کا خون بہا دے؟ لیکن بڑے بڑے امتحانوں سے گذر چکے ہیں۔ اس امتحان سے بخوبی عہدہ برآ ہوں گے اور حق پسند و خدا جو انسانوں کو بڑا درس دیں گے۔

حضرت ابراہیم جانتے ہیں کہ انبیاء کا خواب پراگندہ خیالی نہیں ہے لہٰذا وہ محکم ارادہ کے ساتھ اپنے جوان بیٹے اسمٰعیل کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں:

انی ارٰی فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا ترٰی

(صافات/ ۱۰۲)

میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں، تم بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے۔

چونکہ "ارٰی" فعل مضارع ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم نے یہ خواب مکرر دیکھا تھا گویا خواب میں آپ نے خود اس عمل کو مشاہدہ کیا تھا اور اس بات کا نتیجہ نکالا تھا کہ خدا اسمٰعیل کو ذبح کرنے کا حکم دے رہا ہے چنانچہ جو خواب میں دیکھا ہے۔ اسے حالت بیداری میں انجام دینا چاہیئے۔

اب اسمٰعیل کی رضا حاصل کرنا باقی ہے۔ کیونکہ اس امتحان میں صرف والد ہی کو سراپا تسلیم نہیں ہونا ہے۔ بلکہ بیٹے کا تسلیم ہونا بھی ضروری ہے۔ لہٰذا ابراہیمؑ نے معلوم کیا کہ تمہارا کیا خیال ہے؟ بیٹے نے کہا:

یاابت افعل ما تومر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین

(الصافات/ ۱۰۲)

بابا جان! جس بات کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اسے انجام دیجئے،

انشاء اللہ آپ مجھے صابرین میں سے پائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ باپ کی تربیت نے بیٹے کے اندر۔ کہ ان کے وجود کی سرزمین مکمل طور پر استعداد رکھتی تھی۔ اثر کیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے بلا تامل خدا کے حکم کے سامنے تسلیم ہونے کا اعلان کر دیا اور اس امتحان میں صبر سے کام لینے کو خدا کا لطف و مشیت جانا۔ البتہ باپ دور ہی سے بیٹے کی تربیت اور ان کے رشد پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ لیکن ہاجرہ ایسی ماں نے آج تک اپنے زیر دامن بچہ کو بڑا کیا ہے اور اس عمر تک۔ کہ جسے قرآن کی زبان میں عنفوان شباب، ذمہ داری قبول کرنے کا زمانہ اور زندگی تگ و دو کا دور کہا جاتا ہے۔ اپنی پوری طاقت صرف کی ہے تب ایسی ممتاز و نمونہ شخصیت بنے ہیں۔

اسمٰعیل نہیں چاہتے تھے کہ اس کام میں کوئی رخنہ پڑے۔ اس لئے والد سے کہتے ہیں کہ میرے ہاتھ پاؤں باندھ دیجئے اور پیشانی کو خاک پر رکھ دیجئے، لباس اتار لیجئے اور چھری کو تیز کر لیجئے تاکہ سرعت کے ساتھ کام انجام پا جائے۔ باپ کی آنکھیں بیٹے کی آنکھوں سے نہ لڑیں اور حکم خدا کی تعمیل میں پدری محبت مانع نہ ہو اور باپ کے لباس پر رنگ جانیوالے خون سے ہاجرہ پریشان نہ ہوں۔ وصیّت کے ذیل میں فرمایا: والدہ کی خدمت میں میرا سلام پہونچا دیجئے گا اور میرا لباس ان کے پاس لے جائیے گا۔ ممکن ہے اس سے انھیں تسلی مل جائے اور اس سے ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے حکم خدا پر عمل کرنے اور قربانی دینے کیلئے منیٰ کا انتخاب کیا۔ جہاں عیدِ قربان کے دن حاجی جمع ہوتے اور قربانی کرتے ہیں اور ہر سال قربانی اسمٰعیل کی مقدس یاد کی تکرار کرتے ہیں اور اپنے معبود کی بارگاہ میں لاکھوں

گائیوں، اونٹوں اور دنبوں کی قربانی پیش کرتے ہیں۔

منیٰ کے راستہ میں شیطان آتا ہے اور حضرت ابراہیم سے پوچھتا ہے: بیٹے کو کہاں لے جارہے ہیں؟ جواب میں فرماتے ہیں: انھیں ذبح کرنے کیلئے لے جارہا ہوں۔ شیطان کہتا ہے: اس بیٹے کو ذبح کرنا چاہتے ہو جس نے لمحہ بھر کیلئے بھی خدا کی نافرمانی نہیں کی ہے؟ فرمایا: مجھے خدا نے حکم دیا ہے۔ شیطان کہتا ہے: یہ شیطان کا فرمان ہے! ابراہیمؑ نے فرمایا: دور ہو جا! شیطان نے کہا: اگر آپ اپنے بیٹے کو ذبح کریں گے تو لوگ آپ کی تاسّی میں اپنے بیٹوں کو ذبح کیا کریں گے اور لوگوں میں فرزندکشی کا رواج ہو جائے گا۔ لیکن ابراہیم نے اس کی باتوں کی پروا نہ کی۔

ابراہیم عزم محکم، چھری اور رسّی کے ساتھ اپنی وعدہ گاہ کی طرف بڑھتے رہے۔ شیطان بھی اپنی تگ ودو میں لگا ہوا تھا۔ جب ابراہیم سے مایوس ہو گیا تو اسمٰعیلؑ کے پاس گیا تاکہ ان کے ارادہ میں تزلزل پیدا کرے۔ لیکن اسمٰعیل نے بھی اسے دندان شکن جواب دیا اور اس کی پروا نہ کی شیطان ہاجرہ کے پاس جاتا ہے تاکہ مادری محبت کو ابھار کر اس امتحان میں ان کے کردار میں جھول پیدا کرے۔ ہاجرہ کہتی ہیں: اس کام کو ابراہیم حکم خدا کے تحت انجام دے رہے ہیں اور وہ سب حکم خدا کے سامنے سراپا تسلیم ہیں۔

آج بھی منیٰ میں تین شیطانوں کو کنکریاں مارنا، اس حقیقی دشمن سے جنگ کا نمونہ ہے۔ بعض روایات میں نقل ہوا ہے کہ مکہ سے منیٰ تک کے راستہ میں شیطان تین بار حضرت ابراہیم کے پاس آیا اور انھیں خدا کے حکم پر عمل کرنے سے روکنا چاہا لیکن حضرت ابراہیم نے ہر دفعہ اس پر

پتھراؤ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ حاجی منیٰ میں قیام کے دوران مشعر الحرام سے لائے ہوئے اسلحہ کے ذریعہ اس دشمن سے جنگ کر کے اس واقعہ کی یاد کو زندہ کرتے ہیں اور ہر جمرہ۔ شیطان۔ پر سات کنکریاں مارتے ہیں اور اس طرح جن وانس کے شیطانوں سے جنگ کرتے ہیں۔

خدا بہتر جانتا ہے لیکن مکہ سے منیٰ والے راستہ میں چھوٹا شیطان آتا ہے، پھر منجھلا اور آخر میں بڑا شیطان آتا ہے جو کہ قابل غور ہے۔ کیا یہ ابراھیم و اسمٰعیل اور حضرت ہاجرہ کی ثابت قدمی اور شیطان سے ان کی جنگ کی طرف اشارہ نہیں ہے؟

ممکن ہے جہاں جمرہ کبریٰ ہے وہاں بڑا شیطان حضرت ابراھیم کے پاس آیا ہو اور پتھر کھا کر واپس گیا ہو اور جہاں جمرۂ وسطیٰ ہے وہاں منجھلا شیطان حضرت اسمٰعیل کے پاس آیا ہو اور بھگا دیا گیا ہو اور جہاں جمرۂ صغریٰ ہے وہاں چھوٹا شیطان حضرت ہاجرہ کے پاس آیا ہو اور ہاجرہ نے بھی پتھر مار کر بھگا دیا ہو۔

اس احتمال سے یہ بات لازم آتی ہے کہ ہم اس بات کو قبول کر لیں کہ جب حضرت ہاجرہ نے دیکھا کہ ابراھیم و اسمٰعیل چھری اور رسی لے کر چلے ہیں، تو انھیں تشویش ہوئی اور رونما ہونے والے حوادث سے مطلع ہونے کے لئے وہ بھی ان کے[1] پیچھے روانہ ہوئیں۔

بہر حال قرآن سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ذبح اسمٰعیل کے وقت ہاجرہ

---

[1] البتہ دور حاضر میں اس کے بر عکس ہے۔ ممکن ہے اس زمانے میں ایسا ہی رہا ہو۔ (مترجم)

موجود نہیں تھیں ۔ کیونکہ ماجرا بیان کرتے ہوئے قرآن مجید کہتا ہے :

فلما اسلما وتلہ للجبین و نادینٰہ ان یا ابراہیم قد صدقت الرءیا انا کذالک نجزی المحسنین

(الصافات / ۱۰۳ - ۱۰۵)

ابراہیم و اسمٰعیل خدا کے فرمان بجا لانے کیلئے سراپا تسلیم ہو گئے اور ابراہیمؑ نے اسمٰعیل کی پیشانی کو زمین پر رکھ دیا تو ہم نے ندا دی کہ اے ابراہیمؑ آپ نے اپنا خواب سچ کر دکھایا ، بے شک ہم نیک عمل کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں ۔

اس آیت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس غم انگیز حادثہ کے وقت خدا کے علاوہ کوئی تیسرا وہاں موجود نہیں تھا ۔ ہاجرہ کیا جانیں کہ کیا دل خراش حادثہ گذر گیا ۔ ممکن ہے کہ وہ ابھی جمرہ صغریٰ کی جگہ پر شیطان سے جنگ میں مشغول ہوں ۔

کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے اس چھری کو حضرت اسمٰعیل کے حلق پر پوری طاقت سے چلا دیا کہ جس کی معمولی سی حرکت سے اسمٰعیل کا گلا کٹ سکتا تھا ، لیکن چھری سے حلقِ اسمٰعیل نہ کٹ سکا ۔ ابراہیمؑ نے مزید زور دے کر چھری چلائی مگر چھری نے حلقِ اسمٰعیل نہ کاٹا ، آپ نے چھری کو ایک طرف پھینک دیا چھری نے گویا ہو کر معذرت چاہی ، کیا کروں ! خلیل حکم دیتا ہے کہ کاٹوں اور حبیب کہتا ہے نہ کاٹوں ؟ !

ابراہیم و اسمٰعیلؑ بخوبی امتحان سے گذر گئے ۔ یہاں امر میں مصلحت تھی نہ کہ فعل میں قربانی اسمٰعیل میں مصلحت نہ تھی لہذا نہیں ہوئی ۔ بلکہ قربانی ہونے میں

مصلحت تھی۔ تاکہ بتوں کیلئے اپنے بیٹوں کی قربانی کرنے والے جان لیں کہ خدا اس سے راضی نہیں ہے۔ جو خدا عشق کی حقیقی قربانگاہ میں حضرت ابراہیمؑ کو اسمٰعیل کی قربانی سے باز رکھتا ہے وہ اس بات سے کیسے راضی ہو جائے گا کہ مجازی عشق کی قربان گاہ میں خیالی بتوں کے سامنے بے گناہ ہوں کو قربان کر دیا جائے؟

مذکورہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک عمل کرنے والوں کو اس طرح اجر دیا جاتا ہے یعنی عظیم مرد وعورتیں سخت امتحانات اور آزمائشوں کی منزلوں سے گذر کر عظمت کے مرتبہ پر فائز ہوتے ہیں۔

قرآن مجید نے اس سخت امتحان کی عظمت پر مہر تائید لگا کر فرمایا ہے:

ان هٰذا لهو البلاء المبين (الصافات/۱۰۶)

بے شک یہی کھلا ہوا امتحان ہے۔

اس کے بعد خداوند عالم فرماتا ہے:

وفدينا بذبح عظيم (الصافات/۱۰۷)

ہم نے ذبح عظیم کو اس کا فدیہ قرار دیدیا

اس ذبح عظیم کے بارے میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایک دنبہ تھا، جسے جبرئیل آسمان سے لائے تھے، قربانی۔ اسی کو قربان کیا تھا اور حاجی لوگ آج تک عید قربان کے روز اسی کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم وحضرت اسمٰعیل اور حضرت ہاجرہ خدا کے اسی امتحان سے سرفرازی کے ساتھ گذرے اور حضرت ابراہیم دوبارہ شام لوٹ آئے۔ ہاجرہ کا جوان بیٹا شادی کے لائق ہو گیا۔ ہاجرہ نے بیٹے کیلئے قبیلہ جرہم کی ایک لڑکی سے شادی کا پیغام دیا۔ شادی اور زفاف کے مراحل طے ہو گئے۔

"میں تمہیں خدا کی قسم دیکر پوچھتی ہوں کہ کیا تم نے رسول اکرمؐ سے نہیں سنا تھا کہ : "فاطمہ کی رضا میری رضا ہے اور فاطمہ کا غضب میرا غضب ہے، جو شخص میری بیٹی فاطمہ کو دوست رکھتا ہے وہ مجھے دوست رکھتا ہے۔ جس نے فاطمہ کو خوش کیا اس نے مجھے خوش کیا اور جس نے فاطمہ کو ستایا اس نے مجھے ستایا ہے"؟

انہوں نے حضرت فاطمہؑ کی تصدیق کی اور کہا : "بے شک ہم نے رسولؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا۔" فاطمہ زہراءؑ نے آسمان کی طرف ہاتھ بلند کئے اور افسردہ دلی کے ساتھ کہا : "میں خدا اور فرشتوں کو گواہ قرار دیکر کہتی ہوں کہ تم نے مجھے غضبناک کیا اور مجھے خوش نہیں کیا ... اگر میں رسولؐ سے ملاقات کرونگی تو تمہاری جفا کی ان کے سامنے شکایت کروں گی۔" ابوبکر رونے لگے۔ حضرت فاطمہؑ نے فرمایا :

"خدا کی قسم میں ہر نماز میں تم پر نفرین کرونگی۔" فاطمہ زہراءؑ کے یہ کلمات ان پر بجلی بن کر گرے اور ان کے آرام و چین کو برباد کر دیا۔ انھیں یہ معلوم ہو گیا کہ فاطمہ زہراؑ کو خوش کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے، فاطمہؑ اس قدر غضبناک ہیں کہ انھیں تکلفاتی باتوں سے خوش نہیں کیا جا سکتا۔

ابوبکر کو حق تھا کہ گریہ کریں، کیونکہ رسول اکرمؐ نے اپنی بیٹی سے فرمایا تھا: خدا تمہارے غضب سے غضبناک ہوتا ہے اور تمہاری رضا میں خدا کی رضا ہے۔

دلیل بھی واضح ہے۔ فاطمہؑ کی خوشنودی صرف حق کی کامیابی کے لئے اور غضب باطل کی کامیابی کی وجہ سے تھا۔

جناب فاطمۂ زہراؑ پر مصائب و آلام کے بہت سے پہاڑ توڑ چکے ہیں اور اب اپنی حکومت کی بنیادیں مضبوط کرنا چاہتے ہیں۔

فاطمۂ زہرا کبھی باپ کی قبر پر جاتی اور کافی نالہ و شیون کے ساتھ کہتی تھیں:

شادی کے بعد ایک ناخوشگوار واقعہ رونما ہوتا ہے۔ ایسا حادثہ جس سے کسی کو مفر نہیں ہے۔ لیکن ہاجرہ ایسی ماں کی موت اسمٰعیل کیلئے بہت سخت ہے۔ مگر تسلیم ورضا کے سوا چارہ کار نہیں ہے۔ ہاجرہ بیمار ہوئیں اور دار فانی سے کوچ کر گئیں

حضرت اسمٰعیل نے مغموم ومحزون دل کے ساتھ ہاجرہ کے پاک جسد کو کعبہ کے کنارے ـــ جو کہ آج حجرۂ اسمٰعیل کے نام سے مشہور ہے ـــ دفن کیا۔ اس جگہ کہ جہاں وقتِ معلوم تک کیلئے بہت سے انبیاء مدفون ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ کعبہ کے ساتھ حجرۂ اسمٰعیل بھی حاجیوں کیلئے جائے طواف ہے۔ اس میں بھی ایک راز ہے کہ اس نمونہ کی ماں کی قبر ایک لحاظ سے کعبہ کا جز بن جائے اور مومن مرد وعورت اس تربت پاک کا بھی طواف کریں اور خدا کے فرمان پر عمل کرنے کے دوران عظیم ونمونہ ماں کی تقدیس وتکریم کی جائے۔

ابراھیم کو شائد بیوی کے انتقال کی خبر نہیں ہے، بیوی اور بیٹے سے ملاقات کیلئے جانا چاہتے ہیں۔ حسبِ سابق سارہ سخت رویہ اختیار کرتی ہیں۔ آپ سے وعدہ لیتی ہیں کہ وہاں پہنچ کر سواری سے پیدل ہوئے بغیر احوال پرسی کے بعد واپس لوٹ آئیں۔

ابراھیم مکہ آتے ہیں۔ ہاجرہ کی موت کا بہت دکھ ہوتا ہے۔ حضرت اسمٰعیل اس وقت گھر میں نہیں ملتے۔ ان کی زوجہ سے معلوم کرتے ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ شکار کے لئے صحرا میں گئے ہیں۔ ابراھیم نے ان کی گذر بسر سے متعلق دریافت کیا۔ عورت نے سخت گذرانی اور تنگی کا شکوہ کیا۔ مختصر یہ کہ ابراھیم نے اس سے فرمایا: جب تمہارا شوہر واپس آئے اس سے کہنا کہ ایک بوڑھا آدمی آیا تھا اور اس نے یہ کہلایا ہے کہ اپنے گھر کی چوکھٹ بدل دو۔

اسمٰعیل گھر لوٹے، سمجھ گئے کہ والد آئے تھے۔ بیوی سے دریافت کیا، بیوی نے جو کچھ دیکھا اور سنا تھا وہ نقل کر دیا۔ اسمٰعیل نے فرمایا: وہ بوڑھا آدمی میرے والد ہیں اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ تم سے علیحدگی اختیار کر لوں۔ اس طرح اسمٰعیل نے بیوی کو طلاق دیدیا اور دوسری عورت سے شادی کر لی۔ چند دنوں کے بعد ابراہیم نے پھر اسمٰعیل کی ملاقات کیلئے جانے کا ارادہ کیا۔ سارہ نے ان سے عہد لیا کہ مقصد پر پہنچ کر وہاں نہ اتریں اور واپس آجائیں۔

ابراہیم منزلِ مقصود تک پہنچ گئے لیکن اس دفعہ بھی اسمٰعیل صحرا گئے ہوئے تھے۔ ابراہیم نے ان کی نئی دلہن سے اسمٰعیل کے بارے میں معلوم کیا، عورت نے ادب کے ساتھ جواب دیا اور کہا: سواری سے اتریئے۔ گھر میں تشریف لائیں۔ ابراہیمؑ نے ان کی گذر بسر سے متعلق سوال کیا تو عورت نے خدا کا شکر ادا کیا اور شوہر کے ساتھ زندگی گذارنے سے اپنی رضا و خوشنودی کا اظہار کیا چنانچہ اپنی شائستگی اور خوبی سے ابراہیم کا دل جیت لیا۔

ابراہیمؑ سے عرض کی کہ میں آپ کا سر دھلوں۔ ایک پتھر لائیں ابراہیم نے اس پر پاؤں رکھے جس میں آپ کے پیروں کے نشان بن گئے یہی پتھر مقام ابراہیم میں نصب ہے۔

اسمٰعیل واپس آئے والد کے نقش قدم کو بوسہ دیا۔ اسمٰعیلؑ کو یقین تھا کہ والد نے ضرور کوئی پیغام دیا ہو گا۔ اور حقیقت بھی یہی تھی۔ پیغام دیا تھا کہ انہوں نے گھر کے چوکھٹ کی حفاظت کرو۔ یعنی ایسی باکمال عورت کا احترام اور حفاظت کرنا ضروری ہے۔

۱۔ قصص قرآن۔ بلاغی، قصص قرآن یا تاریخ انبیا، رسولی محلاتی، تفسیر المیزان ج ۱۷ ص ۱۵۰-۱۶۳ و معراج السعادت

صفوراء

زوجۂ موسیٰ

یوکابد کے حالات میں ہم نے ان کے فرزند حضرت موسیٰ کا ذکر بھی اختصار کے ساتھ کیا تھا اور یہ بھی بیان کیا تھا کہ انہوں نے فرعون کے قصر میں کیسے پرورش پائی اور کمال کو پہنچے حضرت موسیٰ کے دل میں مظلوم و مستضعفین کا درد اس وقت بھی تھا جبکہ انہوں نے دلیرانہ انقلاب کا آغاز نہیں کیا تھا اور پرچم رسالت بلند نہ کیا تھا وہ حتی المقدور ان کی مدد کرتے تھے۔

کبھی شہر کا گشت لگا کر لوگوں کے حالات سے واقف ہوتے تھے ایک روز دیکھا کہ ایک مصری بنی اسرائیل کے آدمی سے زبردستی بیگار لینا چاہتا ہے اور بنی اسرائیل کا کمزور آدمی اس پر تیار نہیں ہوتا ہے۔ مصری اسے مارتا ہے۔ موسیٰ اس مظلوم کی مدد کرتے ہیں اور اس مصری کے سینہ پر گھونسا مار کر اسے ہلاک کر دیتے ہیں۔ لیکن اس حادثہ کو آپ ایک ہمہ گیر انقلاب کے لئے مفید نہیں سمجھتے ہیں لہٰذا اس کا بہت افسوس ہوا، دوسرے دن اسی اسرائیلی نے ایک اور حادثہ کھڑا کر دیا، فرعون کی پولیس نے موسیٰ کو قاتل قرار دیا اور انھیں گرفتار کرنے کے احکام جاری کر دیئے لیکن موسیٰ کو مومن آلِ فرعون کے ذریعہ حالات معلوم ہو گئے اور وہاں سے فرار ہو گئے۔

مصر سے نکل جانے کی وجہ سے موسیٰ نے نجات پائی۔ آٹھ دن رات مسلسل پیدل چلتے رہے یہاں تک کہ مدائن پہنچے۔ شہر سے باہر کچھ چرواہے کنویں سے پانی کھینچ کر اپنے چوپایوں کو پانی پلا رہے تھے۔ موسیٰ درخت کے نیچے آرام کی غرض سے بیٹھ گئے۔ سفر کی تھکن اور کئی دن بھوکے رہنے کی وجہ سے نڈھال تھے اسی وقت آپ نے دو پردہ دار لڑکیوں کو دیکھا کہ وہ ایک طرف منتظر کھڑی ہیں۔ موسیٰ — جو کہ ہمیشہ کمزوروں کی مدد کرتے ہیں — ان کے پاس گئے اور الگ کھڑے ہونے کی وجہ معلوم کی تو انہوں نے بتایا کہ ہمارے والد بوڑھے ہو چکے ہیں لہٰذا گوسفندوں کو پانی پلانے پر مجبور ہیں چنانچہ جب تک مرد اپنی بھیڑ بکریوں کو پانی پلاتے ہیں اس وقت صبر کرنا پڑتا ہے تاکہ نامحرموں کی نظر نہ پڑے۔

ان کے حال پر موسیٰ رونے لگے۔ اس کے قریب ہی ہیں، ایک کنویں پر بہت بڑا پتھر رکھا ہوا تھا۔ آپ نے اسے کنویں سے ہٹایا، کنویں سے پانی کھینچا اور ان دو لڑکیوں کی بھیڑ بکریوں کو سیراب کر دیا وہ بھی خوشی، خوشی گھر چلی گئیں۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید کہتا ہے:

فسقیٰ لهما ثم تولّیٰ الی الظل فقال ربّ
انی لما انزلت الیّ من خیر فقیر (قصص/ ۲۴)

موسیٰ نے ان دونوں کی گوسفندوں کو پانی پلایا اور سایہ میں لوٹ آئے اور کہا: پروردگار تو مجھے جس سے بھلائی سے بھی نوازے گا میں اس کا محتاج ہوں۔

روایت میں ہے کہ اس وقت موسیٰ نے بھوک مٹانے کیلئے روٹی نہیں

مانگی ۔ حضرت شعیب کی بیٹیاں اس دن خلاف معمول جلد گھر پہنچیں تو جناب شعیب بہت خوش ہوئے اور جلد آجانے کی وجہ معلوم کی ۔ لڑکیوں نے بتایا : کنویں پر ایک نیک آدمی تھے، انھیں ہمارے حال پر رحم آیا تو ہماری بھیڑ بکریوں کو پانی پلاکر ہمیں گھر بھیجدیا۔

جناب شعیب نے صفوراء کو موسیٰ کے پاس بھیجا اور انھیں اپنے گھر بلایا۔ قرآن کہتا ہے :

فجاءته احدیهما تمشی علی استحیاء قالت ان ابی یدعوک لیجزیک اجر ما سقیت لنا

(قصص / ۲۵)

ان لڑکیوں میں سے ایک شرم وحیا کے ساتھ چلتی ہوئی موسیٰ کے پاس آئی اور کہا: آپ کو بابا نے بلایا ہے۔ تاکہ آپ کو گوسفندوں کو پانی پلانے کی اجرت دیدیں ۔

قرآن مجید ہر موقع کی طرح یہاں بھی اس عورت کا نام نہیں لیتا ہے بلکہ صرف اس کی ایک صفت بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہے اور وہ صفت ہے شرم وحیا کے ساتھ چلنا ۔ واضح ہے کہ شرم و حیا ہی ایک عورت کی عظمت وسعادت کا بہترین سرمایہ ہے وہ صفوراء کے پاس ہے کہ جس کو قلم تقدیر نے ایک اولوا العزم پیغمبر کی زوجیت کے لئے معین کیا ہے۔

صفوراء نے ابھی موسیٰ کی عظمت کا اندازہ نہیں لگایا ہے۔ جب صفوراء موسیٰ کے آگے آگے اور موسیٰ ان کے پیچھے پیچھے گھر کی طرف چلے تو موسیٰ نے کہا کہ میں آگے آگے چلتا ہوں تم مجھے گلی، کوچے بتاتی رہنا، اس کی

وجہ یہ تھی کہ صفوراء کے پوشیدہ بدن کے جسم پر بھی موسیٰ کی نظر نہ پڑے یہیں سے صفوراء موسیٰ کی شیفتہ ہو جاتی ہے اور یہ سوچنے لگتی ہے کہ ایسے ہی قوی جسم اور پاک و عفیف روح والے مرد سے شادی ہو جائے۔

آخر کار منزل مقصود تک پہنچ گئے موسیٰ شعیب کی خدمت میں پہنچے، شعیب نے پرتپاک طریقہ سے استقبال کیا، محبت و احترام سے نوازا۔ یہ بات موسیٰ کیلئے جو تنہائی و غربت کے زمانہ سے گذر رہے تھے، بہت بڑی تھی۔

آپ کی دعا قبول ہو گئی۔ موسیٰ کے سامنے لذیذ کھانا پیش کیا گیا۔ شکم سیر ہو کر تناول کیا۔ اس کے بعد حضرت شعیب نے آپ کی سرگذشت معلوم کی۔ موسیٰ نے بھی پورا ماجرا بیان کر دیا۔ قرآن کہتا ہے۔

فلما جاءہ وقص علیہ القصص قال لا تخف نجوت من القوم الظالمین — قصص / ۲۵

جب موسیٰ نے شعیب کے سامنے داستان بیان کی تو انہوں نے کہا:

ڈرو نہیں! ظالموں سے نجات پا چکے ہو۔

شعیب چاہتے تھے کہ اس پاک و شائستہ جوان کو اپنے پاس رکھیں لیکن اس کا طریقۂ کار سوچ رہے تھے۔ صفوراء نے — موسیٰ سے شادی بھی کرنا چاہتی تھی اور موسیٰ سے والد کی محبت کو دیکھ رہی تھی — کہا: اباجان! موسیٰ کو اجرت پر رکھ لیجئے۔ قرآن مجید کہتا ہے:

قالت احدیٰھما یا ابت استاجرہ ان خیر من استاجرت القوی الامین — (قصص / ۲۶)

ان میں سے ایک — صفوراء — نے کہا: ابا انھیں اجرت پر رکھ لیجئے

کہ جیسے بھی آپ اجرت پر رکھیں گے۔ یہ ان میں سب سے بہتر ہے۔ یہ طاقتور بھی ہیں اور امین بھی ہیں۔

صفوراء نے موسیٰ کی طاقت کا اندازہ اس وقت لگایا تھا جب آپ نے کنویں سے پتھر اٹھایا تھا اور آپ کے امین ہونے کو اس وقت سمجھ گئی تھی جب موسیٰ انکے پیچھے پیچھے چلنے پر تیار نہیں ہوئے تھے۔ گویا شعیب کا دل بھی یہی چاہتا تھا کہ اپنی بڑی بیٹی کا عقد موسیٰ سے کر دیں اور انھیں اپنا داماد بنالیں۔ بیٹی کی بات سن کر سمجھ گئے کہ وہ بھی موسیٰ سے شادی کرنے کیلئے تیار ہے۔ حقیقت میں انھیں ایسا داماد مل گیا ہے کہ جس کی انھیں تلاش تھی۔ قرآن کہتا ہے:

انی ارید ان انکحک احدی ابنتی ھاتین
علی ان تاجرنی ثمانی حجج فان اتممت عشراً
فمن عندک وما ارید ان اشق علیک ستجدنی
ان شاء اللہ من الصالحین (قصص / ۲۷)

شعیب نے کہا: میں ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کا نکاح تمہارے ساتھ کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن اس شرط پر کہ آٹھ سال تک ہمارے یہاں کام کریں اور اگر آپ دس سال تک کام کریں گے تو اس کا آپ کو اختیار ہے میں آپ کو مشقت میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ انشاء اللہ آپ مجھے صالحین میں سے پائیں گے۔

موسیٰ کو بہترین موقع مل رہا ہے۔ اگر سفر کی حالت میں نیک بیوی مل جائے اور اس خاندان کے ساتھ زندگی بسر کرنے اور خود کو رسالت خدا کے حاصل کرنے، فرعون اور اس کے گماشتوں سے نجات پانے کیلئے تیار کرنے

اور اس ہجرت کے بعد اپنے وطن لوٹنے کیلئے یہ بہترین موقعہ ہے۔ لہذا آپ نے شعیب کی بات قبول کرلی۔ قرآن مجید کہتا ہے:

قال ذالك بيني وبينك ايما الاجلين قضيت فلا عدوان علي والله على مانقول وكيل قصص/۲۸

موسیٰ نے کہا: میرے اور آپ کے درمیان یہی ہے۔ دونوں میں سے جس مدت کو بھی میں پورا کروں گا، مجھ پر ظلم نہیں ہوگا اور جو کہہ رہا ہوں اس پر خدا وکیل ہے۔

اس طرح صفورا، موسیٰ کے حبالہ نکاح میں آجاتی ہیں۔ دونوں عائلی زندگی کا آغاز کرتے ہیں۔ اب صفورا کو صرف ایک نیک بیوی کی حیثیت ہی سے موسیٰ کے ساتھ نہیں رہنا ہے بلکہ جہاد کے ہر محاذ پر موسیٰ کا ساتھ دینا ہے۔ کہتے ہیں کہ جو عصا موسیٰؑ کے ہاتھ میں رسالت کی دلیل کے عنوان سے اژدھا بن جاتا تھا وہ آپؑ کو شعیب ہی نے دیا تھا کہ آج اس کے ذریعہ گلّہ بانی کریں اور کل انسانوں کی رہبری میں اس سے مدد لیں۔ اس عصا کے بارے میں عجیب وغریب باتیں لکھی گئی ہیں۔

موسیٰ اور صفورا برسوں سے سکون کے ماحول میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ دس سال پورے ہوجانے کے بعد موسیٰ نے وطن واپس لوٹنے اور آغازِ انقلاب کیلئے حضرت شعیب سے اجازت طلب کی۔ اسی زمانہ میں صفورا حاملہ تھیں اور حمل کا آخری زمانہ تھا۔ لیکن چارۂ کار نہ تھا۔ خدا کا مقدر کیا ہوا، دوسری چیز ہے۔ اس مسافرت کے لئے سب راضی ہوگئے۔ شعیب نے موسیٰ کو کچھ بھیڑ بکریاں دیکر رخصت کیا۔ اس سلسلہ میں قرآن کہتا ہے:

فلمّا قضیٰ موسیٰ الاجل وسار باھلہ آنس من جانب الطور نارًا قال لاھلہ امکثوا انیّ آنست نارًا لعلّی آتیکم منھا بخبرٍ او جذوۃ من النار لعلکم تصطلون (قصص / ۲۹)

جب موسیٰ نے معینہ مدت پوری کردی اور بیوی بچوں کے ساتھ اپنے وطن کی طرف چلے تو طور کی طرف آگ دیکھی، بیوی بچوں سے کہا: تم یہیں ٹھہرو! میں نے آگ دیکھی ہے ہو سکتا ہے تمہارے لئے اس سے خبر لاؤں یا آگ کا شعلہ لاؤں تاکہ تم تاپ سکو۔

موسیٰ نے بیوی بچوں کو وہیں چھوڑا خود آگ کی طرف چلے گئے آگ کے قریب جاکر دیکھا تو ایک بڑا درخت ہے، جس سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں۔ آگ لینے کیلئے اس کے نزدیک پہنچے تو تعجب سے دیکھا کہ آگ ان پر لپک رہی ہے۔ موسیٰ ڈرے اور واپس لوٹنے لگے۔ اسی وقت خدا کی طرف سے ان پر وحی نازل ہوئی اور فرعون اور اس کے گماشتوں کو دعوت دینے پر دو معجزات کے ساتھ مامور ہوئے۔ ان کا ایک معجزہ عصا تھا جو اژدھا بن جاتا تھا اور دوسرا یہ کہ وہ اپنا ہاتھ گریبان کے اندر ڈال کر باہر نکالتے تو وہ چمکنے لگتا تھا۔

موسیٰ کو رسالت مل چکی تھی۔ اپنے اہل و عیال کے پاس واپس آئے۔ یہاں بچہ پیدا ہو چکا تھا۔ موسیٰ کیا کریں؟! اگر انھیں اپنے ساتھ لے جائیں تو تبلیغی امور میں مشکلات کھڑی ہوں گی؟! انھیں بیابان میں چھوڑ کر تنہا جائیں۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا!

یہاں روایات میں اختلاف ہے۔ بعض روایات کہتی ہیں، موسیٰ انھیں اپنے ساتھ مصر لائے تاکہ بیوی بچے ان کے ساتھ رہیں اور باپ کے تلخ حالات

یں ان کا ساتھ دیں۔ بعض روایات کا مفہوم یہ ہے کہ موسیٰ نے انھیں ابراہیم کی طرح وہیں چھوڑ دیا اور خود تن تنہا مصر چلے گئے تاکہ وہاں فرعون کے محل میں زلزلہ پیدا کر سکیں۔

اس روایت کی رو سے موسیٰ کی بیوی بعض مسافروں کے ساتھ اپنے والد حضرت شعیب کے پاس چلی گئیں۔ شعیب ــ جو کہ دور سے حالات پر نظر رکھے ہوئے تھے ــ نے انھیں اپنے پاس رکھ لیا اور ان کی سرپرستی کرتے رہے صفوراء اپنے بچوں کے ساتھ والد کے پاس زندگی گذارتی رہیں، جب موسیٰ کامیاب ہو گئے اور فرعون مر گیا تو حضرت شعیب نے موسیٰ کے بیوی و بچوں کو ان کے پاس بھیج دیا۔

قرآن میں بیان ہونے والی صفوراء کی داستان بھی کمال جو اور سعادت حاصل کرنے والی عورتوں کیلئے مفید ہے۔ اگر قرآن کسی عورت کا قصہ بیان کرتا ہے اور اس کی اہم خصوصیات کو بیان کرتا ہے تو اس لئے تاکہ آنے والوں کیلئے درس قرار پائے۔[۱]

---

[۱] قرآن مجید، تفاسیر

"میرے اوپر وہ مصائب پڑے ہیں اگر روشن دنوں پر پڑتے
تو تاریک رات ہوجاتے۔ چنانچہ غم میرا ہمدم اور آنسو
میری بے تابی کے شعلے بجھانے والے ہیں۔"

انس بن مالک رسولؐ کی تدفین میں شریک تھے۔ انہوں نے سوچا کہ درِ سیدہ پر جاکر آپؑ کو تعزیت و تسلیت پیش کریں۔ فاطمہ زہراؑ سے اجازت طلب کی، اجازت ملی۔ جب حضرت فاطمہؑ کی خدمت میں پہونچے تو آپؑ کی زبان سے لرزہ براندام کردینے والا جملہ سنا۔ اس جملہ نے انس کو اتنا زیادہ متاثر کیا کہ فاطمہؑ کے گھر سے چیخ مار کر روتے ہوئے نکلے۔ جملہ یہ تھا:

"تمہارے دل پیغمبر خدا پر خاک ڈالنے کیلئے کیسے تیار ہوگئے؟"

واضح ہے کہ سب کو چادر خاک کے نیچے جانا ہے۔ انبیاء اور اسلام کی تعلیم و تربیت کا مرقع فاطمہ زہراؑ دنیا میں ہمیشہ نہیں رہیں گی۔ لیکن اس جملہ سے آپ یہ نہیں سمجھانا چاہتی تھیں کہ جسدِ رسولؐ پر خاک نہ ڈالو! بلکہ آپؑ کا مقصد یہ ہے کہ تم لوگ اپنے سچے رہبر کی محبت و عقیدت کا دم بھرتے ہو تو جان لو کہ رسولؐ کے پسماندگان کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا ہے گویا وہ رسولؐ پر خاک ڈالنے کے برابر ہے۔

جب لوگ اس بات پر آنسو بہاتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے رسولؐ کو دفنا دیا تو پھر آنحضرتؐ کی بیٹی، داماد اور نواسوں پر ظلم کرنے کی کیسے ہمت پڑی؟!

ایسے حالات میں فاطمہ زہراؑ کو یہ حق حاصل ہے کہ آپ اپنے جذبات کو آزاد چھوڑ دیں اور ایسے گریہ کریں کہ جس سے دل پاش پاش ہوجائیں اور آپ دنیا کے سب سے زیادہ گریہ کرنے والوں، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت آدمؑ اور امام زین العابدینؑ کے زمرہ میں شامل ہوجائیں۔

زلیخا

زوجۂ عزیز مصر

یہ ایک گناہگار عورت تھی۔ عشق و شہوت کے جال میں پھنسی ہوئی تھی۔ یہ معصوم و پاکیزہ یوسف کو بھی گناہ و شہوت کی دلدل میں پھنسانا چاہتی تھی اور اپنے شوہر سے خیانت کرنے پر کمر باندھ چکی تھی۔ اور جب اس مقصد میں کامیاب نہ ہوسکی تو یوسف کو قید میں ڈلوانے کا ارادہ کرلیا۔ لیکن لالچ و دھمکی کے سامنے خم نہ ہوئے اور اپنے خدا کی بارگاہ میں اس طرح راز و نیاز میں مشغول ہوگئے:

رب السجن احبّ الیّ مما یدعوننی الیہ

(یوسف/ ۳۳)

پروردگار! میرے لئے قید اس چیز سے بہتر ہے جس کی طرف یہ مجھے دعوت دیتی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ ابتدا میں اور جب تک یوسف مظلوم و بے گناہ قید میں ہیں، اس وقت تک زلیخا بھٹکی ہوئی ہیں اور ان سے بہت بڑی خطا سرزد ہوئی ہے، لیکن اس کا انجام حق کی طرف میلان، عذرخواہی اور توبہ ہے۔ خدا کے پیغمبروں کا مقصد یہی ہے کہ وہ انسانوں کو بدبختی اور گناہوں کی دلدل سے نجات دلاتے ہیں اور راہ راست پر لگاتے ہیں۔ بشرطیکہ انسانوں میں

ایسی قابلیت موجود ہو اور زلیخا میں ایسی صلاحیت موجود تھی۔

یوسف سالہا سال قید خانہ کی تنہائی میں زندگی بسر کرتے ہیں اور کوئی پرسان احوال نہیں ہے قید کی تنہائی میں وہ مبعوث بہ رسالت ہو گئے ہیں اور مناسب موقعوں پر قیدیوں کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں۔ قیدیوں کو ان کی عظمت معلوم ہو جاتی ہے تو درباریوں میں دو قیدی آپ سے خواب کی تعبیر معلوم کرتے ہیں ایک کو آپ نجات کی بشارت اور دوسرے کو پھانسی پر چڑھائے جانے کی خبر دیتے ہیں۔

نجات یافتہ درباری یوسف کو بھول جاتا ہے۔ یہاں تک بادشاہ خواب میں سات فربہ اور سات لاغر گایوں کو اور سات ہری بھری اور سات خشک بالیوں کو دیکھتا ہے، حاشیہ نشینوں سے اس کی تعبیر معلوم کرتا ہے۔

اس خواب کی وجہ سے بھولا دینے والے کو یوسف یاد آتے ہیں، اس نے بادشاہ سے قصہ سنایا اور یوسف سے تعبیر معلوم کرنے کی اجازت طلب کی۔ بادشاہ نے کہا: یوسف کے پاس جاؤ اور ان سے خواب کی تعبیر معلوم کرو۔ یوسف نے خواب کی تعبیر بیان کی اور انھیں بتایا سات سال بارش زیادہ ہوگی اور پھر سات سال تک قحط پڑے گا۔ بارش اور پیداوار والے برسوں میں اتنی پیداوار بڑھالی جائے کہ جس سے قحط کے سات برسوں میں قوم والے پریشان نہ ہوں۔

اس درباری نے بادشاہ کو خواب کی تعبیر سے آگاہ کیا۔ بادشاہ نے تعبیر کو پسند کیا اور حکم دیا کہ یوسف کو میرے پاس حاضر کیا جائے تاکہ ان کی عقل و تدبیر کی سے فائدہ حاصل کیا جائے۔ لیکن یوسف نے قید سے رہا

ہونے سے انکار کر دیا اور پیغام بھیجا کہ قید سے رہا ہونے سے قبل بادشاہ عورتوں کو بلا کر یہ پوچھے کہ واقعہ کی حقیقت کیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یوسف کو ان ہوس پرست عورتوں نے زندان میں ڈلوایا ہے۔ ان کی کوئی تقصیر نہ تھی۔ بادشاہ نے عورتوں کو طلب کیا۔ قرآن کہتا ہے:

قال ما خطبکن اذ راودتن یوسف عن نفسہ قلن حاش للہ علمنا علیہ من سوء (یوسف/۵۱)

بادشاہ نے پوچھا: یوسف سے تمہارا کیا معاملہ تھا کہ انھیں پھنسایا ہے؟ عورتوں نے کہا: حاشا للہ ہم نے یوسف کی بری نیت دیکھی ہو۔

اب زلیخا کی باری آتی ہے۔ معصوم یوسف کو تمام مشکلوں میں پھنسانے والی یہی ہے۔ لیکن مرور زمانہ کے تحت انھیں عقل آگئی ہے اور وہ خود کو خطاکار سمجھ کر پشیمان ہوگئی ہیں، ان کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

قالت امرأة العزیز الان حصحص الحق انا راودتہ عن نفسہ وانہ لمن الصادقین (یوسف/۵۱)

عزیز کی عورت نے کہا: اب حق آشکار ہو گیا تو حقیقت یہ ہے کہ میں نے خود انھیں اپنی طرف راغب کرنا چاہا تھا وہ سچے ہیں۔

اس طرح زلیخا نے اپنی گذشتہ خطاؤں کی تلافی کی اور یوسف کی پاک دامنی کی گواہی دے کر سارے گناہوں کا بار اپنے ذمہ لے لیا بلکہ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ زلیخا نے کچھ اس انداز سے گفتگو کی کہ جس سے بادشاہ اور دیگر افراد کے ذہن کو یوسف کی طرف سے مطمئن کر دیا۔

یوسف یہ نہیں چاہتے تھے کہ زلیخا کے گناہ کو آشکار کریں۔ اسی لئے

بادشاہ سے یہ تقاضا کیا تھا کہ عورتوں سے پوچھا جائے ۔ اگر آپ

اگر آپ یہ کہتے ہیں :

ان ربی بکیدھن علیم (یوسف/۵۰)

میرا پروردگار ان کے فریب سے بخوبی واقف ہے

تو اپنے غم و غصہ کو آشکار کرنے کے لئے اور یہ شکوہ کرنے کیلئے کہ ایک بے گناہ کو گناہگار ثابت کرنے پر کیسے راضی ہوگئیں ۔

بہر حال اگر ان کا ارادہ یوسف کو بدنام کرنے کا نہ ہوتا اور اگر ان بدنامیوں کو ختم کرنا لازمی نہ ہوتا تو حضرت یوسف ہرگز یہ شرط نہ رکھتے

یہاں زلیخا کی داد دینی چاہیئے کہ انہوں نے حق گوئی سے پہلو تہی کی اور یوسف کی پاک دامنی کا اعتراف کر لیا اور ساری ذمہ داریوں کا بار اپنے اوپر لے لیا۔[1]

---

[1] تفسیر المیزان ج ۱۱ ص ۲۱۳ و ص ۲۱۴

حوّا

قرآن مجید۔ وخلق منہا زوجہا[1] ۔ کے پیرایہ میں اس حقیقت کو بیان کرنا چاہتا ہے کہ حوّا کو آدم ہی کی طینت سے پیدا کیا ہے۔ بعض روایات میں بیان ہوا ہے کہ مرد آب و گل سے پیدا ہوئے ہیں اور ان کی آخری منزل بھی آب و گل ہی ہے۔ عورت کو مردوں سے پیدا کیا گیا ہے اور وہ انھیں کیلئے ہیں۔

اس روایت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ عورت مرد کی فوقیت کی قائل ہے اور خود کو اس سے وابستہ سمجھتی ہے۔ بنابرایں اگر زندگی میں کسی کے پاس شائستہ شریک حیات ہے تو خوش بخت اور کامیاب ہے۔ مرد و عورت کی تخلیق کچھ اس طرح ہوئی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ ایک دوسرے کے نزدیک آکر اطمینان و آرام محسوس کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اولین بشر کو ۔۔۔ یہاں تک کہ جنت میں بھی ۔۔۔ شریک حیات کے بغیر نہیں رہنا چاہئے

جنت کی عیش و آسائش کی تمام چیزیں بشریت کے اولین جوڑے کیلئے فراہم ہیں۔ اگر شیطان انھیں اغواء نہ کرے، اور وہ شجر ممنوعہ کے نزدیک نہ جائیں تو ہرگز جنت سے نہیں نکالے جائیں گے۔ خداوند عالم نے ضروری باتیں ان کے گوش گذار کر دی ہیں اور انھیں شیطان کے فریب میں آنے اور درخت

[1] نساء/۱

کے نزدیک جانے سے منع کر دیا ہے۔

لیکن بشری غرائز کے ذریعہ شیطان نے ان میں نفوذ کیا اور انھیں شجر ممنوعہ کا پھل کھانے پر ابھارا اور انھیں جنت سے نکلوانے کے اسباب فراہم کر دیئے۔ ان سے خطاب ہوا:

اھبطا منھا جمیعا بعضکم لبعض عدو فاما یاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلا یضل ولا یشقی ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا ونحشرہ یوم القیامۃ اعمی (طہ / ۱۲۳ - ۱۲۵)

تم سب یہاں سے نیچے اتر جاؤ اب تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اگر میری طرف سے تمہاری ہدایت آئے گی اور تم میں سے جو بھی میری ہدایت پر عمل کرے گا۔ وہ گمراہ اور بدبخت نہ ہوگا اور جو میرے ذکر سے روگردانی کرے گا تو اس کی معیشت تنگ کر دی جائے گی اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔

اسی وقت سے اپنے شوہر حضرت آدم کے ساتھ حوا بھی مصائب اور بلاؤں میں گھر جاتی ہیں، کہتے ہیں: آدم سراندیپ کے پہاڑ پر — سری لنکا میں — اور حوا جدہ میں اتریں۔ اس وقت یہ دونوں اپنے کئے پر پشیمان ہوئے، خدا کی بارگاہ میں استغاثہ کیا اور توبہ کی۔ خدا نے ان سے فرمایا:

الم انھکما عن تلکما الشجرۃ و اقل لکما ان الشیطان لکما عدو مبین (اعراف / ۲۲)

کیا میں نے تمہیں اس درخت کے پاس جانے سے منع نہیں کیا تھا اور تم

سے یہ نہیں کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔

حضرت آدم کو جن علوم کی تعلیم دی گئی تھی شاید ان میں سے ایک یہ تھا لغزشوں اور خطاؤں پر توبہ کی جا سکتی ہے۔ مایوس و ناامید نہیں ہونا چاہیئے وہ خدا کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں:

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین (اعراف/ ۲۳)

پروردگار! ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے اگر تو ہماری مغفرت نہیں کرے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا، تو ہم گھاٹا اٹھانے والوں میں ہو جائیں گے۔

اس طرح ان کی توبہ قبول ہو جاتی ہے اور وہ کرۂ زمین پر اپنی جد و جہد سے پر زندگی کا آغاز کرتے ہیں۔ حوا اپنے شوہر آدم کے ساتھ نشیب و فراز سے لبریز اپنی زندگی کی بنیاد رکھنے والی ہیں کہ جس کے نقطۂ آغاز کو خدا ہی جانتا ہے اور اسکی انتہا کی خبر بھی اسی کو ہے۔ خدا نے ان دونوں کو ضرور علوم و استعداد سے نوازا تھا تاکہ وہ اپنی نسلوں کے انسانوں کی زندگی کی راہ ہموار کر سکیں، ان ضروری آمادگیوں کے علاوہ خداوند عالم نے ان دونوں کی نسلوں میں پیغمبر مبعوث کئے ہیں تاکہ بشر کے اندرونی و بیرونی چراغ ہدایت گل نہ ہو جائیں۔

اسی بشری جوڑے کو خدا نے اولاد عطا کی۔ حوا کو اپنی بیٹیوں کیلئے نمونہ ماں اور سمبل زوجہ بننا ہے۔ لہذا وہ ذمہ داری کے بار کو شائستہ طریقہ سے اٹھاتی ہیں اور بچوں کی تربیت میں ہمت سے کام لیتی ہیں۔ مگر افسوس کہ اس اولین ماں کو بھی تلخ و ناگوار حادثہ کا سامنا کرنا پڑا، قابیل کو ہابیل سے حسد تھا جس کی

بنا پر اس نے انھیں قتل کر دیا اور ماں، باپ کے دل کو داغدار کر دیا۔

ہابیل ایسے شائستہ اور پارسا جوان کے غم میں ماں، باپ چالیس شب روز روتے رہے اور بشریت کے دامن پر لگ جانے والے اس داغ پر کف افسوس ملتے رہے۔ خدا نے آدم پر وحی نازل کی کہ غم نہ کرو۔ خداوند متعال ہابیل کے عوض دوسرا بیٹا عطا کرے گا۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد حوا میں حمل کے آثار ظاہر ہو گئے۔ خدا نے انھیں ایک فرزند عطا کیا جس کا نام انھوں نے شیث۔ یعنی خدا کی عطا۔ رکھا۔

حضرت آدم نے شیث کو اپنا جانشین مقرر کیا اور اسرار نبوت کے ان سپرد کئے۔ آخر کار ابو البشر آدم نے سیکڑوں سال کی عمر۔ علی الاختلاف۔ کے بعد انتقال کیا اور حضرت شیث نے آپ کو اس جگہ دفن کیا جہاں آج امیر المؤمنینؑ کی قبر ہے۔ حضرت نوح بھی یہیں دفن ہیں۔

حضرت آدم کے انتقال کے ایک سال بعد حوا بھی بیمار ہو جاتی ہیں اور پندرہ دن بیمار رہنے کے بعد دار فانی سے کوچ کر جاتی ہیں اور شوہر کی قبر کے پاس دفن ہوتی ہیں۔

کہتے ہیں حضرت حوا کی قبر جدہ میں ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ جدہ سمندر و دریا کے کنارہ کو کہتے ہیں۔ چنانچہ جدہ کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے کہ سمندر کے کنارے واقع ہے۔

ممکن ہے اس قول کی وجہ یہ ہو کہ چونکہ حوا جدہ میں اتری تھیں لہذا ان کی قبر بھی وہیں ہے۔ مختصر یہ کہ انسانوں کے فضائل و کمالات کو پہچاننا اہم چیز ہے۔[1]

---

[1] تفاسیر اور قصص قرآن سے اقتباس

ام خارجہ

زوجۂ زید بن ثابت

اس خاتون نے رسولؐ سے حدیث نقل کی ہے جس کے صحیح ہونے میں شک نہیں ہے۔ یہ شریف و بلند مرتبہ عورت تھی۔ کہتی ہیں کہ: ہم رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کہ اپنے چند اصحاب کے ساتھ ایک باغ میں تشریف فرما تھے فرمایا: "دروازہ سے جو پہلا شخص داخل ہوگا وہ جنتی ہے۔" آنکھیں دروازہ پر مرکوز ہوگئیں۔ سب یہی سوچ رہے تھے کہ کاش ہم دیوار کے پیچھے ہوتے اور دروازہ سے داخل ہوتے اور یہ یقینی شرف و کامیابی ہمیں نصیب ہوتی۔ انتظار کی گھڑیاں گذرتی رہیں۔ سبھی پریشان تھے اور لمحہ بھر کیلئے بھی باغ کے دروازہ سے آنکھیں نہیں ہٹی تھیں اس حالت میں اس وقت زیادہ شدت پیدا ہوگئی جب ہم نے یہ محسوس کیا کہ ایک شخص باغ میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا:

"شاید علی ہیں" جب آنے والا داخل ہوا تو ہم نے دیکھا کہ علی تھے۔[1]

---

[1] سطور مع نساء مومنات

ام کجہ انصاری

اوس بن ثابت انصاری نے انتقال کیا تو ان کی تین بیٹیاں اور ایک بیوی ام کجہ تھیں، اوس کے چچا زاد بھائیوں نے ان کے اموال کو ہڑپ کر لیا اور ان کی بیوی بچیوں کو میراث سے محروم کر دیا۔ ام کجہ رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی:

"میرے یہاں چند بیٹیاں ہیں، ان کے باپ کا انتقال ہو گیا ہے اور وہ میراث سے بھی محروم کر دی گئی ہیں!"

تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ یہ آیت:

للرجال نصیب مما ترك الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترك الوالدان والاقربون

نساء/۷

جو والدین اور قریبی عزیز میراث چھوڑتے ہیں اس میں مردوں کا حصہ ہے اور جو عورتوں کے والدین و قریبی عزیز چھوڑتے ہیں اس میں عورتوں کا حصہ۔

نیز دوسری آیت میں ارشاد ہے:

یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین (نساء/۱۱)

حضرت فاطمۂ زہراءؑ کا گریہ بھی ایک قسم کا حق طلبانہ جہاد تھا۔ حکومتِ وقت نے خواہ مخواہ ہی آپ کے گریہ پر پابندی نہیں لگائی تھی کہ جس سے فاطمہؑ زہراء اپنے بچّوں کے ساتھ شہر سے باہر ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر گریہ کرتیں اور بچّوں کے ساتھ مغرب تک وہیں رہتی تھیں۔ مغرب کے وقت علیؑ جاتے اور اپنے سوگوار خاندان کو مغموم و محزون گھر لاتے تھے۔

دشمنوں نے وہ درخت بھی کاٹ ڈالا جس کے نیچے حضرت فاطمۂ زہراءؑ اپنے بچوں کے ساتھ شدید دھوپ میں بیٹھ کر چپکے چپکے آنسو بہاتی تھیں۔ اس صورتحال کے پیشِ نظر حضرت علیؑ نے آپ کیلئے ایک چھوٹا سا گھر بنا دیا جس کو "بیت الحزن" کہا گیا۔

اس سرد جنگ کا آغاز مظلوم انسان اس وقت کرتے ہیں کہ جب انھیں مثبت رویہ کے جہاد سے روک دیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ فاطمہؑ زہراء کے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے، حق خطرہ میں ہے، دین کو بدلا جا رہا ہے۔ ابوبکر و عمر کی خلافت کے نتیجہ میں اموی و عباسی ایسی جابر حکومتیں برسرِ اقتدار آئیں گی۔

جو لوگ حقیقت کو جانتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں، وہ ایسے حالات کو برداشت نہیں کر پاتے۔ فاطمہؑ زہرا بھی جانتی ہیں، آپ کا ایمان بھی قوی ہے اور پھر اس صورتحال میں آپؑ کے علاوہ کوئی بھی جہاد و مقابلہ نہیں کر سکتا ہے۔

اسلامی معاشرہ میں فاطمۂ زہراءؑ کی جو حیثیت ہے وہ کسی کی نہیں ہے۔ آپؑ اکیلی رسولؐ کی یادگار ہیں۔ جب آپ رسولؐ کے پاس جاتی تھیں تو آنحضرتؐ آپ کی تعظیم کیلئے کھڑے ہو جاتے، ہاتھوں کو بوسہ دیتے اور اپنے پاس بٹھاتے تھے۔ آیۂ تطہیر

خدا تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ بیٹوں کا
حصہ بیٹیوں کے دو برابر ہے۔

جاہلیت کے زمانہ میں اعراب کے درمیان یہ سنت بد جاری ہوگئی تھی کہ وہ بیٹیوں کو میراث نہیں دیتے تھے۔ ام کجہ جانتی تھی کہ یہ سنت بد صرف انکی بیٹیوں کو ان کے حق سے محروم کرنا ہے اور یہ ایک ستم ہے جس کو جلد از جلد ختم ہونا چاہئے۔ رسول خدا کی خدمت حاضر ہوئی۔ آپؐ کو حالات سے آگاہ کیا۔ اس اقدام کے بعد میراث کے بارے میں تفصیلی آیات نازل ہوئیں اور حقوق اسلامی کے مبانی میں سے ایک اور کی بنیاد پڑ گئی۔[1]

---

[1] سطور مع نساء مومنات

ام سنان

ام سنان اسلمی ان عورتوں میں سے ایک ہے جو صحابیت کے زمرہ میں آتی ہیں ۔ یہ رسول ؐ کے چاہنے والی اور وفادار تھی جبکہ بہت سے مرد بھی جہاد میں شرکت کرنے سے جان بچاتے تھے اور صحت مند و متمول ہونے کے باوجود اس عظیم دینی فریضہ سے چشم پوشی کرتے تھے اس وقت یہ عورت جنگوں میں رسول ؐ کے ساتھ رہنے کی کوشش کرتی تھی اور جہاں تک ممکن ہوتا آنحضرت ؐ کی مدد کرتی تھی ۔

جب رسول ؐ خیبر کے یہودیوں سے جنگ کیلئے نکلنا چاہتے تھے اس وقت اس نے عرض کی تھی کہ اے اللہ کے رسول ؐ مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلئے میں مجاہدوں کو پانی پلاؤں گی اور زخمیوں کی مرہم پٹی کروں گی ۔ رسول ؐ نے فرمایا : تم بھی ہمارے ساتھ چلو ، میں نے دوسری عورتوں کو بھی لشکر کیساتھ چلنے کی اجازت دی ہے ۔ تمہارا دل چاہے ان کے ساتھ رہو ، دل چاہے ہمارے ساتھ رہو ۔ عرض کی میں آپ ؐ کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں ۔ فرمایا : میری زوجہ ام سلمہ کیساتھ ہو جاؤ

صفیہ سے رسول ؐ کی شادی میں ام سنان کا اہم کردار یہ تھا کہ دلہن کی آرائش اور کنگھی ، چوٹی کرنا انہوں نے اپنے ذمہ لے لیا تھا ۔ انھیں ہمنشینیوں کی بنا پر انہوں نے رسول ؐ سے کچھ حدیثیں بھی نقل کی ہیں ، علم و فضیلت کے لحاظ سے بھی ان کی حیثیت تھی [1]

[1] سطور مع نساء مومنات

امیہ

یہ عنفوان شباب کے زمانہ میں مشرف بہ اسلام ہوئی، اسلامی جنگوں میں مجاہدوں کی مرہم پٹی کرتی تھی۔ جب اسلام قبول کیا تھا، اس وقت ان کی عمر چودہ سال تھی، جنگ خیبر میں سترہ سال کی تھی۔ رسولؐ نے انھیں اپنے پیچھے رکھا۔ جو ذمہ داری ان کے سپرد کی گئی تھی انھیں بخوبی انجام دیا۔ جس پر رسولؐ نے انھیں انعام دیا۔ یہ انعام ایک گلوبند تھا۔ امیہ نے مرتے دم تک اسے اپنے پاس رکھا اور وصیت کی اسے میرے ساتھ دفن کیا جائے۔

رسولؐ کی صفیہ سے ہونے والی شادی میں آپؐ کی دیگر ازواج بھی شریک تھیں[1]

---

[1] سطور مع نساء مومنات

سفانہ

بنتِ حاتم طائی

یہ باکمال اور عقلمند عورت تھی۔ رسولؐ نے حضرت علیؑ کی سپہ سالاری میں ایک لشکر قبیلۂ طے کی طرف روانہ کیا۔ عدی بن حاتم طائی رسول کا سخت دشمن تھا اور یہ قبیلہ کا سردار تھا جو کہ شام کی طرف فرار کر گیا۔ لشکرِ اسلام نے قبیلہ کے گھوڑوں، بھیڑ بکریوں اور اس کے مرد و عورتوں کو پکڑا اور انھیں مدینہ لے آئے۔ اسیروں کو رسولؐ کے سامنے پیش کیا گیا تو سفانہؓ کھڑے ہو کر عرض کی:

اے محمدؐ! میرے والد کا انتقال ہو چکا ہے، بھائی بھاگ گیا ہے۔ اگر آپؐ مجھے آزاد کر دیں اور مجمع عرب کے قبائل کی ملامت سے بچائیں تو بجا ہے کیونکہ میرا باپ قبیلہ کا سردار اور شریف آدمی تھا۔ لوگوں کی مدد کرتا اور ان پر احسان کرتا تھا۔ پسندیدہ اخلاق کا مالک تھا۔

رسولؐ نے فرمایا: حاتم کے یہ صفات جو تم نے بیان کئے ہیں یہ مومن کے صفات ہیں۔ اگر تمہارے والد مسلمان ہوتے تو ہم ان کے لئے طلب مغفرت و رحمت کرتے۔ اس کے بعد حکم دیا کہ سفانہ کو اس کے باپ کے احترام میں آزاد کر دیا جائے کہ وہ مہربان تھا۔ اور فرمایا:

جو باعزت تھا ذلیل ہوجائے، جو مالدار تہی دست اور جو عالم جاہلوں کے درمیان پھنس جائے اس پر رحم کرو۔ رسولؐ نے حاتم طائی کے احترام میں سفانہ اور قبیلے کے تمام افراد پر نوازش کی اور انھیں آزاد کر دیا۔ سفانہ نے رسولؐ کے حق میں دعا کرنے کی اجازت چاہی۔ سفانہ نے کہا:

خدا آپ کو اس نیکی کی جزا عطا کرے اور آپ کو کسی کمین کا محتاج نہ کرے اور اگر وہ کسی باحیثیت قبیلہ سے کوئی نعمت چھین لے تو آپ کو اسکی تلافی کا وسیلہ قرار دے۔ آزاد ہونے کے بعد اپنے بھائی کے پاس — دومتہ الجندل — گئی اور اس سے کہا: بھائی جتنی جلد ہو سکے ان کی خدمت میں پہنچ جاؤ۔ وہ عنقریب تمام لوگوں پر غالب آجائیں گے۔ وہ نادار سے محبت کرتے ہیں اور ہر چھوٹے بڑے پر نوازش کرتے ہیں۔ میں نے ان سے زیادہ شریف و بزرگوار آدمی نہیں دیکھا ہے۔ اگر وہ پیغمبر ہیں تو جلد از جلد ان سے متصل ہونا چاہیئے اور اگر صاحب تخت و تاج ہیں تو تمہیں بھی کچھ حصہ دیں گے۔

نتیجہ میں عدی و سفانہ دونوں رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہوگئے۔[۱]

---

[۱] دوسری روایت میں وارد ہوا ہے کہ تین روز تک سفانہ راستہ میں کھڑی ہو کر رسولؐ سے مدد طلب کرتی تھی یہاں تک کہ رسولؐ کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ رسولؐ نے ان کا احترام کیا۔ سطور مع نساء مومنات۔

شیما

رسولؐ کی رضاعی بہن

رسولؐ کے کئی بہن بھائی رضاعی تھے۔ عبداللہ، انیسہ، حذیفہ اور شیما جب لشکر اسلام نے قبیلۂ ہوازن پر حملہ کیا تو شیما بھی اسیر ہوئی اور دوسرے اسیروں کے ساتھ مدینہ آئی رسولؐ کی خدمت میں عرض کی: "میں آپ کی رضاعی بہن ہوں۔"

فرمایا: کیا پہچان ہے؟ عرض کی: جب آپ بچے تھے تو میں آپکو گود لیتی تھی۔ پہچان تھی رسولؐ نے اس کے ذریعہ اسے پہچان لیا اور اس پر اپنی ردا ڈال دی آنکھوں سے اشک جاری ہوگئے، فرمایا:

اگر تم یہاں رہکر ہماری محبت سے مالامال ہونا چاہتی ہو تو یہاں رہو ورنہ اپنی قوم کی طرف پلٹ جاؤ۔ شیما مسلمان ہوگئی اور واپس لوٹ جانے کا اظہار کیا۔ رسولؐ نے اس کی مدد کی اور اس کی قوم کی طرف بھیجدیا یہ خاتون اللہ کے رسولؐ کو جب آغوش میں لیتی تھی تو اچھال کر کہتی تھی:

یا ربنا ابق لنا محمداً — حتیٰ اراہ نافعاً وامرداً

ثم اراہ سیداً ومسوداً — واکبت اعادیہ معاً والحسداً

واعطہ عزاً یدوم ابداً

اے پروردگار ہمارے لئے محمدؐ کو باقی رکھ یہاں تک کہ جوان ہوجائے ہیں انھیں دیکھوں کہ سید و سردار ہوگئے ہیں اور حسود و دشمنوں کو سرنگوں کر رہے ہیں، خدایا انھیں دائمی عزت عطا کر۔

اللہ نے اس کی یہ دعا محمدؐ کے سلسلہ میں قبول کی۔[1]

---

[1] سطور مع نساء، مومنات

کعیبہ

ان کیلئے مسجد میں ایک خیمہ لگا دیا گیا تھا جس میں وہ زخمیوں اور بیماروں کا علاج کرتی تھی۔ سعد بن معاذ جنگ خندق میں زخمی ہوئے تو کعیبہ نے ان کا علاج کیا۔ لیکن علاج کامیاب نہ ہوا اور سعد کا انتقال ہوگیا۔

یہ خاتون اس زمانہ کے انھیں سادہ آلات سے میدانِ جنگ کے زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھی۔ اس کا کام صرف جنگ میں زخمی ہونے والوں کا علاج ہی نہیں تھا بلکہ دوسرے بیماروں کا بھی قدیمی سادہ دواؤں کے ذریعہ علاج کرتی تھی اور حفظانِ صحت کے سلسلہ میں قابلِ ستائش خدمات انجام دیتی تھی۔ جنگ خیبر میں لشکر اسلام کے ساتھ تھی اور تن دہی سے اپنے فریضہ پر عمل کر رہی تھی۔

رسولؐ انھیں ایک سپاہی کے برابر جنگی غنیمت میں سے حصہ دیتے تھے اور ان کی ہمت افزائی کرتے تھے اسی طرح اس خدمت گزار خاتون کا نام اسلام کے فدا کار مجاہدین کی فہرست میں شامل ہوگیا۔[۱]

---

[۱] سطور مع نساء مومنات

خولہ فزاریہ

زوجۂ امام حسنؑ

خولہ باکمال اور عقلمند عورت تھی، منظور فزاری کی بیٹی تھی، امام حسنؑ کی شریک حیات ہونے کا فخر حاصل تھا۔ یہ اپنے شوہر سے جتنی محبت رکھتی اور ان کا جتنا زیادہ احترام و اکرام کرتی تھی، امام حسنؑ بھی ان کا اتنا ہی احترام و اکرام کرتے تھے اور ان پر اعتماد رکھتے تھے۔

کہتے ہیں: شادی کے پہلے سال انہوں نے سنگار نہ کیا، یہاں تک کہ خدا نے انھیں ایک بیٹا عطا کیا، جس کا نام حسن رکھا جس نے حسن مثنیٰ کے نام سے شہرت پائی۔ اس بچہ کی ولادت کے بعد ـــ جو کہ حسنی سادات کا سر سلسلہ ہے اور ان کی نسل نے اسلام کیلئے بہت سے نمایاں مجاہد اور شہید دیئے ہیں ـــ انہوں نے عورتوں کا معمولی سا سنگار کرنا شروع کیا۔ امام حسنؑ نے اس کی وجہ دریافت کی۔ عرض کی میں ڈرتی تھی کہ میں سنگار کروں اور آپؑ کے ذریعہ میری گود نہ بھرے اور حسد کرنے والی عورتیں مجھے طعنے دیں اور کہیں: "سنگار تو بہت کرتی تھی لیکن اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا"۔ اب میرے یہاں بچہ ہو گیا لہٰذا کسی کی پروا نہیں ہے۔

امام حسنؑ کی شہادت پر غم کی وجہ سے ان کی حالت غیر تھی، ان کے والد انھیں تسلّی دیدیتے تھے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ خولہ امام حسنؑ کی زندگی کے

آخری لمحات تک آپؑ کے ساتھ رہی ہیں۔ اس سے دشمنوں کا وہ پروپیگنڈہ، کہ آپؑ زیادہ شادیاں کرتے تھے اور زیادہ طلاق دیتے تھے، جھوٹا ثابت ہو جاتا ہے۔ گویا اس جرم کا مرتکب منصور دوانقی ہوا ہے اور اس نے یہ پروپیگنڈہ کیا ہے تاکہ لوگوں کی نظروں میں امام حسنؑ کی شخصیت کو مخدوش کر سکے اور منصور دوانقی و عباسیوں کے جور و ستم سے ٹکرانے والے آپؑ کے بہادر و دلیر پوتوں کی مدد کرنے سے لوگوں کو باز رکھ سکے۔

"حیاۃ الامام الحسن" کے مؤلف، باقر شریف قرشی کہتے ہیں: جن روایات میں امام حسنؑ کی طرف کثرت ازدواج کی نسبت دی گئی ہے، ان کی چار قسمیں ہیں، ان چاروں قسموں میں امام حسنؑ کی ازدواج کی تعداد، ستر ۷۰، نوے ۹۰، دو سو پچاس اور تین سو تک بیان ہوئی ہے۔ ستر ۷۰ والی روایت علی بن عبداللہ بصری کی ہے، اس روایت کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ بخاری نے اپنی صحیح میں اس سے روایت نہیں لی ہے۔ نوے ۹۰ والی روایت شبلنجی نے نور الابصار میں مرسل طریقہ سے نقل کی ہے۔ اس کی کوئی سند نہیں ہے اور ایسی روایت ضعیف ہوتی ہے

۲۵۰ اور ۳۰۰ والی روایت کو مجلسی اور ابن شہر آشوب نے ابو طالب مکی متوفی ۳۸۰ھ کی کتاب "قوت القلوب" سے نقل کیا ہے۔ ابو طالب مکی ہذیان بکنے اور کم عقلی میں شہرت یافتہ ہے۔ چنانچہ اس کی بات یا تحریر کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس کی یاوہ گوئی کا ایک نمونہ یہ ہے کہ مرتے دم اس نے اپنے دوست سے کہا: اگر میری عاقبت بخیر ہوئی تو میرے جنازہ پر شیرینی نچھاور کرنا۔ اس نے پوچھا کہ یہ مجھے کیسے معلوم ہوگا کہ تمہاری عاقبت بخیر ہوئی ہے یا نہیں؟ اس نے کہا: اس کی پہچان یہ ہے کہ میں مرتے وقت تمہارے ہاتھ کو زور سے

کی رو سے آپؑ رسولؐ کے اہل بیت میں سے ہیں۔ اور آیۂ مباہلہ کی رو سے آپؑ ہی وہ عورت ہیں جو مسیحیوں سے مباہلہ کے لئے رسولؐ کے ساتھ گئیں۔

یہی تمام چیزیں اس بات کا تقاضا کرتی تھیں کہ پرچم مبارزہ حضرت فاطمۂ زہراؑ بلند کریں اور دوسرے افراد، یعنی بچے، شوہر اور سلمان، ابوذر، عمار، مقداد اور بلال وغیرہ، ان کی حمایت کریں۔

افسوس کہ فاطمہؑ کی زندگی کے دن پورے ہو گئے اور حق و حقیقت کی یہ تنہا دفاع کرنے والی اور شاہِ ولایتؑ کی پشت پناہ نے دنیا کو خیر باد کہدیا اور منصب و قدرت کے لالچی دنیا پر چھا گئے۔

فاطمۂ زہراؑ کی موت بھی مخالفوں کے لئے ضرب کاری تھی۔ آپؑ نے وصیت کی تھی: "میرا جنازہ رات میں اٹھے اور ایسی جگہ دفن کیا جائے کہ جس کی کسی کو خبر نہ ہو تاکہ روشن فکر خود سے اور دوسروں سے سوال کریں۔

رسولؐ اکرم کی پارۂ تن کو خفیہ طریقہ سے سپردِ خاک کیا گیا اور ان کی قبر کا بھی لوگوں کو علم نہیں ہے[۱]، کیوں؟

اس دنیا کی زندگی کا آخری دن آگیا، آپؑ نے محسوس کیا کہ موت قریب آگئی ہے، لہٰذا بستر سے اٹھیں۔ پانی لیا۔ بچوں کو نہلایا، اور نانا کی قبر کی زیارت کے لئے بھیجدیا۔

یہ چیز بچوں کے لئے بھی تعجب خیز تھی، کیا آج اماں تنہا بیت الاحزان جانا چاہتی ہیں؟ ایسا تو کبھی نہیں ہوا۔ کیا آج گھر میں ہی رہیں گی اور یہیں گریہ کریں گی؟

---

[۱] فلای الامور تدفن لیلاً ــ بضعۃ المصطفیٰ و یعفیٰ ثراھا

دباؤ لگا۔ مرتے دم اس نے اپنے دوست کے ہاتھ کو بہت زور سے دبایا چنانچہ دوست نے بھی اس کی وصیت کے مطابق اس کے جنازہ پر شیرینی اور بادام بکھیرے۔

حقیقت یہ ہے فرزند رسولؐ کو بدنام کرنے میں عباسیوں کی سیاست کارفرما تھی، بعد میں مستشرقین نے اسے خوب اچھالا اور اس سلسلہ میں اسی راہ پر گامزن ہوئے جس پر بنی امیہ اور بنی عباس گامزن تھے۔

مورخین نے امام حسنؑ کی اولاد کی تعداد ۱۲ یا زیادہ سے زیادہ ۲۲ بیان کی ہے۔ یہ بھی آپؑ پر لگائے گئے کثرت ازدواج والے الزام کے جھوٹے ہونے پر بہترین دلیل ہے۔ ایک منصف محقق ایسے اتہام کو ہرگز قبول نہیں کرے گا۔

امالی "زجاج" میں مرقوم ہے کہ امام حسنؑ کے غم میں خولہ کو ان کے والد نے اس طرح تسلّی دی:

نبئت خولۃ امس قد جزعت ... من ان تنوب نوائب الدھر

لا تجزعی یا خول واصطبری ... ان الکرام بنوا علی الصبر

کل مجھے یہ خبر ملی کہ خولہ زمانہ کی ستم ظریفیوں پر بے تاب ہے۔ خولہ! بے تاب نہ ہو۔ اور صبر کر کہ بزرگوں نے زندگی کی بنیاد صبر پر رکھی ہے۔[1]

---

[1] حیات الامام الحسن ج ۲ ص ۴۵۱

حمیدہ اصفہانی

کتاب "ریاض" میں بیان ہوا ہے کہ حمیدہ بنت محمد شریف اصفہانی اپنے زمانہ کی عالمہ و عارفہ عورت تھی اور عورتوں کو پڑھاتی تھی۔ علمِ رجال میں مہارت و تبحر رکھتی تھی۔ ان کی باتیں نپی تلی فضیلت آشکار اور تقویٰ کم نظیر تھا۔
حدیث کی کتب، جیسے استبصار وغیرہ پر تحقیقی حاشیہ لگائے تھے۔ انھیں حاشیوں سے ان کی باریک بینی اور علم رجال میں ان کے فہم کی گہرائیوں کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ ان کے والد شیخ بہائی کے شاگرد تھے اور ان سے نقلِ حدیث کا اجازہ حاصل کیا تھا۔ حمیدہ اپنے والد کو حدیث سناتی تھی اور باپ ان کی باریک بینی اور عقلمندی کی تعریف کرتے تھے۔
ان کے والد انھیں علامتہ کہتے تھے۔ علامتہ کی دو تا میں سے ایک مبالغہ کی ہے اور دوسری تانیث کی ہے۔ ان کا سنہ وفات ۱۰۸۷ھ لکھا ہے۔
حمیدہ کی ایک بیٹی فاطمہ تھی، جس نے ماں کے پاک دامن میں تربیت پائی تھی، علم و تقویٰ اور عبادت کا نمونہ تھی، عورتوں کو پڑھاتی اور ان کی ہدایت کرتی تھی، گیارہویں صدی ہجری میں ایسی عورتوں کا وجود اس بات کی دلیل ہے کہ اسلامی معاشرہ نے اسلام

بلند قوانین کی برکت سے ہمیشہ عورتوں کی تعلیم وتربیت پر زور دیا ہے اور اسلام میں ان کی ترقی کا راستہ ہمیشہ کھلا رہا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یورپ کے تمدن نے عورتوں کو علمی اور ثقافتی محرومیت سے نجات دلائی ہے اور انھیں مردوں کے برابر لا کھڑا کیا ہے۔ یہ تصور غلط پروپیگنڈہ سے پیدا ہوا ہے۔ بنابرایں گذشتہ اور سادہ لوح و بے خبر لوگ ان کے غلط پروپیگنڈہ سے متاثر نہ ہوں۔[1]

---

[1] سفینۃ البحار: مادہ "حمد"

حوراء

زوجۂ امام زین العابدینؑ

بعض مورخین نے اس با فضیلت عورت کے "جیدا"، "جید" اور "وحیدان" اسماء بھی لکھے ہیں۔ لیکن ہم نے وہی نام لکھا ہے کہ جس سے انھیں امام زین العابدین پکارتے تھے۔ حوراء نجیب کنیز تھی جسے مختار بن ابو عبیدہ ثقفی نے ہزار درہم میں خریدا تھا، اور جب ان کی قدر و منزلت سے واقف ہوئے تو انھیں ایک ہدیہ کے طور پر امام زین العابدینؑ کے پاس بھیجدیا کیونکہ مختار سمجھ گئے تھے کہ ایسی کنیز امام ہی کے لائق ہے۔

اس کنیز کو امام زین العابدینؑ کی زوجہ ہونے کا فخر حاصل ہوا، خدا نے انھیں تین بیٹے، زید، عمر، علی اور ایک بیٹی خدیجہ عطا کی۔ اس خاتون کی عظمت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ایک روز امام محمد باقرؑ نے اپنے بھائی زید کو دیکھ کر فرمایا:

هذا سيد من اهل بيته و الطالب باوثارهم لقد انجبت ام ولدتك يا زيد۔

یہ شخص اپنے خاندان کے درمیان سردار ہے اور یہی ان کے خون کا انتقام لے گا۔ اے زید! تم پاک اور نجیب ماں سے پیدا ہوئے ہو۔

زید کے بارے میں امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:

مضی واللہ زید عمی واصحابہ شھداء

مثل ما مضی علیہ علی بن ابی طالب واصحابہ

خدا کی قسم میرے چچا زید اور ان کے اصحاب ایسے ہی دنیا سے اٹھے جیسے علی بن ابی طالب اور ان کے اصحاب۔

جب انسان زید کی عظمت کو پہچان لیتا ہے اور یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ شہید اسلام کتنے نمایاں شیر دل اور فداکار تھے اور اسلام و مسلمین پر ان کا کیا حق ہے تو اس وقت اس باعظمت ماں کو بھی پہچان لیتا ہے کہ جس نے ایسے ایثار گر بچہ کی تربیت کی۔

اس کے علاوہ دو ائمہ امام محمد باقرؑ امام جعفر صادقؑ کی دو حدیثیں بھی اس ماں اور ان کے بیٹے کی عظمت پر بہترین دلیل ہیں۔ حوراء کے پوتے یعنی یحیٰی بن زید بھی شہداء اسلام میں سے ہیں۔ امویوں نے زید کی لاش کو سالہا سال دار پر لٹکانے کے بعد نذر آتش کر دیا تھا اور یہ واقعہ اس وقت رونما ہوا تھا کہ جب خراسان میں یحیٰی نے شورش بپا کی تھی[1]

---

[1] سفینۃ البحار، مادہ زید۔ کتاب شخصیت و قیام زید بن علی ص۱۲ مؤلفہ: سید ابو فاضل رضوی اردکانی

ام اوفی

رسولؐ کے بعد مسلمانوں کو جن ناگوار حوادث کا سامنا کرنا پڑا تھا، ان میں سے ایک خانہ جنگی تھی۔ یہ جنگ بعض جاہ طلب لوگوں نے بھڑکائی تھی جس کے نتیجہ میں بہت سے مسلمانوں کا خون بہہ گیا تھا۔ انھیں جنگوں میں سے ایک جنگِ جمل تھی، جو بصرہ میں ہوئی تھی، اس جنگ کے شعلے بھڑکانے والے، طلحہ، زبیر اور عائشہ تھیں۔

قرآن مجید نے کلی طور پر رسولؐ کی تمام ازواج کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنے گھروں میں رہیں، یہاں تک کہ زنانہ سنگار اور سج دھج سے بھی پرہیز کریں۔ کہ یہ جاہلیت کے تاریک دور کی رسم تھی۔[1]

واضح ہے کہ اس حکم پر اس فتنہ اور آشوب کا سد باب ہو جائے گا جو کہ ازواج رسولؐ کے ذریعہ وقوع پذیر ہو سکتا ہے۔ عائشہ کی ہمیشہ یہ خواہش رہتی تھی کہ اجتماعی امور خصوصاً خلیفہ کو معزول کرنے اور منصوب کرنے میں ان کا دخل ہونا چاہئے۔ اس لئے وہ طلحہ و زبیر کے اکسانے پر ـــ کہ ان دونوں نے علی کی بیعت کی اور پھر اپنے ذاتی مقصد میں ناکامی کے بعد مخالف ہو گئے تھے ـــ بصرہ چلی گئیں۔ عائشہ کی اس خواہش کا پتہ یہاں سے چلتا ہے کہ ایک طرف تو ہمیشہ عثمان کا مضحکہ اڑاتی

---

[1] وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلیة الاولیٰ ۔ احزاب / ۳۳

تھیں اور انھیں نعثل کہتی تھیں اور جب خلافت علیؑ کے ہاتھ میں آگئی تو آپ کی مخالفت کا علم بلند کر دیا اور طلحہ یا زبیر کو خلیفہ بنانے کی غرض سے بصرہ چلی گئیں اور خونی جنگ کا میدان ہموار کر دیا۔

رسولؐ کی دوسری زوجہ ـــــ نمایاں اور کم نظیر عورت ـــــ ام سلمہ نے عائشہ کو سفر سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی۔ البتہ عائشہ نے بصرہ کی خونی جنگ میں شکست فاش کھائی لیکن علیؑ نے رسولؐ کے احترام میں انھیں معاف کر دیا اور احترام کے ساتھ مدینہ بھیج دیا۔ کبھی کبھی لوگ عائشہ کو ان کا یہ غلط اقدام یاد دلاتے اور انھیں سرزنش کرتے تھے۔ جن لوگوں نے منطقی اور محکم دلیلوں سے انھیں سرزنش کی، ان میں سے ایک ام اوفی عیدی تھیں۔ یہ عائشہ کے پاس پہنچی اور کہا:

اے ام المومنین! آپ اس عورت کے بارے میں کیا کہتی ہیں جس نے اپنا کمسن بچہ قتل کر دیا؟

عائشہ نے کہا: "اس کی سزا آتش جہنم ہے"۔ ام اوفی نے کہا: یہ بچہ اس سے کہیں چھوٹا ہے جو آپ سوچ رہی ہیں یعنی پیدا ہونے سے پہلے ہی اسے ساقط کر دیا ہے۔ عائشہ نے کہا: اس کی سزا بھی آتش جہنم ہے۔

ام اوفی نے کہا: آپ اس عورت کے بارے میں کیا کہتی ہیں جس نے اپنے ہزاروں بے گناہ چھوٹے بڑے بچوں کو مار ڈالا ہے؟! ام اوفی کی مراد خود عائشہ تھی اور بے گناہ چھوٹے بڑے بچوں سے انکی مراد جنگ جمل میں قتل ہونیوالے تھے۔ عائشہ کو یہ بات سن کر غصہ آگیا۔ انہوں نے کہا، اس دشمنِ خدا کا ہاتھ پکڑ کر یہاں سے نکال دو۔[1]

---

[1] اعیان الشیعہ ج ۱۲ ص ۳۰۱ طبع دوم

فاطمہ

زوجۂ سعید بن زید

رسولؐ مکہ کی اکثریت کی طرف سے اٹھنے والے تمام خطرات کے باوجود تبلیغ و دعوت میں مشغول تھے۔ اس زمانہ میں صرف رسولؐ کی جان ہی خطرہ میں نہیں تھی ہر لحہ یہی خطرہ تھا کہ انھیں موت کی نیند نہ سلا دیا جائے بلکہ یہ ایمان لانے والے کو موت کا، شکنجہ و آزار، اقتصادی بائیکاٹ قطع روابط کا خطرہ لاحق تھا۔ وہ اپنے ایمان کو چھپانے اور دینی اعمال کو خفیہ طور پر بجالانے پر مجبور تھا۔

مقتدر، کٹ حجت، ثروت مند اور طاقتور اکثریت کے مقابلہ اقلیت سے کہ جو صرف ایمان و استقامت کی طاقت سے سرشار ہے۔ عمر، تند خو، مغلوب الغضب آدمی تھا، اور ان کی یہ تند خوئی اور کٹھورپن ان کے عہد خلافت میں بھی زبان زد خاص و عام تھا۔ وفاتِ رسولؐ کے بعد دنیائے اسلام پر پڑنے والے مصائب سے علیؑ بہت رنجیدہ ہیں فرماتے ہیں:

فیاعجبا! بینا ھو یستقیلھا فی حیاتہ اذ عقدھا لاٰخر بعد وفاتہ لشد ما تشطرا ضرعیھا فصیرھا فی حوزۃ خشناء یغلظ کلمھا و یخشن مسھا ویکثر

العثار فيها والاعتذار منها...

تعجب ہے! ابو بکر یا تو اپنی حیات ہی میں لوگوں سے کہتے تھے کہ اپنی بیعت توڑ دو اور ان کی خلافت سے چشم پوشی کر لو یا اب اپنے بعد عمر کو خلیفہ بنا گیا۔ انہوں نے اونٹنی کے دو پستانوں کی مانند خلافت کو آپس میں بانٹ لیا ہے۔ ابو بکر نے خلافت کو ناہموار راستہ پر ڈال دیا ہے اور ایسے شخص کو خلیفہ بنا دیا ہے کہ جو تند خو اور کھٹور ہے، اس کی لغزشیں بے شمار اور معذرت اس سے بھی زیادہ ہیں۔

جب انہوں نے ایک حاملہ عورت کو کسی بات کی تحقیق کے لئے بلایا تو خوف کے مارے اس کا حمل ساقط ہو گیا اور ایک گروہ نے یہ فتویٰ بھی دیدیا؛ چونکہ عمر کا مقصد تادیب کرنا تھا لہٰذا ان پر کوئی جرمانہ نہیں ہے لیکن حضرت علیؑ نے ان سے فرمایا:

ان فتویٰ دینے والوں نے تمہارا لحاظ کیا ہے تو یہ مجرم ہیں اور اگر ان کی رائے یہی ہے تو خطا کار ہیں۔ اور تمہارا فریضہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرو

عمر کے بارے میں لوگوں نے کہا ہے:

درة عمر اهيب من سيف الحجاج

عمر کا تازیانہ حجاج کی تلوار سے زیادہ وحشتناک ہے۔

مسلمان ہونے سے پہلے اپنی اسی تند خوئی کی وجہ سے ایک روز تلوار اٹھائی اور رسولؐ کو قتل کرنے کے لئے چل دیئے۔ راستہ میں بنی زہرہ کے آدمی سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا: حضور! کہاں کا ارادہ ہے؟ عمر نے کہا: محمد کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔ اس نے کہا: تم انھیں قتل کر کے بنی ہاشم اور بنی زہرہ کے ہاتھ

سے بچ جاؤ گے ؟! یہ بات سن کر بہت غصہ آیا اور کہا : لگتا ہے کہ تم بھی اپنے دین سے پھر گئے ہو اور ان کے دین کے پیرو ہو گئے ہو۔

اس شخص نے عمر ابن خطاب کو اس برے ارادہ سے باز رکھنے کیلئے دوسری بات کی طرف متوجہ کیا اور کہا : اگر کہو تو میں تمہیں عجیب بات سناؤں ؟ تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری بہن اور بہنوئی نے بھی تمہارے دین کو ترک کر دیا ہے اور نئے دین کو اختیار کر لیا ہے ؟ عمر یہ خبر سنکر چراغ پا ہو گئے اور غصہ میں بھرے ہوئے بہن کے گھر کی طرف چلے۔

جب بہن کے گھر پہنچے تو اس وقت وہاں مہاجرین میں سے ایک بزرگوار موجود تھے اور صفا و معنویت سے سرشار لحن میں قرآن کی تلاوت کر رہے تھے اور انھیں سکھا رہے تھے۔ لیکن عمر کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے خباب ان کے داخل ہونے کو بھانپ گئے اور جان کے خوف سے ایک گوشہ میں چھپ گئے۔

عمر گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ بہن، بہنوئی سورہ طٰہٰ کی لکھی ہوئی کچھ آیتیں لئے ہوئے ہیں اور پڑھ رہے ہیں، عمر ایک دم ان پر برس پڑے پوچھا : کیا پڑھ رہے ہو ؟

انہوں نے کہا : ہم تو آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔

عمر نے کہا : گویا تم نے نیا دین اختیار کر لیا ہے ؟ بہنوئی نے کہا : تم یہ سمجھے ہو کہ صرف تمہارا دین حق ہے دوسرا کوئی دین حق نہیں ہے ؟! عمر کو ایسے جواب کی توقع نہ تھی، اس سے انھیں ایک دھچکا لگا اور ان کے غصہ کا آتش فشاں پھٹ پڑا اور سنگدلی سے بہنوئی کو لاتوں سے خوب مارا۔ عمر کی بہن، شوہر کو بچانے کیلئے اٹھی اور عمر کو پیچھے ڈھکیل دیا۔ لیکن عمر نے ان کے

لیکن یہاں رونے پر حکومت کی طرف سے پابندی ہے!

بچوں کے چلے جانے کے بعد آپؑ نے پانی طلب کیا، غسل کیا، صاف ستھرا لباس پہنا، اس کے بعد اپنی تیماردار ام سلمہ سے فرمایا: "میرا بستر لگا دو کہ وقت آخر قریب ہے"۔ ام سلمہ نے بستر لگا دیا۔ فاطمۂ زہرا لیٹ گئیں۔ تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ تقویٰ و دینداری کے اس اعلیٰ نمونہ نے دنیا سے قضا کی اور آپؑ کا ناتوان و رنجور جسد سرد ہو گیا۔

بچے واپس آگئے، ماں کو ڈھونڈنے لگے۔ ام سلمہ نے بتایا کہ ماں دنیا سے اٹھ گئیں! بچے روتے ہوئے مسجد کی طرف سدھارے تاکہ بابا کو اپنی یتیمی کی خبر دیں۔ پورے مدینہ میں فاطمۂ زہراؑ کے انتقال کی خبر پھیل گئی۔ اشک فشانی کرتے ہوئے لوگ دنیا سے اٹھ جانے والی رسولؐ کی یادگار کے دروازہ پر جمع ہو گئے تاکہ آپ کی تشییع جنازہ میں شرکت کریں۔ لیکن ابوذر نے اعلان کیا: تشییع جنازہ بعد میں ہوگی۔

مجمع متفرق ہو گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے رات کی تاریکی چھا گئی۔ فاطمہؑ کے اٹھ جانے کا لوگوں کو زیادہ احساس نہیں تھا۔ ایسے سو گئے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں! چند سوختہ دل، علیؑ، آپؑ کے بچے اور سچے وفادار ہی بیدار رہے، اسی اندھیری رات میں رسولؐ کی بیٹی کی وصیت کو عملی جامہ پہنایا اور جنازہ کو سپرد خاک کر دیا۔

تشییع جنازہ میں شرکت کرنے والے واپس چلے گئے۔ علیؑ قبر کے پاس رہ گئے، شریک حیات، ہم رزم کے اٹھ جانے سے دل پاش پاش ہے، فرماتے ہیں:

منہ پر اتنا سخت طمانچہ مارا کہ ان کا چہرہ لہو لہان ہو گیا۔

عمر کی بہن نے بھی خوف نہ کھایا اور چلا کر کہا: عمر ذرا صحیح طریقہ سے سوچو صرف تمہارا ہی دین حق نہیں ہے اگرچہ اکثریت اسی کی پیروی ہے کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ یہی کمزور اقلیت حق پر ہو اور تمہارا دین باطل ہو؟ میں کھلم کھلا کہتی ہوں:

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً رسول اللہ

عمر کا خیال تھا کہ یہ مسلمان و ثابت قدم زن و شوہر ان کی سختی اور تند خوئی کے خوف سے اپنا دین چھوڑ دیں گے لیکن ان کا یہ خیال غلط ثابت ہوا کہ خود عمر نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ان کے انحراف سے مایوس ہو گئے ہیں کہتے ہیں جو کتاب تمہارے ہاتھ میں تھی، جسے تم پڑھ رہے تھے وہ مجھے دو، تاکہ میں بھی پڑھوں۔

عمر شہر مکہ کے ان مختصر لوگوں میں سے ایک تھے جنھوں نے پڑھنا لکھنا سیکھ لیا تھا، عمر کی بہن نے ان کی یہ بات رد کر دی اور کہا: تم ایک نجس و آلودہ آدمی ہو۔ تمہارے اندر اس کتاب کو لینے کی صلاحیت نہیں ہے، کیونکہ اس کتاب کو پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ اٹھو! غسل یا وضو کرو پھر کتاب لینا۔ عمر نے اٹھ کر ہاتھ دھوئے۔ کتاب لی اور سورۂ طٰہٰ کی ابتدائی آیتیں پڑھیں۔ اس آیت: اننی انا اللہ لا الٰہ الا انا فاعبدون واقم الصلوٰۃ لذکری پر پہنچے۔ مذکورہ آیت نے صراحت کے ساتھ یہ حکم دیا کہ ایک خدا کی عبادت کرو اور یاد خدا کیلئے نماز قائم کرو، عمر نے اپنی بہن اور بہنوئی سے کہا: مجھے رسول اللہؐ کے پاس چلو۔ خباب یہ بات سنکر پناہ گاہ سے باہر نکل آئے

اور عمر اپنی مقاومت کرنے والی بہن کی برکت سے مسلمان ہو گئے۔ عمر نے اگرچہ بہت سے کام انجام دیے ہیں لیکن خطبۂ شقشقیہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علیؑ کو ان سے سخت صدمے پہنچے ہیں کہ اس میں آپ نے عمر اور ان کے بیٹوں پر تنقید کی ہے ان کے کارنامے یقیناً ان صدمات کی تلافی نہیں کر سکتے۔[1]

---

[1] اعیان الشیعہ ج ۱۰ ص ۲۷۴ - ص ۲۷۵ - کچھ فرق کے ساتھ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۱۷۷

ایک گمنام و سرفراز عورت

"تاریخ کے صفحات پر دوغلی پالیسی رکھنے والے ہزاروں افراد نظر آتے ہیں۔ انہی میں سے ایک زیاد ابن ابیہ ہے جو کہ شروع میں حضرت علیؑ کی حکومت میں ملازم تھا اور بعد میں معاویہ کا ہتھکنڈہ بن گیا تھا۔ پہلے لوگ اسے اس کی ماں کے نام سے "زیاد بن سمیہ" پکارتے تھے۔ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے اسے عائشہ نے "زیاد بن ابیہ" یعنی اپنے باپ کا بیٹا کہکر پکارا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی ماں بدکردار تھی، مختلف مردوں سے اس کے تعلقات تھے۔

عمر کے عہدِ خلافت میں اسے ایک کام کے تحت یمن بھیجا گیا۔ مدینہ واپس آکر اس نے دلچسپ انداز میں اپنی کارکردگی کی رپورٹ پیش کی۔ عمر نے کہا: اگر تم قریش سے ہوتے تو لوگوں کے رہبر بن جاتے! ابوسفیان نے کہا: یہ قریش سے ہے۔ میں جانتا ہوں اس کا باپ کون ہے!

ابوسفیان کا مقصد یہ تھا کہ زیاد اس کا نامشروع اور غیر قانونی بیٹا ہے۔ لیکن کچھ باتوں کے پیش نظر حقیقت آشکار نہ کی۔ ہاں کبھی کبھی خاص لوگوں کے سامنے اس راز کو بیان کر دیتا تھا۔[۱]

---

[۱] نہج البلاغہ ابن ابی الحدید طبع بیروت ص ۱۸۳

آخر کار بادہ فروش ابو مریم سلولی کی اس گواہی پر کہ ابو سفیان کے زیاد کی ماں سے ناجائز تعلقات تھے اور زیاد انھیں تعلقات سے پیدا ہوا ہے، معاویہ نے زیاد کو اپنا بھائی بنالیا اور اس کا نام زیاد بن ابی سفیان رکھا اور بصرہ و کوفہ کی حکومت اسے بخشدی۔ اس طرح اسے لوگوں کی جان اور مال پر مسلط کر دیا، اس کی حکومت عام لوگوں خصوصاً شیعیانِ علیؑ کے لئے بہت سخت ثابت ہوئی۔

امام حسنؑ نے اپنے نانا رسول اللہؐ کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر خصوصاً اس سلسلہ میں فرمایا:

"جب معاویہ ملعون کو میرے والد کے قتل کی خبر ملی تو ابو سفیان کے متبنّیٰ کے ساتھ ڈیڑھ لاکھ فوج کوفہ بھیجی تاکہ وہ مجھے میرے بھائی حسینؑ، دوسرے بھائیوں، خاندان والوں، شیعوں اور ہمارے دوستوں کو ستائے اور ہم سے معاویہ کیلئے بیعت لے اور جو بیعت نہ کرے اس کا سر قلم کر کے معاویہ کے پاس بھیجدے"[1]۔

زیاد کے جن مظالم کی امام حسنؑ اپنے جد رسولؐ کی خدمت میں شکایت کر رہے ہیں وہ ابتدائی زمانہ کے تھے۔ یہ مظالم اتنے بڑھے کہ ہر انسان اپنے حلق میں ان کی تلخی کو محسوس کرتا تھا۔

اس داستان کا محور گمنام عورت اس شخص کے مظالم سے اتنی تنگ آئی تھی کہ وہ کوفہ سے شام گئی اور اپنی کنیز کے ساتھ اس دن معاویہ کے پاس پہنچی جس دن کہ بظاہر عام لوگوں کی شکایت اور مشکلیں سننا تھا اور کہا:

---

[1] سفینۃ البحار مادہ "زید"، ص۵۸

اے معاویہ تمام تعریفیں اس کے لئے ہیں جس نے زبان کو پیدا کیا اور اس میں گویائی کی طاقت رکھی ہے تاکہ وہ اس کی بے شمار نعمتوں کو شمار کرے اور قلم کو کام میں لایا تاکہ حقائق کو رقم کرے۔ اس نے گوناگوں قسم کے الفاظ انسان کے اختیار میں دیدیئے ہیں تاکہ وہ انھیں مختلف صورتوں میں مرکب کرے ان کے ذریعہ مختلف معانی سمجھائے۔ کانوں کو ذہنوں تک معانی کے پہچان کا ذریعہ بنایا اور زبان کو ان کے بیان کرنے کا وسیلہ قرار دیا۔ بولنا ہر انسان کے علمی، فکری اور تجربی ذخیروں کا غماز اور خالق کی عبادت کا وسیلہ ہے۔

اے معاویہ! اپنی حکومت کے زمانہ میں تو نے لوگوں کیلئے جو ایک کام کیا اور اس کے ثمرات سے انھیں مالا مال کیا ہے اور وہ یہ کہ زیاد کو اپنے قریب کر لیا، اس کے اور "سفیان" خاندان کے درمیان قرابتداری کا رشتہ جوڑ دیا اور پھر اسے لوگوں پر مسلط کر دیا تاکہ وہ ناحق ان کا خون بہائے اور ان کی حرمت کو پامال کرے۔ "زیاد" ظالم، خیانت کار اور بدنہاد آدمی ہے وہ غلط اور برے افعال کی انجام دہی سے نہیں ڈرتا ہے۔ نہ وہ خدا کی عظمت کا قائل ہے اور نہ قیامت کا خوف رکھتا ہے!

لیکن اے معاویہ! چونکہ روز قیامت در پیش ہے اور اس کے برے اعمال تمہارے حساب میں درج ہو رہے ہیں، اس دن تمہیں خدا کے سامنے اسی اعمال کی سزا ملے گی۔

تمہارا فریضہ ہے کہ تم رسولؐ کی پیروی کرو کہ وہ تمہارے بہنوئی بھی تھے۔ افسوس ہے کہ بشریت کے پیشواؤں میں سے تم نے کسی کی پیروی نہ کی اور ان میں سے کسی راہ پر گامزن نہ ہوئے اور پست و بدمنش آدمی کو

حضرت محمدؐ کے پیروؤں پر مسلط کر دیا ہے۔ تاکہ وہ اپنی ذمہ داری کے زمانہ میں خوب غلط فائدہ اٹھائیے اور اپنے ہاتھوں کو بے گناہ لوگوں کے خون سے رنگین کرے۔

کل تم خدا کو کیا جواب دو گے؟! تمہاری عمر کا زیادہ حصہ گذر چکا ہے، تھوڑا سا باقی بچا ہے۔ جو گذر گیا وہ تمہاری عمر کا بہترین حصہ تھا اور جو رہ گیا ہے وہ سستی، ناتوانی اور بڑھاپے کا حصہ ہے! میں بنی ذکوان میں سے ایک عورت ہوں۔ "زیاد" جو کہ ایک سیاسی منصوبہ کے تحت ابو سفیان کا منھ بولا بیٹا بن گیا ہے۔ اس نے میرا وہ مال و اسباب غصب کر لیا ہے جو کہ میں نے اپنے ماں باپ سے میراث میں پایا تھا۔ اس سلسلہ میں جن لوگوں نے میرا دفاع کیا انھیں اس نے قتل کر دیا ہے۔ میں تمہارے سامنے اس ظلم کی شکایت لائی ہوں، اگر میرے حق میں انصاف اور عدل کرو گے تو یہ تمہارا فریضہ ہے اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو میں تمہارا اور زیاد کا معاملہ خدا پر چھوڑ دوں گی۔

اس کی بارگاہ میں میرا حق پامال نہیں ہوگا کیونکہ وہ منصف و عادل فیصلہ کرنے والا ہے۔ معاویہ ان نپی تلی باتوں سے حیرت زدہ تھا اور ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہا تھا۔ کہنے لگا: زیاد ایسے کام کیوں کرتا ہے؟ ظالم زیاد پر لعنت۔ وہ ہمیشہ ان لوگوں کے حقوق غصب کرتا ہے کہ جو دوسروں سے بہتر اس کی آبرو کو پامال کر سکتے ہیں اور لوگوں کے درمیان اسے ذلیل کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد اپنے منشی کو حکم دیا کہ زیاد کو لکھو! اس عورت کو

اس کا حق واپس لوٹا دے ورنہ اپنی سزا و ذلت کا منتظر رہے۔ پھر حسبِ معمول اپنے کیسۂ کرم میں ہاتھ ڈالا اور اس نمونہ عورت کا دل جیتنے کیلئے اسے بیس ہزار درہم دیئے۔

لیکن جہاں عام لوگوں کے لئے انصاف نہ ہو وہاں اس بخشش کا کیا فائدہ ہے؟![1]

---

[1] بلاغت النساء ص ۶۲ طبع نجف اشرف

ام کلثوم

بنت عقبہ بن ابی معیط

اس خاتون نے جس گھر میں جنم لیا تھا وہ تاریخ اسلام میں ذلیل و حقیر ہے۔ اس خاندان کے تین افراد اس کے باپ عقبہ، اس کے بھائی ولید اور خود ام کلثوم کے بارے آیت نازل ہوئی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ شیردل عورت، گندے اور غلط عناصر اپنے باپ اور بھائی کے مقابلہ میں مومن اور مکتب رسالت کے نمایاں شاگردوں میں سے ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں اس خاندان کا مختصر تعارف کرادیں۔ ام کلثوم کا باپ ان لوگوں میں سے ایک ہے کہ جنہوں نے مکہ معظمہ میں رسولؐ کو اذیت و آزار پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا[1]۔ ابی ابن خلف سے اس کی گہری دوستی تھی۔ جب بھی سفر سے واپس آتا تھا، قوم کے بڑے لوگوں کی دعوت کرتا تھا۔ ایک سفر سے واپسی پر حسب معمول کچھ لوگوں کی دعوت کی۔ ان میں رسولؐ بھی تھے۔ جب کھانا سامنے آیا تو رسولؐ نے فرمایا:

میں تمہارا کھانا نہیں کھاؤں گا مگر یہ کہ تم خدا کی وحدانیت اور

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۵۷ طبع ۱۳۵۵ھ، سفینۃ البحار مادہ عقب

میری رسالت کی گواہی دو۔ عقبہ نے بھی گواہی دی، یہ خبر اس کے دیرینہ دوست امیہ کو ملی اس نے اس سے شکوہ کیا۔ لیکن عقبہ نے کہا: میں نے اپنا مسلک نہیں چھوڑا ہے۔ انہوں نے میرے یہاں کھانا کھانے سے انکار کر دیا تھا اور میں نے اس لئے گواہی دی تھی تاکہ میرا مہمان کھانا کھائے بغیر میرے گھر سے نہ جائے۔

ابیّ نے کہا: میں تم سے اس وقت راضی ہوں گا جب تم ان پر اور ان کے چہرہ پر تھوک دو گے! عقبہ نے اپنے دوست کو خوش کرنے کیلئے ایسا ہی کیا بلکہ جسارت میں اس سے بھی آگے بڑھ گیا۔ اس لئے خدا نے اس کے اور اس کے دوست کے بارے میں فرمایا ہے:

یوم یعضّ الظالم علی یدیہ یقول یالیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا یا ویلتیٰ لم اتخذ فلانا خلیلا[1]

جس دن ظالم اپنے ہاتھوں کاٹے گا اور کہے گا۔ کاش میں رسولؐ کا راستہ اختیار کر لیتا کاش میں فلاں کو اپنا دوست نہ بناتا۔

آخر کار رسولؐ کی پیشنگوئی کے مطابق وہ جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر ہوا اور حضرت علیؑ کی تلوار سے واصل جہنم ہوا[2]۔ ولید اسی عقبہ کا بیٹا اور عثمان بن عفان کا مادری بھائی ہے۔ جب رسولؐ کے چچا جناب حمزہ شہید ہو گئے تو اس نے اور عمرو بن عاص نے شراب پی اور جشن منایا۔ اگرچہ وہ بعد میں مسلمان ہو گیا تھا لیکن اس کے اخلاق و کردار میں کوئی

---

[1] سورہ فرقان / ۲۷ و ۲۸

[2] مجمع البیان ج ۷، ص ۱۶۶ طبع بیروت

تبدیلی نہیں آئی تھی۔ ولید عثمان کے عہدِ خلافت میں کوفہ کا گورنر مقرر ہوا اور نشہ کی حالت میں صبح کی نماز چار رکعت پڑھا دی۔ اس کی شکایت مدینہ پہنچی وہاں طلب کر لیا گیا اور عثمان کے ناچاہتے ہوئے بھی علیؑ نے اس پر شرابی کی حد جاری کی[1]

ایک مرتبہ رسولؐ نے اسے قبیلہ مصطلق کے پاس زکواۃ جمع کرنے کیلئے بھیجا۔ لیکن اس کے اور مذکورہ قبیلہ کے درمیان زمانۂ جاہلیت میں دشمنی تھی چنانچہ جب خوشی مناتے ہوئے لوگ اس کے استقبال کو آئے تو اس نے سوچا کہ وہ اسے قتل کرنے کیلئے آرہے ہیں لہٰذا وہ مدینہ لوٹ آیا اور رسولؐ کو رپورٹ دی کہ انہوں نے زکواۃ دینے سے انکار کر دیا۔

اس سے رسولؐ کو غصہ آگیا اور ان لوگوں سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس گندے آدمی کی بات پر عمل کرنے سے پہلے ہی خدا نے فرمایا:

یا ایھا الذین آمنوا ان جائکم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالۃ فتصبحوا علیٰ ما فعلتم نادمین[2]

اے ایمان لانے والو! جب تمہیں کوئی فاسق کوئی خبر دے تو تم اس کی تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ تم نادانی میں کسی قوم سے

---

[1] سفینۃ البحار مادہ "ولد"

[2] سورۂ حجرات/ ۶ مجمع البیان ج ۹ ص ۱۳۲ مذکورہ آیت کی دلالت اس بات پر ہے کہ فاسق کی خبر کو تحقیق کے بغیر قبول نہیں کیا جا سکتا لیکن اگر خبر لانیوالا عادل ہے تو آیت کے مفہوم پر اعتماد کرتے ہوئے عادل کی خبر کی تحقیق ضروری نہیں ہے اور اس بنا پر عادل کی خبر حجت ہے۔ ر ک۔ تفسیر مجمع البیان ج ۹ ص ۱۳۳

"اے اللہ کے رسولؐ! میرا اور اپنی دختر کا، جو کہ آپؐ کی طرف سدھاری اور بہت جلد آپؐ سے جا ملی، سلام قبول فرمائیے۔ اے اللہ کے رسولؐ آپؐ کی برگزیدہ بیٹی کے فراق میں صبر کا یارا نہیں ہے... ودیعت لوٹا دی گئی۔ میرا غم دائمی ہے اور میری راتیں بیداری میں گزر رہی ہیں..."

صبح ہوئی تو وہ لوگ تشییع جنازہ میں شریک ہونے کے لئے آئے جو رات بھر آرام سے سوئے تھے۔ لہذا ان سے کہدیا گیا کہ فاطمہؑ کو ان کی وصیت کے مطابق رات ہی میں دفن کر دیا گیا۔

ایک ہنگامہ بپا ہو گیا۔ جو لوگ رسولؐ کی پارۂ جگر کے جنازہ میں شریک ہو کر اپنی سیاسی روش کو برحق ثابت کرنا چاہتے تھے۔ دفنِ فاطمہؑ سے انھیں بہت بڑا نقصان پہونچا۔ اس لئے گستاخانہ اعلان کیا گیا کہ ہم قبر کھود کر فاطمہؑ کی لاش نکالیں گے۔

یہاں ایک اور چیز آشکار ہو گئی۔ سیاسی مقصد کے تحت یہ شور مچایا گیا کہ رسولؐ کے بعد علیؑ ناتواں اور ڈرپوک ہو گئے ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ حزبِ مخالف کے دل سے علیؑ کی ذوالفقار اور آپؑ کی شجاعت کا خوف نکل جائے۔ جبکہ علیؑ نے صرف حقیقتِ اسلام کے تحفظ کی خاطر تلوار نہیں اٹھائی تھی۔ لیکن جب حزب مخالف نے یہ کہا کہ فاطمہؑ کی قبر کھود دیں گے اور لاش کی بے حرمتی ہوگی تو حضرت علیؑ نے بھی اعلان جنگ کر دیا۔ اس سے ان سادہ لوح افراد کی آنکھیں کھلیں جو کہ غلط پروپیگنڈہ کی وجہ سے متاثر ہو گئے تھے وہ یہ سمجھ گئے کہ علیؑ اور ان کی شمشیر وہی ہے۔

درود ہو حضرت فاطمۂ زہراؑ پر کہ آپؑ نے اپنی تدبیر سے مرنے کے بعد بھی

ٹکرا جاؤ اور پھر اپنے کئے پر پشیمان ہو۔

اس طرح قرآن نے ولید کو ہمیشہ کے لئے فاسق کا لقب دیدیا۔ یہ حضرت علیؑ کا سخت ترین مخالف تھا۔ لیکن ام کلثوم ان عورتوں میں سے ہے جو کہ رسولؐ کی بعثت کے اوائل ہی میں مسلمان ہوگئی تھیں۔ اس خاتون نے دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی ہے۔ انہوں نے رسولؐ کے ہاتھ پر بیعت کی اور پیادہ پا مدینہ ہجرت کی۔ ان کے بھائی ولید و عمارہ کے دل اسلام کے نور سے منور ہی نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے اسلام سے جنگ بھی کی اور ام کلثوم کو مدینہ ہجرت کرنے سے منع کیا۔

صلح حدیبیہ ہو جانے کے بعد انہوں نے مدینہ ہجرت کی۔ صلح نامہ کے مطابق مسلمانوں کو چاہئے تھا کہ جو شخص مکہ سے مدینہ آئے اسے اس کی قوم والوں کے پاس واپس لوٹا دیں۔ اس معاہدہ کی رو سے ان مسلمانوں کو مکہ واپس بھیجنا تھا جو کہ وہاں سے بھاگ کر مدینہ آجاتے تھے۔ یہ آنحضرتؐ کا ایک ایسا شاہکار ہے کہ اسلام کی ترقی میں جس کے درخشاں نتائج سامنے آئے۔

لیکن اس معاہدہ میں عورتیں شامل نہیں تھیں۔ کیونکہ صلح نامہ میں پہلے ہی اس بات کی تصریح کر دی گئی تھی کہ اگر مکہ سے کوئی مرد مدینہ چلا جائے تو اسے واپس لوٹا دیا جائے۔ اس لئے مہاجر عورتوں کو مکہ واپس بھیجنے کے پابند نہیں تھے۔ ام کلثوم نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور مدینہ میں رہ گئیں۔

قرآن مجید ام کلثوم کے بارے میں کہتا ہے:

یاایھا الذین آمنوا اذا جائکم المومنات مہاجرات فامتحنوھنّ اللہ اعلم بایمانھن علمتموھن مومنات

فلا ترجعوهن الی الکفار لا ھن حل لھم ولا ھم یحلون لھن و آتوھم ما انفقوا.. (ممتحنہ/۱۰)

ایمان لانے والو! جب تمہارے پاس مہاجر مومن عورتیں آئیں تو انھیں آزماؤ، اللہ ان کے ایمان کو بخوبی جانتا ہے، پھر اگر انھیں مؤمن پاؤ تو انہیں کفار کی طرف نہ لوٹاؤ کیونکہ نہ یہ ان کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ ان کیلئے حلال ہیں، ہاں جو کچھ کافروں نے خرچ کیا ہے وہ انھیں واپس کر دو۔

مذکورہ آیت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ صرف ان عورتوں کی ہجرت کو قبول کیا گیا ہے جن کا محرک دین و ایمان ہو، خاندانی اور فردی محرک والی ہجرت کو نہیں۔ ام کلثوم صرف حق کی طرف مائل تھی اسی لئے اس کے بھائیوں نے اس کے تعاقب میں کوئی فائدہ نہ سمجھا اور واپس مکہ لوٹ گئے۔

ام کلثوم نے مدینہ میں سکونت پذیر ہونے کے بعد زید بن حارثہ سے شادی کر لی۔ لیکن نمونہ میاں بیوی زیادہ عرصہ تک ایک ساتھ نہ رہ سکے اور جنگ "موتہ" میں زید کے شہید ہو جانے سے یہ رشتہ بھی ختم ہو گیا۔ ام کلثوم نے شوہر کی شہادت کے بعد دوسرے افراد سے بھی شادی کی لیکن وہ اسلام کے بلند مقاصد کے سلسلہ میں زید جیسے مومن مجاہد اور فداکار نہیں تھے۔

قطع نظر اس سے کہ اس نمونہ عورت نے اسلام سے محبت اور رسولؐ کی اطاعت کی خاطر وطن خاندان اور قریبی عزیزوں۔ جیسے بھائیوں۔ سے چشم پوشی کی اور باوجودیکہ وہ انھیں مکہ لے جانا چاہتے تھے یہ واپس نہ گئی۔ اور مکہ سے مدینہ تک کا فاصلہ پیدل طے کیا۔ اور کسی خطرہ سے

خوف نہ کھایا۔ یہ ان عورتوں میں ایک ہے جنہوں نے رسولؐ سے حدیث نقل کی ہے درج ذیل حدیث اسی سے منقول ہے:

سمعت النبی یقول: لیس بالکاذب من اصلح بین الناس فقال خیراً [1]

جو شخص لوگوں کی اصلاح کیلئے جھوٹ بولتا ہے تو وہ جھوٹ نہیں ہے۔

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۶۱۴، طبع اسلامیہ، تفسیر مجمع البیان ج ۹ و ۱۰ ص ۲۲۳ و ص ۲۷۴، سفینۃ البحار، مادہ عقب، طبقات بن سعد ج ۸ ص ۱۵۳

امیمہ

رسول اللہ اسلام کی ترقی کیلئے بعض موقعوں پر بعض مسلمانوں یا ان لوگوں سے بیعت لیتے تھے جو کہ مسلمان ہونا چاہتے تھے۔ جب مشرکین اسلام لانے اور ان کی ہدایت سے مایوس ہوگئے تو عرب کے دیگر متایل کو دعوت دینے کا ارادہ کیا۔ حج کا زمانہ آپؐ کیلئے بہترین زمانہ تھا۔ یہی موسم تھا کہ عقبہ میں مدینہ ۔ جسے اس زمانہ میں یثرب کہتے تھے ۔ کے بعض گروہوں سے ملاقات ہوئی، انہوں نے رسولؐ سے مدد کرنے اور اپنی قوم کے تمام افراد کو آپؐ کی حمایت و اطاعت کی طرف بلانے کا وعدہ کیا۔

دوسرے سال بھی اسی جگہ مدینہ کے بارہ آدمیوں سے ملاقات کی اور ان لوگوں نے پہلی بار آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس بیعت کو "بیعت النساء" کہا گیا ہے۔ جس طرح عورتوں پر جہاد واجب نہیں ہے اسی طرح ان لوگوں پر بھی جہاد واجب نہیں تھا۔ بلکہ انہوں نے اس لئے بیعت کی تھی کہ کسی کو خدا کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے، چوری نہیں کریں گے، زنا نہیں کریں گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے، کسی پر اتہام و افترا نہیں باندھیں گے اور نیک باتوں میں روگردانی نہیں کریں گے۔ اگر ان باتوں پر عمل کریں گے تو جنت کے مستحق ہیں ورنہ ان کا حساب خدا کے ہاتھ ہے،

انہیں بخش دے یا عذاب میں مبتلا کرے۔

ان لوگوں نے مدینہ میں لوگوں کو اسلام سے قریب کیا، دوسرے سال پھر حج کے زمانہ میں مکہ آئے اور یہ طے کیا کہ کچھ رات گذر جانے کے بعد اسی جگہ جمع ہوں گے اور رسول سے گفتگو کریں گے۔ اس دفعہ ان کی تعداد ۷۳ ہو گئی تھی، ان میں دو عورتیں بھی شامل تھیں، ان میں سے بارہ افراد کو انہوں نے نمائندہ مقرر کیا اور اسی رات کی تاریکی میں رسولؐ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ اس بیعت کو "بیعتِ عقبۂ دوم" کہتے ہیں، یہ پہلی بیعت سے سخت تھی کیونکہ اس میں انہوں نے یہ عہد کیا تھا کہ جس طرح اپنے اہل و عیال کی حمایت کرتے ہیں۔ اس طرح دشمن کے مقابلہ میں رسولؐ کی حمایت کریں گے اور اس سلسلہ میں جان و مال دینے سے دریغ نہیں کریں گے۔ بیعت کرتے وقت انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! اگر ہم وفا کریں گے تو ہمارا اجر کیا ہے؟ فرمایا: بہشت۔ انہوں نے کہا: ہاتھ بڑھائیے۔ رسولؐ نے اپنا ہاتھ بڑھایا انہوں نے بیعت کی۔[1]

رسولؐ کی زندگی میں ہونے والی دوسری بیعت "بیعت رضوان" کے نام سے مشہور ہوئی ہے۔ جس سال صلح حدیبیہ ہوئی تھی اس سال مسلمان رسولؐ کے ساتھ حج کرنے کی غرض سے مکہ گئے تھے۔ لیکن مشرکین مکہ نے یہ طے کر رکھا تھا کہ انھیں مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ یہاں تک کہ انہوں نے رسولؐ کے بھیجے ہوئے ایک نمائندہ کو پکڑ لیا۔ اس موقعہ پر رسول نے لوگوں سے

---

[1] سیرۂ ابن ہشام ج ۱ ص ۴۴۰ اور اس کے بعد

بیعت لی۔ اگرچہ جنگ نہیں ہوئی اور صلح نامہ لکھا گیا۔

جب رسول اللہ لوگوں سے بیعت لے رہے تھے، اس وقت لوگوں نے کہا: رسولؐ نے جان دینے پر بیعت لی ہے۔ لیکن جابر بن عبداللہ انصاری کہتے ہیں، رسولؐ نے اس لئے بیعت لی تھی تاکہ ہم فرار نہ کریں۔ یہ بیعت ایک درخت کے سایہ میں لی تھی۔ اسی لئے کبھی کبھار اسے بیعت شجرہ بھی کہتے ہیں، اس کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحاً قریباً و مغانم کثیرۃ یاخذونھا و کان اللہ عزیزاً حکیماً (فتح / ۱۸ و ۱۹)

یقیناً خدا اس وقت مومنین سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے اور یہ جان گیا کہ ان کے دلوں میں کیا ہے چنانچہ انھیں آرام و اطمینان بخشا، قریبی فتح اور بہت زیادہ غنیمت ان کے لئے مقرر کر دی ہے اور خدا عزت والا بھی ہے اور حکمت والا بھی۔

فتح مکہ کے روز رسولؐ نے ایک بیعت کوہ صفا پر مکہ کے نئے مسلمانوں سے لی تھی، جب مرد بیعت کر چکے تو پھر عورتوں نے بیعت کی۔ عورتوں کی بیعت کے بارے میں خدا کا ارشاد ہے:

یاایھا النبی اذا جاءک المومنات یبایعنک علی ان لا یشرکن باللہ شیئاً و لا یسرقن و لا یزنین و لا

يقتلن اولادهن ولا يأتين ببهتان يفترينه بين ايديهن وارجلهن ولا يعصينك في معروف فبايعهن واستغفر لهن الله ان الله غفور رحيم

اے رسولؐ جب مومن عورتیں آپ کے پاس اس بات پر بیعت کرنے کے لئے آئیں کہ وہ کسی کو خدا کا شریک نہیں ٹھہرائیں گی۔ چوری نہیں کریں گی، زنا نہیں کریں گی، اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، بہتان نہیں باندھیں گی اور آپ کی معصیت نہیں کریں گی تو آپ ان سے بیعت لے لیجئے اور ان کے لئے اللہ سے استغفار کیجئے کہ اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اس آسمانی دستور کے مطابق رسولؐ نے عورتوں سے بھی بیعت لی لیکن اپنا ہاتھ کسی عورت کے ہاتھ میں نہ دیا۔ روایت ہے کہ پہلے رسولؐ ایک پانی کے ظرف میں ہاتھ ڈبوتے تھے اور پھر اسی میں عورت ہاتھ ڈالتی تھی عورتوں اور مردوں کی بیعت میں بہترین فرق یہ تھا کہ مردوں سے اسلام[2] اور جہاد پر بیعت لی اور عورتوں سے مذکورہ باتوں پر بیعت لی گئی تھی۔ جن عورتوں کو اس بیعت کا فخر حاصل ہوا تھا ان میں سے ایک امیمہ بھی تھی۔ امیمہ کی والدہ رقیقہ بنت خویلد تھی اور والد بجار تھے۔ انہوں نے بھی رسولؐ سے حدیث نقل کی ہے۔ بیعت کا واقعہ اس طرح نقل کرتی

۱۔ ممتحنہ / ۱۲

۲۔ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۲۱ اور اس کے بعد

ہیں: عورتوں کے ساتھ میں بھی بیعت کرنے کی غرض سے رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی: میں اس بات پر آپ کی بیعت کرتی ہوں کہ میں خدا کا شریک نہ ٹھہراؤں گی، چوری نہیں کروں گی، زنا نہیں کروں گی۔ اپنی اولاد کو قتل نہیں کروں گی، تہمت نہیں لگاؤں گی اور آپ کی نافرمانی نہیں کروں گی۔

آپؐ نے فرمایا: جہاں تک ہو سکے عہد پورا کرنا۔ عرض کی: خدا اور اس کا رسولؐ ہم پر خود ہم سے زیادہ مہربان ہے۔ ہاتھ بڑھایئے میں آپؐ سے بیعت کرتی ہوں۔

آپؐ نے فرمایا: میں عورتوں کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیتا جو بات میں سیکڑوں عورتوں سے کہتا ہوں وہ ایسی ہی ہے جیسے ایک عورت سے کہتا ہوں۔

معاویہ نے اس نمونہ عورت کو مدینہ میں نہ رہنے دیا۔ جبکہ وہ مدینہ سے بہت محبت رکھتی تھی ــــ اور شام لے گیا۔[1]

---

[1] الاصابہ کتاب النساء طبع مصر ج ۴ ص ۲۳۴ و ص ۲۳۵

ام کلثوم

بنی امیہ، بنی ہاشم کے دیرینہ دشمن تھے اور ان کے خلاف ہاتھ آجانے والے موقعہ کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ بنی امیہ کا سرغنہ ابو سفیان اسلام کے مقابلہ میں شکست کھانے سے قبل پوری طاقت لگا کر مسلمانوں سے جنگ کرتا تھا اور طولانی جنگوں کے شعلے بھڑکایا کرتا تھا۔ فتح مکہ میں اپنی شکست تسلیم کرلی۔ مجبوراً مسلمان ہوگیا۔ لیکن اپنی دیرینہ دشمنیوں کو فراموش نہیں کیا۔ سارے بنی امیہ اسی کی رسم وراہ کے پابند تھے۔

عثمان بھی ایک اموی ہے، ان کی ایک بیٹی ہے، جس کا نام عائشہ ہے۔ امام حسنؑ اس سے پیغام بھیجتے ہیں۔ لیکن مروان بن حکم — جو کہ بنی ہاشم سے دشمنی رکھنے میں ابو سفیان سے قطعی کم نہ تھا — نے رشتہ نہ ہونے دیا اور کہا: ہم اسی لڑکی کا رشتہ عبداللہ ابن زبیر سے کریں گے۔

اس واقعہ کے چند سال بعد معاویہ کی نیرنگی سے امام حسنؑ شہید ہوگئے اور معاویہ اپنی خواہش کے مطابق دنیائے اسلام پر مسلط ہوگیا اور اپنے نالائق بیٹے — یزید — کی ولیعہدی کیلئے زمین ہموار کرنے لگا۔ اسکی بہت سی آرزوئیں پوری ہوچکی ہیں، یزید کے لئے بھی حالات سازگار کردیئے ہیں، اب بنی ہاشم کو نزدیک لانے کی کوشش کرتا ہے اور

ایسے حالات پیدا کرنا چاہتا ہے کہ جس سے وہ بھی اس کے سامنے تسلیم ہو جائیں اور یزید کی ولیعہدی کو قبول کر لیں۔

اس کام کیلئے اس کی نظر میں بہترین طریقہ یہ تھا کہ وہ بنی ہاشم میں ۔ خصوصاً رسولؐ کے اقرباء میں ۔ سے یزید کیلئے کسی لڑکی کی خواستگاری کرے ۔ تاکہ یزید خاندانِ رسول کا داماد ہونے کی بنا پر اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے اور دنیائے اسلام کے امور پر قبضہ جما سکے۔ اس خواستگاری کا قرعہ کربلا کی شیر دل خاتون زینب کبریٰ کی بیٹی ام کلثوم کے نام نکلتا ہے۔ ام کلثوم کا خاندان عظمت و سیادت اور سرداری کا نمونہ ہے۔ رسولؐ، فاطمہ زہراؑ، علیؑ اور راہ اسلام میں "جنگ موتہ" میں شہید ہونے والے جعفر ان کے بزرگ ہیں۔

واضح ہے کہ معاویہ نے بہت سوچ سمجھ کر منصوبہ بنایا تھا، اگر اس میں کامیاب ہو جاتا تو سیاسی اعتبار سے خود اسے اور یزید کو بڑی کامیابی ملتی۔ حجاز میں مروان بن حکم معاویہ کی طرف سے حاکم تھا معاویہ نے اسے خط لکھا اور اسے یزید کیلئے ام کلثوم کی خواستگاری پر مقرر کیا۔ مروان عبد اللہ کے پاس گیا اور خط کے مضمون سے انھیں آگاہ کیا۔

عبد اللہ نے کہا: لڑکی کا اختیار میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ ہمارے آقا حسینؑ اس کے ماموں ہیں۔ جو فیصلہ وہ کریں گے ہم اس سے باہر نہ ہوں گے اس کے بعد واقعہ کی خبر امام حسینؑ کو دی۔ فرمایا: خدا سے دعا ہے کہ جو اس بچی کے حق میں بہتر ہے وہ اس کے لئے فراہم کر دے۔ پھر دعا کی۔ اے اللہ! اس بچی کو ایسی توفیق عطا کر کہ یہ وہی کام انجام دے جو تیری رضا کے مطابق ہو۔

امامت سے دفاع کیا اور غلط پروپیگنڈہ کا پردہ چاک کردیا۔

حضرت فاطمہ زہراؑ کے مبارزہ کا منصوبہ اتنا پرشکوہ ہے کہ ہم دیگر مطالب کی طرف متوجہ بھی نہیں ہوسکے۔ لیکن فاطمہ زہرا کی شادی سے متعلق ــ جوکہ زندگی کے اہم ترین مسائل میں سے ایک ہے ــ کچھ نہ لکھا جائے تو افسوس رہے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہؑ سے فرمایا:

"علیؑ وہ ہیں جن کی فضیلتوں کو تم اچھی طرح جانتی ہو"۔ زہراؑ خاموش رہیں۔ رسولؐ باہر تشریف لائے اور فرمایا: "اس کی خاموشی کے معنی اقرار کے ہیں"۔ پھر منبر پر تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا:

"ساری تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس کی نعمتوں پر حمد کی جاتی ہے اور جس کی قدرت سے اس کی عبادت کی جاتی ہے۔ خدا کے سامنے سارے موجودات سر اطاعت خم کئے ہوئے ہیں، سب اس سے ڈرتے اور اسی سے امید رکھتے ہیں، آسمان وزمین میں اس کا حکم جاری ہے، اپنی قدرت سے لوگوں کو پیدا کیا اور اپنے احکام کے ذریعہ انھیں ممتاز کیا اور اپنے دین کے وسیلہ سے انھیں عزت عطا کی اور اپنے رسولؐ محمدؐ کو معزز کیا۔ خدائے متعال نے رشتۂ ازدواج تعلقات نسب کا ذریعہ اور حتمی امر قرار دیا ہے۔ فرماتا ہے: خدا وہ ہے کہ جس نے بشر کو نطفہ سے پیدا کیا اور لوگوں کے درمیان دامادی کا رشتہ برقرار کیا۔ (فرقان/٥٤)

خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہؑ کا رشتہ علیؑ سے کردوں۔ لہٰذا میں چار سو درہم مہر پر ان کا نکاح علیؑ سے کرتا ہوں۔

علیؑ نے فرمایا: میں راضی ہوں۔

روایت میں آیا ہے کہ رسولؐ نے علیؑ سے فرمایا:

لوگ مسجد میں جمع تھے انھیں کے درمیان امام حسینؑ بھی تھے ۔ مروان مسجد میں داخل ہوا اور آپؑ کے پاس بیٹھ گیا تاکہ لڑکی کی خواستگاری کرے۔ کہنے لگا : معاویہ نے میرے پاس خط لکھا ہے کہ میں ان کے بیٹے یزید کے لئے عبداللہ بن جعفر کی بیٹی ام کلثوم کی خواستگاری کردوں ۔ مجھے یہ بھی کہا ہے کہ لڑکی کا باپ جو مہر مانگے ادا کردوں۔ تاکہ اس رشتہ سے دونوں خاندانوں کے درمیان صلح و تفاہم پیدا ہوجائے ۔ لڑکی کے باپ کا قرض بھی معاویہ ادا کریں گے ۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ لوگوں کی نظر میں یزید کی وقعت آپ سے زیادہ ہے ۔ جائے فخر ہے کہ یزید سا جوان آپ کی لڑکی کی خواستگاری کرتا ہے ۔ بادل اس کی صورت کی برکت سے لوگوں پر بارش برساتے ہیں اور آج دنیائے اسلام میں اس کے لائق بہت کم لڑکیاں ہیں۔

مروان کی ان مغرور باتوں کے بعد آپ نے گفتگو کا آغاز کیا: حمد ہے اس خدا کی کہ جس نے ہمیں اپنے کیلئے منتخب کیا اور اپنے دین کیلئے پسند کیا اور ہمیں لوگوں پر برتری عطا کی ۔ پھر فرمایا:

اے مروان ! تونے اپنا مدعا بیان کیا، ہم نے سنا ۔ اب جواب بھی سن لو! تمہارا یہ کہنا کہ جتنا چاہو مہر مقرر کرد ۔ یہ غلط فہمی ہے ۔ اگر ہم یزید سے لڑکی کا رشتہ کریں گے تو اس کا مہر سنتی ہوگا یعنی ہم ہرگز اس مہر سے آگے نہیں بڑھیں گے جو کہ رسول خدا نے اپنی عورتوں اور بیٹی کے لئے مقرر کیا ہے اور وہ ۱۲ اوقیہ یعنی ۴۸۰ درہم ہے ۔ اور رہی تمہاری یہ بات کہ معاویہ اس کے باپ کا قرض ادا کرے گا ۔ تو بتاؤ کیا کبھی کسی عورت نے ہمارا قرض ادا کیا ہے ؟ اور تم نے کہا ہے کہ یہ رشتہ دونوں خاندانوں کے درمیان

صلح و تفاہم کا سبب ہوگا تو واضح رہے کہ ہم تم سے دنیا کے لئے نہیں لڑتے ہیں بلکہ رضائے خدا کے لئے جنگ کرتے ہیں بنا برایں ہم دنیا کیلئے ہرگز تم سے صلح نہیں کریں گے اور پھر جب دو قبیلوں کے درمیان واقع اختلاف کو قرابتداری ختم نہ کرسکی تو کیا سببی رشتہ سے اختلاف ختم ہو جائے گا؟ پھر ہمارے درمیاں ایسے افراد موجود ہیں کہ جو یزید اور اس کے باپ دادا سے افضل ہیں اور اس لڑکی سے شادی کے لائق ہیں۔ یزید جو تھا وہی ہے ولیعہدی سے اس کی شخصیت نہیں بدلی ہے اور غلط فہمی نہ رہے۔ یزید کی صورت کے طفیل میں بادل بارش نہیں برساتے ہیں، جن کیلئے بادل بارش برساتے ہیں وہ صرف پیغمبرؐ تھے اور بس۔ تمہارا خیال ہے کہ لوگ یزید کو ہم پر ترجیح دیتے ہیں۔ یہ کون لوگ ہیں؟ یقیناً جاہل لوگ یزید کو ہم پر ترجیح دیتے ہیں، لیکن عقلمند ہرگز یزید کو ہم پر ترجیح نہیں دیتے اور اسے ہمارے برابر نہیں سمجھتے۔

مروان کو دندان شکن جواب دینے کے بعد لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: تم سب گواہ رہنا کہ میں نے ام کلثوم بنت عبداللہ بن جعفر کا عقد ۴۸۰ درہم مہر پر ان کے چچازاد قاسم بن محمد بن جعفر سے کیا۔ مدینہ میں میری کچھ ملکیت ہے، کہ جس کی سالانہ آمدنی اسی ہزار دینار ہے وہ بھی میں نے اسے بخشی۔ انشاء اللہ یہ انھیں بے نیاز کر دے گی۔

یہ بات سن کر مروان کا رنگ اڑ گیا، کہنے لگا: تم بنی ہاشم ہم سے نیرنگی پر کمر بستہ ہو۔ تم چاہتے ہو کہ ہمیشہ دونوں خاندانوں میں دشمنی رہے!

امام حسینؑ نے عائشہ بنت عثمان کی امام حسنؑ سے خواستگاری کا واقعہ اور اس وقت کے رویہ کو یاد دلایا اور فرمایا: نیرنگ و دھوکہ کہاں ہے؟ مروان نے کہا: ہم آپ لوگوں کے داماد بننا چاہتے تھے تاکہ جو دوستی مرور زمانہ سے پرانی ہو گئی ہے اس کی تجدید ہو جائے جب اس مقصد کے تحت ہم تمہارے پاس آئے تو تم نے اپنے دل میں چھپے ہوئے کینہ کو آشکار کر دیا۔ بنی ہاشم کے ایک آزاد کردہ "غلام ذکوان" نے اس سے کہا: خدا نے ان سے ہر قسم کے رجس کو دور رکھا ہے اور انھیں آیۂ تطہیر کے ذریعہ پاک قرار دیا ہے۔ بنی ہاشم کے علاوہ کوئی بھی ان کا ثانی نہیں ہے اور ان کی برابری نہیں کر سکتا۔

اے مروان! کیا تم ہر ظالم و عناد پرست ان منتخب لوگوں کے برابر قرار دیتے ہو جو کہ جنتی ہیں[1]؟

---

[1] اعیان الشیعہ ج ۱۲ ص ۳۲۰ و ص ۳۲۱

اسماء بنت یزید انصاری

مدینہ کی بعض عورتوں نے انھیں یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ رسول کی خدمت میں شرفیاب ہو کر کچھ باتیں بیان کر دے۔ جب یہ رسولؐ کی خدمت میں شرف یاب ہوئی تو بعض اصحاب بھی وہاں موجود تھے۔ عرض کی:

اے اللہ کے رسولؐ! میرے ماں، باپ آپ پر قربان جائیں۔ میں عورتوں کی طرف سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔ خدا نے آپ کو سبھی مردوں اور عورتوں کیلئے مبعوث کیا ہے۔ اور ہم سب خدا کی وحدانیت اور آپکی رسالت پر ایمان لائے ہیں۔

ہم خانہ نشین ہیں، مردوں کی خدمت کرتی ہیں، بچے پیدا کرتی اور ان کی پرورش کرتی ہیں۔ مردوں نے اجتماعی امور کی بجا آوری، بیماروں کی عیادت، جنازوں کی تشییع، سفر حج اور راہ خدا میں جہاد کے ذریعہ ہمارے اوپر ترجیح حاصل کر لی ہے۔ جس وقت مرد حج یا جہاد پر جاتے ہیں تو ہم ان کے مال کی حفاظت کرتے ہیں، لباس فراہم کرتے ہیں اور بچوں کی تربیت کرتے ہیں۔ کیا مردوں کے اس اجر میں ہم بھی شریک ہیں یا نہیں؟

اس کی گفتگو کے بعد رسولؐ نے اصحاب کی طرف رخ کر کے فرمایا: کیا تم نے ابھی تک یہ بات سنی تھی کہ کوئی عورت دینی امور کے بارے میں

اس عورت سے بہتر بولتی ہے ؟ اصحاب نے عرض کی : ہم تو یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کوئی عورت ایسی گفتگو کر سکے گی۔ اس کے بعد رسول ص اسماء کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا : جو بات میں کہتا ہوں اسے سمجھ لو اور جن عورتوں نے تمہیں بھیجا ہے ان تک پہنچا دو ! شوہر کے ساتھ حسن خلق سے پیش آنا اور انھیں خوش رکھنا اور ان کی ہاں میں ہاں ملانا ان سب چیزوں کے برابر ہے۔

اسماء یہ بات سن کر شاد ہو گئی اور تہلیل و تکبیر کہتی ہوئی خدمت رسول ص سے باہر چلی گئی۔[۱]

۱۔ اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۹۸، تفسیر المیزان ج ۴ ص ۳۷۲

جرداء

جس طرح مردوں میں حضرت علیؑ کے سچے، فداکار اور دل باختہ دوست تھے، عورتوں میں بھی ان کی ایسی ہی چاہنے والی بہت سی تھیں۔ آپکی شخصیت کی لا محدود حیرت انگیزیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر دشمن آپ کے حق کو غصب کرنے اور آپؑ کو اپنے منصب سے ہٹانے میں ہر ناجائز کام گذرتے تھے تو آپ کے دوست کسی بھی قسم کی فداکاریوں سے دریغ نہیں کرتے تھے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عورت عقیدہ، اخلاق اور ایمان کے لحاظ سے شوہر کے تابع ہے اور اس سلسلہ میں وہ اپنا علیحدہ موقف اختیار نہیں کر سکتی۔ ممکن ہے ان کا یہ خیال بعض عورتوں کے بارے میں صحیح ہو لیکن ان کا یہ خیال بہت سی عورتوں کے بارے میں صحیح نہیں ہے، جرداء حضرت علی کی سچی شیدائی ہے اور ایسی عورت ہے کہ جو عورتوں کے درمیان استقلال فکر اور نمونہ سمجھی جاتی ہیں۔

ان کا یہی مستقل موقف اور روشن فکری اس بات کا باعث ہوئی کہ وہ نہ یہ کہ شوہر کی فکر کے سامنے سپر انداختہ نہ ہوئی بلکہ اپنی جگہ اسکی اس کی فکری اور عقیدہ کی غلطیوں کو بھی آشکار کیا اور جہاں تک

ممکن تھا اس کے عقیدہ کی رہبری کی اس کا شوہر ہرثمہ بن سلیم، جنگ صفین میں حضرت علیؑ کی فوج میں شامل تھا اور دوسرے عراقیوں کے ساتھ معاویہ کی فوج سے جنگ کی تھی۔ لیکن اسے صحیح معنی میں حضرت علی کی معرفت حاصل نہ تھی۔

جب حضرت علیؑ اپنے سپاہیوں کے ساتھ جنگ صفین کیلئے جاتے یا واپس آتے ہوئے سرزمین کربلا پر پہنچے تو وہاں ہرثمہ نے کوئی چیز دیکھی جو اسے عجیب، حیرت زا اور ناقابل قبول محسوس ہوئی۔

یہاں حضرت علی کی فوج نے پڑاؤ ڈالا اور نماز یومیہ میں سے کوئی نماز ادا کی حضرت علیؑ نے سلام پھیرنے کے بعد اس سرزمین سے تھوڑی سی خاک اٹھائی، اسے سونگھا اور فرمایا: آہ! اے سرزمین تجھ سے ایسے لوگ محشور ہوں گے جو حساب کے بغیر جنت میں جائیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اس سرزمین کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: یہیں! یہیں! ایک شخص نے دریافت کیا مولا آپ کی مراد کیا ہے؟!

فرمایا: یہیں خاندان رسولؐ کا کارواں اترے گا۔ افسوس ہے اس پر جو تم ان کے ساتھ کروگے اور افسوس ہے ان کے حال پر جو تمہارے ساتھ کریں گے۔ اس نے پوچھا یعنی کیا؟! فرمایا: افسوس ہے ان پر جو تمہارے ہاتھوں مارے جائیں گے اور افسوس تمہارے حال پر کہ خدا تمہیں اس کی سزا دے گا اور تم جہنم میں جاؤگے۔

کہتے ہیں کہ جب اس سرزمین پر پہنچے تو آپ نے توقف کیا۔ ایک شخص نے کہا: یہ کربلا ہے۔ فرمایا: کرب و بلا ۔ اندوہ و بلا کی جگہ ہے،

اس کے ایک علاقہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: وہاں ان کا کارواں اترے گا اور ان کے مرکب بیٹھیں گے۔ پھر فرمایا: یہاں ان کا خون بہایا جائیگا۔ ہرثمہ کو یہ ساری باتیں یاد تھیں۔ جب گھر واپس آیا تو بیوی سے، یہی دلچسپ واقعہ سنایا۔ ہرثمہ سفر سے بیوی کے لئے یہی ہدیہ لایا تھا، لیکن خوش کرنے والا نہیں بلکہ تلخ اور غیر قابل قبول عنوان سے لایا تھا، اس لئے تنقید کرتا تھا۔

ہرثمہ نے جو کچھ دیکھا تھا اسے اس طرح بیان کیا: جانتی ہو کہ جب تمہارے آقا، ابوالحسنؑ کے ساتھ ہم لوگ کربلا پہنچے تو انہوں نے کیا، کیا؟ غیب کی خبر دی اور ایسی باتیں بیان کیں کہ جو صحیح ہونے والی نہیں ہیں۔

جرداء نے کہا: خاموش ہو جاؤ! امیرالمؤمنینؑ حق کے علاوہ کچھ بھی زبان پر نہیں لاتے! اس واقعہ کو برسوں گذر جاتے ہیں۔ مظہر تقویٰ وعدالت حضرت علیؑ دنیا سے چلے جاتے ہیں اور انسانی ضمیر وایمان سے عاری میدان سیاست کے کھلاڑیوں کے دن آجاتے ہیں۔

عبیداللہ بن زیاد، یزید کی طرف سے کوفہ کا حاکم مقرر ہو چکا تھا، امام حسینؑ کوفیوں کی دعوت کی بنا پر عراق تشریف لائے اور آپؑ کو ابن زیاد کے لشکر نے اسی سرزمین پر روک دیا۔ ہرثمہ — جو کہ حضرت علیؑ کے سربازوں کے شانہ بشانہ باطل سے جنگ کر چکا تھا۔ ان لوگوں میں شامل تھا جو حسینؑ کو قتل کرنے کیلئے کربلا آئے تھے۔ لیکن کربلا پہنچتے ہی اس کے ذہن میں آپ کی پیشین گوئی کا واقعہ زندہ ہو گیا اور سمجھ گیا کہ جرداء کے بقول، علیؑ حق کے سوا اور کچھ نہیں کہتے ہیں۔

چنانچہ علیؑ نے جس واقعہ کی غیب سے خبر دی تھی اب اسے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔

ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں کہ جو ایسے واقعہ سننے اور دیکھنے کے باوجود اس سے چشم پوشی کر کے خود کو جہنم میں گرا دیتے ہیں اس ماجرے کا ہرثمہ کے دل پر جو معمولی سا اثر ہو سکتا تھا وہ یہ تھا کہ وہ قتل حسینؑ میں شریک نہ ہوتا۔ کم از کم — بے طرفی اختیار کر لے۔ اس نے گھوڑا دوڑایا، امویوں کے لشکر سے جدا ہوا۔ امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا، سلام کیا اور جو کچھ حضرت علیؑ سے سنا تھا، بیان کیا۔ امام حسینؑ نے فرمایا: ہماری مدد کروگے یا ہمارے دشمنوں کی؟

عرض کی نہیں آپ کا ساتھ دونگا اور نہ آپ کے دشمنوں کا، میرا خاندان کوفہ میں ہے۔ ڈرتا ہوں کہ ابن زیاد انھیں صدمہ نہ پہنچائے آپ نے فرمایا: جلد یہاں سے نکل جاؤ تاکہ ہمیں قتل ہوتے ہوئے نہ دیکھو خدا کی قسم جو ہمیں قتل ہوتے ہوئے دیکھے گا اور ہماری مدد نہیں کرے گا خدا اسے جہنم میں داخل کرے گا۔ وہ بھی وہاں سے بھاگ نکلا تاکہ حسینؑ کو قتل ہوتے ہوئے نہ دیکھے، البتہ خود کو بڑی سعادت سے محروم کیا لیکن امام حسینؑ کے قاتلوں کی شقاوت و بدبختی سے بچ گیا۔[۱]

---

[۱] اعیان الشیعہ ج ۵ ص ۲۹۱

سلمیٰ

بے شک رسولؐ کے اہل بیت ، سبھی پاک دامن تھے اور معاشرہ میں ان کی عفت و پاک دامنی شہرت یافتہ تھی ۔ جو چیز رسولؐ کی تبلیغات کو کامیاب بنانے میں مؤثر تھی وہ آپ کی ازواج ، بیٹی اور وابستہ افراد کی پاکدامنی اور عفت تھی ۔ چنانچہ آپؐ کی ساری ازواج ، بیٹی اور اکثر اقربا اس ممتاز صفت سے متصف تھے ۔ لیکن عائشہ کے ساتھ ایک واقعہ پیش آگیا کہ جس سے اسلام دشمن افراد کو ایک بہانہ مل گیا ، کہ جس سے انہوں نے عائشہ کو بدنام کرنے اور رسول کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کی ۔

واقعہ اس طرح ہے کہ جنگ سے واپسی پر عائشہ رسولؐ کے ساتھی سپاہیوں نے استراحت کرنے کیلئے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا ۔ عائشہ اپنے کجاوہ سے نکل کر رفع حاجت کیلئے گئی ۔ لوٹنے میں ان کا گلوبند ٹوٹ گیا وہ اس کے اجزاء اکٹھا کرنے لگیں ، لشکر وہاں سے روانہ ہو گیا ۔ عائشہ کے کجاوہ کو یہ سمجھ کر کہ وہ اس میں ہیں اونٹ پر رکھا اور اپنے ساتھ لے گئے جب عائشہ واپس آئیں تو وہاں کسی کو نہ پایا ۔ چنانچہ وہ یہ سوچ کر کہ اسے کوئی نہ کوئی دیکھنے آئے گا ، وہیں بیٹھ گئیں ۔

آخر کار پیچھے سے صفوان پہنچ گئے اور عائشہ سے گفتگو کئے بغیر انہوں نے

"میں نے خدا کے ارادہ کے مطابق تم سے اپنی بیٹی کا عقد کیا اور جس چیز میں خدا کی رضا ہے اسی میں میری رضا بھی ہے۔ اب تمہاری بیوی تمہارے اختیار میں ہے میرے اختیار سے خارج ہو گئی ہے۔ تم میرے بھائی، داماد اور بہترین معاون ہو۔"

حضرت علیؑ اس مبارک رشتہ پر سجدۂ شکر بجا لائے اور عرض کیا: بارالٰہا! مجھے توفیق عطا فرما کہ تیری ان نعمتوں کا شکر بجا لاتا رہوں جو تو نے مجھے عطا کی ہیں"۔ اس پر رسولؐ خدا نے آمین کہا۔ حضرت علی علیہ السلام نے سجدہ سے سر اٹھایا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

"اس رشتہ کو خدا تمہارے لئے بابرکت قرار دے اور تم دونوں کے درمیان الفت و محبت قائم کرے اور تم سے بہترین بچے وجود میں لائے"۔ اس کے بعد رسولؐ کے حکم سے حاضرین کے درمیان خرمے تقسیم کئے گئے۔ ازواج نبیؐ نے حکم کے مطابق خوشی منائی۔ حضرت فاطمہؑ کا جہیز ایک چادر اور ایک کھال تھی۔

آخری وقت میں رسولؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: "سلام ہو تم پر اے حسنؑ و حسینؑ کے والد۔ تمہیں میری وصیت ہے کہ اس دنیا میں میری بیٹی کے لئے مہربان رہنا۔ عنقریب تمہاری زندگی کے دو مضبوط و محکم رکن ویران ہو جائیں گے تم صبر کرنا۔"

جب رسول اکرمؐ دنیا سے اٹھ گئے تو حضرت علیؑ نے فرمایا:

"ان دو رکنوں سے ایک رسولؐ تھے"! اب جب فاطمہ زہراؑ نے انتقال کیا تو فرمایا: یہ دوسرا رکن تھا۔

احتضار کے وقت رسولؐ نے فاطمہ زہراؑ کو اپنے پاس بلایا اور ان سے کوئی بات کہی جس سے حضرت فاطمہؑ رونے لگیں، دوبارہ کچھ فرمایا تو آپؑ خوش ہو گئیں

اپنا اونٹ بٹھایا اور کلمۂ استرجاع پڑھ کر عائشہ کو سوار کیا اور لشکر تک پہنچا دیا مدینہ پہنچ کر عائشہ مہینہ بھر بیمار رہیں۔ اس زمانہ میں بہت سی افواہیں اڑیں۔ منافقین کا سرغنہ، عبداللہ بن ابی، افواہ اڑانے والوں میں پیش پیش تھا۔ خود عائشہ نے کوئی بات نہیں سنی تھی، ہاں جب رسولؐ ان کی عیادت کے لئے آتے تھے تو انھیں ملول پاتی تھیں۔ جب صحت یاب ہوئیں تو ایک رات کو سلمٰی کے ساتھ گھر سے نکلیں۔ راستہ میں سلمٰی کا پاؤں لباس میں الجھا اور وہ گر پڑیں تو کہا: خدا مسطح کو موت دے۔

مسطح سلمٰی کا بیٹا تھا، مسلمان تھا۔ مجاہدین اسلام کے ساتھ جنگ بدر میں شریک تھا۔ اس نفرین کو سنکر عائشہ کو غصہ آیا اور سلمٰی سے کہا: مسطح جنگ بدر میں شریک ہونے والوں میں ہیں انھیں کیوں بد دعا دیتی ہو؟ سلمٰی نے کہا: کیا تم نے نہیں سنا ہے اس نے کیا کیا ہے؟ اس کے بعد انھوں نے مدینہ میں پھیلنے والی افواہوں سے عائشہ کو آگاہ کیا۔ یہ سن کر عائشہ پھر بیمار ہوگئیں اور رسولؐ کی اجازت سے اپنے میکہ چلی گئیں تاکہ ان سے مزید معلومات حاصل کریں۔

سرانجام کچھ آیتیں نازل ہوئیں اور جو لوگ مومنین کی نظر میں رسولؐ کی حیثیت گھٹانا چاہتے تھے انھیں دندان شکن جواب دیا گیا[1]۔

سلمٰی عبدمناف کی پوتی اور ابوبکر کی خالہ زاد بہن تھی۔ ان کی دو اولاد تھیں ایک مسطح تھا جو کہ اس افواہ کو پھیلانے والوں میں شریک ہونے کی بنا پر ماں کی بد دعا کا شکار ہوا۔ دوسری اولاد، ھند تھی جو کہ نمونہ و نامدار عورتوں کی صف میں شامل ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے[2]۔

---

[1] سورہ نور/۱۱ اور اس کے بعد [2] یہ ہند ابوسفیان کی بیوی اور معاویہ کی ماں کے علاوہ ہے۔

اسلام و ایمان کی شرط یہ ہے کہ انسان کو دوسروں کے بارے میں حُسنِ ظن رکھنا چاہئے اور کسی کی طرف ناروا نسبت نہیں دینا چاہئے ۔ باوجودیکہ افواہ پھیلانے والوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر لوگوں سے صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت چھین لی تھی لیکن سلمیٰ نے اپنے بیٹے پر نفرین کر کے یہ ثابت کر دیا کہ وہ جھوٹے لوگوں کی افواہوں سے متاثر نہیں ہیں ۔ ایسے ہی لوگ — کہ جو ایسے موقعوں پر صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت نہیں گنواتے ہیں اور بے منطق باتوں سے متاثر نہیں ہوتے ہیں — دوسروں کے لئے سرمشق اور صحیح زندگی کا نمونہ بن سکتے ہیں ۔

سلمیٰ نے اس موقعہ پر صرف اپنی مستقل فکر سے مکمل طور پر استفادہ ہی نہیں کیا ہے بلکہ خلافت کے بارے میں بھی انہوں نے یہی خردمندانہ اور منطقی رویہ اپنایا تھا ۔

رسولؐ کی پر افتخار زندگی میں سلمیٰ ایمان، دینی دستورات کی پابندی اور فرائض کی انجام دہی میں ثابت قدم رہی ہیں ۔ رسول کی وفات، ایسے مسلمانوں کے لئے بہت بڑی مصیبت تھی اور اس کے بعد اور بڑی مصیبتیں پیش آنیوالی تھیں ۔ رسولؐ کے فراق میں ابھی ان کی آنکھوں سے آنسو خشک نہیں ہوئے تھے اور آہ و فغاں کی آوازیں ابھی بند نہیں ہوئی تھیں کہ انہوں نے دیکھا کہ رسولؐ کے بے جان جسد اور ان کے کفن و دفن کو علیؑ پر چھوڑ دیا گیا اور جو لوگ ایسے موقعہ کی تلاش میں لمحہ شماری کرتے تھے، انہوں نے سقیفہ میں جمع ہو کر ابوبکر کو مسندِ خلافت پر بٹھا دیا ۔

سلمیٰ ایسی حساس اور تعلیماتِ اسلام کے انوار سے اپنے دل کو

منورٌ کرنے والی عورت جب یہ صورت حال دیکھتی ہے تو ان سیاسی پیش بندیوں سے متاثر ہو کر گھر سے باہر نکل پڑتی ہیں اور رسولؐ کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر کہتی ہیں: آپؐ کے بعد جو تلخ حوادث رونما ہوئے ہیں اگر آپ زندہ ہوتے تو یہ وجود میں نہ آتے۔ ہم آپؐ کے پرفیض وجود سے اسی طرح محروم ہو گئے جس طرح زمین بارش سے محروم ہو جاتی ہے۔ آپؐ کے پسماندہ لوگوں کی زندگی تلخ ہو گئی ہے۔ قبر سے نکل کر ان کی فریاد کو پہنچئے![1]

تعلیم و تربیت کے لحاظ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ بچوں پر ماؤں کا بہت زیادہ اثر ہوتا ہے۔ اتنا زیادہ اثر ہوتا ہے کہ وہ انھیں خوش بخت یا بدبخت بنا سکتی ہیں۔ چنانچہ سلمٰی بھی اپنے بچوں کے اخلاقی و دینی پہلوؤں سے بے پروا نہیں تھی وہ اپنے بچوں کو اخلاق و ایمان کا مظہر بنانا چاہتی تھی۔ مسطح کو ماں نے اس لئے بددعا دی کہ وہ افواہ اڑانے والوں کی باتوں میں آ گیا تھا۔

لیکن ان کی بیٹی ہند ان واقعات کی بنا پر — جو کہ تاریخ اسلام میں ان کے متعلق درج ہوئے ہیں — اپنی ماں کا نمونہ ہے اور دوسروں کیلئے سرمشق ہے۔ جنگ احد میں مسلمانوں کی شکست اور بہت سے لوگوں کے مارے جانے اور فرار ہو جانے کے بعد ابوسفیان کی بیوی، معاویہ کی ماں ہند نے سنگدلی کے ساتھ کھڑے ہو کر کہا: یہ جنگ بدر کا بدلہ ہے، جو جنگ کسی جنگ کے بعد ہوتی ہے وہ بڑی شدید ہوتی ہے۔ میں اپنے

---

[1] اعیان الشیعہ ج ۲۱ ص ۷۸ و ۷۹

بیٹے عتبہ، باپ، بھائی اور چچا کے غم میں بے تاب ہو گئی تھی، اب میرے دل کو چین آگیا ہے، میں نے اپنی نذر پوری کر دی ہے۔ اے وحشی غلام تو نے میرے سینہ کی آگ کو ٹھنڈا کر دیا ہے۔ یہاں ھند کہ جس نے مکہ میں اسلام قبول کیا اور مدینہ ہجرت کی، وہ اپنی ماں کی مانند ایمان و استقامت کا پیکر تھی کہتی ہیں۔

اے کافر و بد زبان مرد کی بیٹی! تو بدر میں بھی ذلیل ہوئی اور دوسری جگہوں پر بھی حمزہ و علی، جیسے شیر دلوں کی تیز تلواروں سے[1]

---

[1] اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۵۹

دہم

زوجہ زہیر ابن قین

اگرچہ سرزمین کربلا پر امام حسینؑ کے اصحاب کی تعداد یزید کی فوج کے سامنے بہت کم تھی لیکن اس مختصر سی جماعت نے ۔ جو کہ جانبازی اور فداکاری کے لحاظ سے بے نظیر تھی ۔ حق سے عشق و اشتیاق کی بنا پر جنگ کی اور اپنے خون میں نہا گئی ۔

درحقیقت ان آزاد شہیدوں کے سردار، حسینؑ بن علیؑ نے ان لوگوں کے گوہر کو اچھی طرح پہچان لیا تھا، اپنی باریک بیں اور گوہر شناس نظر سے ان کا انتخاب کیا تھا۔ سب کو شہید ہونے اور قتل کر جانے کی طرف متوجہ کر دیا تھا اور جو افراد آپ سے کوئی مماثلت نہیں رکھتے ۔ انھیں آپؑ نے بتدریج خود سے جدا کر دیا تھا۔ چنانچہ جو لوگ مال و منصب حاصل کرنے کی غرض سے آپ کے ساتھ ہو گئے تھے جب انھیں یہ محسوس ہوا کہ ان کی تمنا پوری نہ ہوگی بلکہ قتل ہو جانے کا اندیشہ ہے ۔ تو وہ واپس لوٹ گئے اور گلستان کربلا ان کے خار دار وجود سے صاف ہو گیا ۔

حسینؑ نے انھیں شہیدوں کو صفوں ہی سے جدا نہیں کیا بلکہ ان افراد کو خط لکھ کر بلایا جو شہادت کے لئے تیار تھے اور اس جانبازی

کی لیاقت رکھتے تھے تاکہ وہ اس عظیم سعادت سے محروم نہ رہیں اور ان کا نام تاریخ کربلا میں ثبت ہوجائے۔

جن لوگوں کو امام حسینؑ نے بلایا تھا ان میں سے ایک زہیر بن قین ہیں۔ بعض لوگوں کے وجود میں ایسی صلاحیت ہوتی ہے کہ جو دوسروں کے ذریعہ جاگ اٹھتی ہے اور اپنا کام شروع کردیتی ہے۔ یہ خود سے کوئی کام انجام دینے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں۔ یہیں سے ایک دوسرے کے بارے میں لوگوں کی ذمہ داری واضح ہوجاتی ہے۔

اگر لوگ آپس میں ایک دوسرے کے بارے میں خود کو ذمہ دار سمجھیں اور خود کو ایک دوسرے کے اعمال کا ذمہ دار نہ سمجھیں تو بہت سی لیاقتیں اور استعداد بے کار ہوجائیں اور اکثر کارآمد صلاحیتیں غلط راستہ اختیار کرلیں۔ دنیا میں ایسے بھی افراد موجود ہیں جو کہ ماحول کے تقاضے کے پابند ہوتے ہیں۔ اچھے ماحول میں پاک نہاد اور اچھے لوگ کچھ کر دکھاتے ہیں اور غلط ماحول میں وہی ایسے راستہ پر لگ جاتے ہیں کہ گویا یہ فطری طور پر اسی ماحول کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ گھر، معاشرے اور مدرسوں کے ماحول کی اصلاح ان کی شخصیت کی تکمیل پر بہت زیادہ اثر ڈالتی ہے۔ ڈھونڈنے سے ایسے افراد بھی مل جائیں گے کہ جو نہ صرف ماحول کا اثر قبول نہیں کرتے بلکہ کبھی خود اپنا ماحول بناتے ہیں اور دوسروں کی قیادت کرتے ہیں۔

زہیر انھیں لوگوں میں سے تھے کہ جن کو ضرورت تھی کہ دوسرے ان کی پاک وقوی، حق طلبی اور فداکاری کی استعداد کو ان کے وجود

ہیں حرکت میں لائیں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلا قدم حسینؑ نے اٹھایا۔ دوسرا قدم زہیر بن قین کی زوجہ دلہم نے اٹھایا۔ زہیر بن قین تک جب یہ پیغام پہنچا کہ حسینؑ نے طلب کیا ہے تو اس وقت انہوں نے کوئی اہمیت نہ دی بلکہ چہرہ کے آثار سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کربلا جانے کیلئے تیار نہیں ہیں، خصوصاً امام حسینؑ نے یہ خواہش بھی کی تھی کہ اپنے اقرباء کو ساتھ لائیں۔ یہاں سے دلہم کا کردار سامنے آتا ہے۔ انہوں نے زہیر کو تیار کرنے کیلئے کہا:

تعجب ہے کہ فرزندِ رسولؐ آپ کو مدد کیلئے بلائیں اور ان کی آواز پر لبیک کہنے کے سلسلہ میں آپ پس و پیش سے کام لیں۔ اگر آپ ان کی بات سن لیں گے تو کیا ہو جائے گا۔ جلدی سے ان کی خدمت میں پہنچئے۔

زہیر بن قین اس آگاہ عورت کی باتوں کا مقابلہ نہ کر سکے، بے رغبتی کے ساتھ اٹھے اور امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچے۔ امام حسینؑ کے ملکوتی اور با اخلاص چہرہ کو دیکھنے سے ان کے اندر آتشِ شوق بھڑک اٹھی اور زہیر آپؑ کے گرویدہ ہو گئے۔ امام حسینؑ کی مدد کرنے کے سلسلہ میں عزم بالجزم کیا۔ حقیقت میں مرنے کیلئے تیار ہو گئے۔

دلہم کو اپنی سعادت بخش باتوں کے نتیجہ کی خبر نہیں تھی، بلکہ نظروں میں شوہر کا وہی بے رغبتی والا نقشہ تھا، اس نے دیکھا کہ زہیرؓ شگفتہ روئی اور خندہ پیشانی کے ساتھ چلے آرہے ہیں۔ اپنی زوجہ سے کہا: میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ میں نے امام حسینؑ کی ہمراہی کا ارادہ کر لیا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں میری وجہ سے کوئی دکھ پہنچے۔

اس کے بعد بیوی کو ان کے بعض عزیزوں کے سپرد کیا۔ دلہم نے ۔ کہ جس کا تیر نشانہ پر بیٹھ گیا تھا اور انھیں بڑی سعادت میسر ہوئی تھی ۔ کہا :

خدا آپ کو خیر دے ۔ آپ جائیں، لیکن میں یہ چاہتی ہوں کہ قیامت کے دن حسینؑ کے جد کے سامنے مجھے فراموش نہ کیجئے گا ۔

اس شیر دل خاتون کی ترغیب و تشویق پر زہیر نے امام حسینؑ کی فوج کے میمنہ کو اپنے ذمہ لیا اور مخلصانہ جنگ شروع کی اور یہ رجز پڑھا :

انا زهیر و انا ابن القین　　　اذودکم بالسیف عن حسین

انا حسینا احد السبطین　　　اصی بکم ولا اری من شین

میں زہیر ہوں، میں قین کا بیٹا ہوں میں تلوار کے ذریعہ تم کو حسینؑ سے دور کروں گا، حسینؑ رسولؐ کے دو نواسوں میں سے ایک ہیں ۔ میں تمہیں ماروں گا اور میں اس میں کوئی عیب نہیں سمجھتا ہوں ۔

مختصر یہ کہ ۱۲۰ ظالموں کو قتل کر کے خود بھی شہید ہو گئے ۔ درود وسلام ہو ان پر اور ان کی بیوی پہ کہ انہوں نے اس سلسلہ میں انھیں رغبت دلائی ۔

امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب کی شہادت کی خبر ہر جگہ پہنچ گئی ۔ دلہم کو بھی خبر ملی کہ مقتولین کی پارہ پارہ لاش کو بے گور وکفن چھوڑ دیا گیا ہے ۔

اس نے زہیر کو شہادت سے سرفراز دیکھ کر اپنے غلام سے کہا :

کربلا جاؤ اور زہیر کا کفن، دفن کرو۔" غلام کربلا پہنچا، دل خراش منظر دیکھا بے سر خون میں ڈوبی ہوئی لاشیں دیکھیں، بڑا ہی دل گداز منظر تھا۔ غلام نے سوچا، اپنے آقا کو کفن دیدوں اور حسینؑ کو کفن نہ دوں! خدا کی قسم یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد ایک کفن امام حسینؑ کو دوسرا کفن زہیر کو دیا اسطرح غلام نے اس ذمہ داری کو پورا کر دیا جو اس کے ذمہ کی گئی تھی اور واپس لوٹ آیا[1]

---

[1] اعیان الشیعہ ج ۳۰ ص ۳۸۱۔ منتہی الامال ج ۱ ص ۳۶۳، تذکرہ سبط ابن جوزی ص ۲۶۶۔ طبع نجف اشرف

زینب بنت علی فواز

یہ خاتون جبل[1] عامل کے قریوں میں سے "تبنین" میں سنہ ۱۲۶۲ھ میں پیدا ہوئی اور سنہ ۱۳۳۲ھ میں مصر میں انتقال کیا۔

متعدد بار ان کی شادی ہوئی لیکن کسی نے بھی دوام نہ پایا۔ یہاں تک ایک مصری سپہ سالار سے ان کی شادی ہوئی اور پھر پوری زندگی مصر میں اسی کے ساتھ گذار دی۔

انکی صلاحیتوں کے جوہر کھلنے کیلئے مصر بہتر جگہ تھی، مصر میں قیام کے زمانہ میں ان کے متعدد مقالات مصر کے روزناموں اور جرائد میں شائع ہوئے ہیں۔ زینب نے ۴۵۶ مشرقی و مغربی، قدیم و جدید عورتوں کے سلسلہ میں ایک کتاب "الدر المنثور فی طبقات ربات الخدود" تالیف کی، جس نے بہت شہرت پائی۔ ان کے زیادہ تر مقالات عورت اور اس کی فردو اجتماعی زندگی کے بارے میں ہیں۔ کچھ اشعار بھی کہے ہیں جو کہ لفظ و معنی اور ترکیب کے لحاظ سے بہت قیمتی ہیں۔ ان کے چند اشعار یہ ہیں:

وما من کاتب الا سیبلی	ویبلغ بدء غایتہ انتھاء
تمحوہ اللیالی سراھا	ویبقی الدھر ما کتبت یداہ

---

[1] جبل عامل شام میں ہے۔ یہاں کے باشندے زیادہ شریف ہیں جو کہ ابوذر غفاری کے اس جنگ کا نتیجہ ہے جو انہوں نے عثمان و معاویہ سے لڑی تھی

مدتوں بعد آپؑ سے پوچھا گیا: "آپؐ کے والد نے کیا فرمایا تھا؟ کہا: "پہلے مجھے بتایا تھا کہ اُن کی موت کا وقت آگیا ہے، یہ سن کر میں رونے لگی، پھر مجھے آپؐ نے یہ خبر دی کہ ان کے خاندان میں سب سے پہلے میں ان سے ملوں گی، تو اس سے میں خوش ہو گئی۔"[1]

---

[1] اس سرگذشت میں سطور مع نساء مومنات وحیات الامام حسن بن علی ج اول کے ص۱۵۸ اور اس کے بعد کے صفحات سے استفادہ کیا گیا ہے۔

فلا تکتب یمینك غیر شیٔ ٭ یسرک فی القیامة ان تراہ
ولا تعمل سوی عمل مفید ٭ بہ یرضی لك الزلفی الالہ

ہر صاحب قلم آخر کار بوڑھا ہو جاتا ہے اور اس کا زمانہ گذر جاتا ہے۔ مرور زمانہ کے تحت وہ بھی بھلا دیا جاتا ہے لیکن زمانہ اس کی تحریروں کو زندہ رکھتا ہے۔ ایسی چیزیں لکھو کہ جو خدا سے تمہارے تقرب کا وسیلہ بن جائے۔ اور فائدہ بخش کام انجام دو کہ قیامت کے دن تمہاری خوشی کا باعث ہوں گے۔

امریکہ کی ایک عورت نے، جو کہ شیکاگو میں بڑے منصب پر فائز تھی۔ انھیں خط لکھا اور جواب کے ساتھ ان کے چند مقالات اور کچھ سوالات کے جواب بھی طلب کئے۔

زینب نے معمولی تکلفات کے بعد لکھا:

"آپ نے لکھا ہے کہ آپ شیکاگو کیوں نہیں آئیں اور بعض اجتماعات میں کیوں شریک نہیں ہوئیں۔ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ ہم اسلامی تعلیمات کے زیر سایہ تربیت پائی ہے اور ہم انھیں کے خوگر ہیں۔ ان تعلیمات کی رعایت کرنے کو ہم واجب سمجھتے ہیں۔ یہی چیزیں ہم نے اپنے بزرگوں سے میراث میں پائی ہیں۔ اگرچہ بعض علماء کے فتوے کی لحاظ سے عورتوں کے لئے چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کو چھپانا واجب نہیں ہے اور ان اعضاء کو کھلا چھوڑنے میں کوئی

حرج نہیں ہے۔ لیکن ہماری یہ عادت ہوگئی ہے کہ چہرہ اور ہتھیلیوں کو بھی کھلا نہیں چھوڑ سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنی لڑکیوں کو بارہ سال کی ہو جانے سے پہلے ہی پردہ کا عادی بنا دیتے ہیں چنانچہ وہ پردہ ہی میں بڑی ہوتی ہیں۔ ہماری محترمانہ عادات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم مردوں کے عام جلسوں میں شریک نہیں ہوتے۔ البتہ ہم عورتیں جو محفل منعقد کرتی ہیں اس میں کوئی مرد نہیں آسکتا پردہ اسلامی فریضہ ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے:

ولیضربن بخمرھن علیٰ جیوبھن ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن (نور/۳۱)

"عورتوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے دوپٹے کو سینوں پر ڈالے رہیں اور اپنی زینتوں کو شوہر کے علاوہ کسی پر آشکار نہ کریں۔"

اور عورتوں کے لئے سفر اس لئے مباح نہیں ہے کہ بعض بڑے علماء کا یہی فتویٰ ہے۔ کیونکہ ہمارے دین کی رو سے کوئی بھی نامحرم عورت کو نہیں چھو سکتا۔ یہاں تک کہ اگر عورت کے چہرہ کو دیکھنا جائز بھی ہو تو بھی اسے چھونا جائز نہیں ہے اور مسافرت میں لمس ہو ہی جاتا ہے لہذا عورت کو چاہیئے کہ وہ کسی محرم کے ساتھ سفر کرے، شوہر کے علاوہ عورت کے محرم وہ افراد ہیں جو کہ قرابتداری کی وجہ سے اس سے نکاح نہ کر سکیں

قرآن کہتا ہے:

حرمت علیکم امہاتکم وبناتکم واخواتکم وعمّاتکم وخالاتکم وبنات الاخ وبنات الاخت وامہاتکم التی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعۃ وامہات نسائکم وربائبکم الّٰتی فی حجورکم (نساء/۲۳)

"تمہارے اوپر تمہاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے، تمہاری رضاعی بہنیں، تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری پروردہ عورتیں جو تمہاری آغوش میں ہے، یہ حرام ہیں۔"

چنانچہ اگر عورت سفر کرنا چاہے تو اسے والد، بیٹے بھائی، چچا، ماموں یا شوہر کے ساتھ سفر کرنا چاہیئے کیونکہ سوار ہوتے یا اترتے وقت عورت کا بدن چھو جائے تو حرام کے مرتکب نہ ہوں، لیکن جو مرد عورت سے شادی کر سکتے ہیں جیسے چچا کا بیٹا، ماموں کا بیٹا، پھوپھی کا بیٹا اور خالہ کا بیٹا وغیرہ یہ محرم نہیں ہیں، عورت کو چاہیئے کہ ان سے پردہ کرے اور اگر ان کا بدن ایک دوسرے کے بدن سے چھو سکتا ہے تو انھیں ایک دوسرے کا ہم سفر نہیں ہونا چاہیئے۔

اسی لئے میں سفر نہیں کرتی اور آپ کے جلسوں میں شرکت نہیں کر سکتی اور جیسا کہ میں کہہ چکی ہوں کہ ہمیں گھروں سے بے پردہ نکلنے کی عادت نہیں ہے ہاں پردہ میں نکلتی ہیں۔"

ایک شاعر نے زینب کی کتاب کے بارے میں کہا:

الشرق بالنور منذ الدهر مشهور　　الشرق لا تعجبوا ان عمّ النور

تعجب نہ کریں کیونکہ مشرق کی زمین ہمیشہ منور رہی ہے اور اس امتیاز سے مشہور ہے۔

مجلۂ "المنار" والے اس خاتون کے بارے میں کہتے ہیں:

"وہ یکتائے زمانہ اور نظم و نثر میں بادشاہ ہے۔[1]"

---

[1] اعیان الشیعہ ج ۳۳ ص ۱۷۴ اور اس کے بعد

فاطمہ

سید رضی اور سید مرتضیٰ کی والدہ

ان کا سلسلۂ نسب امام زین العابدین تک پہنچتا ہے۔ ذی الحجہ ۳۸۵ھ میں جہان فانی سے کوچ کیا۔ جن ماؤں نے دانشور بچوں کی تربیت کے ذریعہ عالم انسانیت کی خدمت کی ہے ہمیشہ ان کی تعظیم و تجلیل کی جاتی رہی ہے۔ تاریخ بشریت میں، خصوصاً تاریخ اسلام میں ایسی عورتوں کی تعداد کم نہیں ہے۔

آپ ان نمونہ عورتوں میں سے ایک ہیں جو کہ ماں کے مقدس منصب پر فائز ہیں اور نپولین کے اس جملہ کی مصداق ہیں:

"ایک ہاتھ سے گہوارہ کو اور دوسرے ہاتھ سے دنیا کو ہلاتی ہیں۔"

فاطمہ دنیائے تشیع کے دو نمایاں، عظیم علماء سید رضیؒ و سید مرتضیٰؒ کی ماں ہیں۔

سید رضیؒ آسمانِ ادب پر آفتاب کی مانند ضو فشاں تھے ان کا عظیم و جاوداں اثر، نہج البلاغہ ہے جو کہ حضرت علیؑ کے کلام کا انتخاب ہے۔ سخن شناس حضرات نہج البلاغہ کو تمام کتابوں سے بلند اور قرآن سے نیچے قرار دیتے ہیں۔

سید مرتضیٰ نے بھی بہت سے علمی و فقہی اور تفسیری آثار چھوڑے ہیں۔ سید مرتضیٰ دنیائے تشیع کے بڑے عالم شمار ہوتے تھے۔ ان دونوں بزرگوں نے اپنی والدہ کے وجود سے کسب فیض و برکت کیا تھا۔

ایک روز مذہب کی علمی خدمت کرنے والے بلند پایہ استاد، فقیہ عالی قدر، شیخ مفید نے خواب میں دیکھا کہ فاطمۂ زہرا ؑ اپنے دونوں بچوں حسن و حسین ؑ کے ہاتھ پکڑے ہوئے مسجد میں داخل ہوئیں اور فرمایا:

"میرے بچوں کو قبول کیجئے اور انھیں فقہ کی تعلیم دیجئے۔"

مرحوم شیخ مفید خواب سے بیدار ہوئے، حیرت میں تھے، صبح کو مسجد ــ جو کہ درسگاہ تھی ــ گئے اور حسب معمول درس دینا شروع کیا کہ فاطمہ ــ بنت ناصر ــ اپنے دونوں بیٹوں سید مرتضیٰ و سید رضی کو لئے ہوئے مسجد میں داخل ہوئیں اور کہا:

"میرے بیٹوں کو قبول کیجئے اور انھیں فقہ کی تعلیم دیجئے۔"

مفیدؒ انھیں تعلیم دینے لگے سرانجام وہ بڑے عالم بن گئے۔

سید رضی نے اپنی والدہ کے سوگ میں غم انگیز اشعار کہے ہیں، جو ان کے دیوان میں مرقوم ہیں۔ ان اشعار میں فاطمہ کے فضائل اور کمالات کی تشریح ہوئی ہے۔ سید رضی اپنی والدہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"آپ نے زہد و عفت کیساتھ عمر بسر کی اور مشقتیں برداشت کی ہیں۔ گرمی کے زمانہ میں روزے رکھتی اور اندھیری راتوں میں خدا کی عبادت کرتی تھیں۔ جو شخص بھی اس دنیا میں، جنت میں آرام حاصل کرنے کی غرض سے تکلیفیں اٹھاتا ہے وہ خسارہ میں نہیں ہے

اگر تمام مائیں، بخوبی، عفت اور فرض شناسی میں آپ کی مانند ہوتیں تو ان کی اولاد باپ سے بے نیاز ہوتیں۔

انھیں سبھی نجابت کا نمونہ کہتے ہیں کیونکہ با عظمت بیٹوں کی تربیت کی ہے۔

ؔ اعیان الشیعہ ج ۳ ص ۲۵۳

حمنہ

رسولؐ کی پھوپھی زاد بہن

رسولؐ کی پھوپھی

رسولؐ کی ایک پھوپھی "امیمہ" زوجۂ جحش بن رئاب ہیں۔ امیمہ نے اپنی آغوش میں ایسے بچوں کی تربیت کی ہے کہ جن میں سے ہر ایک نے تاریخ اسلام میں بڑی شہرت پائی ہے۔

ان کی اولاد میں سے ایک "حمنہؓ" ہیں۔ ان کی شادی چچا کے بیٹے مصعب بن عمیر سے ہوئی تھی۔ حمنہ نے صدق دل سے اسلام قبول کیا تھا اور اس کے مقدس مقاصد کے ارتقا میں بے دریغ مبارزہ و فداکاری کی۔

جنگ احد۔ جو کہ حقیقت میں مشرکین مکہ کا مدینہ کے مسلمانوں پر انتقامی حملہ تھا اور پورے ساز و سامان کے ساتھ کیا گیا تھا۔ مدینہ کے نزدیک ہوئی تھی۔ نہ تو مسلمانوں کے پاس دشمن کے برابر جنگی ساز و سامان تھا اور نہ ہی ان کے برابر فوج تھی۔ ان کے پاس صرف ایمان و اخلاص تھا۔

اگر بعض مسلمان رسولؐ کے حکم کے برخلاف احد کے ٹیلوں کو نہ چھوڑتے تو مسلمانوں کی فتح یقینی تھی۔ لیکن اس گروہ کی غلطی سے مسلمانوں کی شکست ہوئی اور ان کے نمایاں افراد مارے گئے۔ شکست کا زیادہ نقصان، حمنہ کو

اٹھانا پڑا ۔ اس جنگ میں حمنہ کے ذمہ پانی لانا، علاج کرنا اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا تھا اور انہوں نے پوری طاقت سے اپنا فریضہ انجام دیا۔

جنگ ختم ہوگئی ۔ عورتیں آئیں اور اپنے عزیزوں کا حال معلوم کرتی تھیں لیکن انکو جنگ میں قتل ہونے والوں سے آگاہ نہیں کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ رسولؐ کی خدمت میں پہنچیں ۔ آنحضرتؐ نے انھیں جنگ میں شہید و زخمی ہونے والے ایک ایک سرباز سے مطلع کیا ۔ حمنہ کی نوبت آئی، تو فرمایا: حمنہ! تمہارے بھائی راہ خدا میں شہید ہوگئے!

حمنہ: اناللہ وانا الیہ راجعون ۔ خدا ان پر رحم کرے اور مغفرت کرے۔

پھر فرمایا: تمہارے ماموں — حمزہ — بھی راہ خدا میں شہید ہوگئے۔

حمنہ: اناللہ وانا الیہ راجعون ۔ خدا ان پر رحم کرے اور مغفرت کرے۔

اس کے بعد فرمایا: تمہارے شوہر — مصعب — بھی راہ خدا میں شہید ہو گئے

حمنہ جو ابھی تک کلمہ استرجاع پڑھ رہی تھی اور اپنے بھائی و ماموں کیلئے طلب مغفرت کر رہی تھی، صبر و استقامت سے کام لے رہی تھی کہتی ہیں: کتنی شدید جنگ تھی!!

رسولؐ نے فرمایا: عورتوں کے دل میں مردوں کی ایک قدر و منزلت ہے ۔ عورتیں خود کو ان سے جدا نہیں کر سکتیں ۔ اس کے بعد حمنہ سے فرمایا:

تم نے جو بات مصعب کے بارے میں کہی ہے وہ عبداللہ اور حمزہ کے بارے میں کیوں نہ کہی ؟

عرض کی: مجھے ان کے یتیم بچے یاد آگئے!

یہ خاتون جنگ خیبر میں بھی شریک تھی اور رسولؐ نے جنگ کی غنیمت میں سے انھیں حصہ دیا تھا۔[1]

[1] الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۱۷۵

حضرت

زینب کبریٰ(ع)

آپ کے والد علی علیہ السلام اور والدہ فاطمۂ زہرا سلام اللہ علیہا۔ کنیت ام کلثوم[۱] ہے۔ شرافت وفضیلت اور انسانیت کے لحاظ سے آپ کے خاندان کا ماحول بے نظیر ہے۔ اپنے والدین کے سایۂ عاطفت میں تربیت پائی۔ فضیلت کے اعتبار سے منزلِ کمال پر پہنچیں۔ زہد و تقویٰ اور پاکدامنی کے لحاظ سے اپنی والدۂ گرامی فاطمہ زہراؑ کا نمونہ ہیں۔

وہ خدا کی شائستہ کنیز تھیں، معرفت و اخلاص کے ساتھ خدا کی عبادت کرتی تھی۔ رسولِ خدا، ماں، باپ اور حسنینؑ کی نظر میں آپؑ کی بڑی عظمت تھی۔

راتوں کو جب آپؑ قبرِ رسولؐ کی زیارت کو جاتی تھیں تو دائیں امام حسنؑ بائیں امام حسینؑ اور خود حضرت علیؑ آگے آگے چلتے تھے۔ اور مرقد کے قریب پہونچتے تو علیؑ آگے بڑھ کر چراغوں کو خاموش کر دیتے تھے۔ امام حسنؑ نے اس کا فلسفہ معلوم کیا تو فرمایا: ڈرتا ہوں کہ کہیں تمہاری بہن زینب کبریٰؑ پر کسی کی نگاہ نہ پڑ جائے۔

جب زینب کبریٰؑ اپنے والد کی خدمت میں آتی تھیں تو والد تعظیم کیلئے اٹھتے اور اپنی جگہ بٹھاتے تھے اور ان کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ وہ باپ کی

۱۔ تاریخ میں تین ام کلثوم ثبت ہے، ام کلثوم کبریٰ، صغریٰ اور وسطیٰ — الشریعہ ۲/۲۴۵

فاطمۂ معصومہ (ع)

بنتِ موسیٰ کاظم علیہ السلام

"ہم لوگ رے کے باشندے ہیں! ہمارے قمی بھائیو! خوش آمدید! ہم نے بتایا کہ ہم لوگ رے کے باشندے ہیں، قمی بھائیو! خوش آمدید۔"

یہ گفتگو امام صادقؑ اور اس گروہ کے درمیان ہوئی تھی جو کہ رے سے امام صادقؑ کی خدمت میں شرفیاب ہوا تھا۔ آپؑ نے فرمایا:

"خدا کا ایک حرم ہے اور وہ مکہ ہے۔ رسولؐ کا ایک حرم ہے اور وہ مدینہ ہے۔ اور امیر المؤمنین کا ایک حرم ہے اور وہ کوفہ ہے اور ہمارا ایک حرم ہے وہ قم ہے۔ عنقریب میری اولاد میں سے ایک خاتون وہاں دفن ہوگی۔ جو شخص اس کی زیارت کرے گا اس پر جنّت واجب ہے۔"[1]

ابھی فاطمہ معصومہ پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں کہ ان کے جد چھٹے امام نے ان کے مدفن کی طرف اشارہ کیا اور قم والوں کو ان کے حرم کی پاسداری کا افتخار

---

[1] سفینۃ البحار ج ۱ ص ۵۵

مل گیا۔ اور ان کی تعریف کی۔ شیعوں کے امام کی نظر میں اہل قم کی اتنی عظمت تھی کہ فرمایا:

"اگر قم والے نہ ہوتے تو دین ضائع ہو جاتا۔"[1]

یہ عظمت اس لئے ہے کہ اس شہر میں شریف مومن لوگ رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کے باشندے امن وسعادت کی دولت سے سرشار رہتے ہیں۔

فرمایا: جس طرح امام موسیٰ کاظمؑ کی برکت سے بغداد بلا سے محفوظ ہے اسی طرح زکریا ابن آدم کی برکت سے قم محفوظ ہے۔[2]

امام صادقؑ نے فرمایا:

قم شہر پر ایک فرشتہ اپنے پروں سے سایہ کئے ہوئے ہے۔ اگر کوئی ظالم برے ارادہ سے بڑھتا ہے تو وہ اسے نمک کی طرح پگھلا دیتے ہیں۔

اسی وقت عیسیٰ بن عبد اللہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا:

"اہل قم پر خدا کا سلام ہو، خدا انکی زمین کو اپنی باران رحمت سے سیراب کرے۔ ان پر اپنی برکتیں نازل کرے اور ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے۔ وہ رکوع وسجود اور قیام وقعود والے ہیں فقیہ و عالم اور فہیم ہیں۔ ان کے اندر علم وحدیث اور عبادت جمع ہے۔"

نیز فرمایا:

"قم کی خاک مقدس ہے۔ اہل قم ہم سے اور ہم ان سے ہیں جو بھی ان کے بارے میں برا قصد کرتا ہے وہ جہنم کی آگ میں گھر جاتا ہے۔"

---

[1] و [2] سفینۃ البحار ج ۲ ص ۴۴۶

پھر فرمایا :

"قم ہماری اور ہمارے شیعوں کی سرزمین ہے، پاک و مقدس ہے۔ انہوں نے ہم اہل بیت کی ولایت کو قبول کر لیا ہے۔ اگر قم والے اپنے دینی بھائیوں سے خیانت نہیں کریں گے تو جو بھی ان کے بارے میں برا ارادہ کرے گا۔ وہ جلد ہی کیفر کردار کو پہنچے گا اور اگر یہ خیانت کریں گے تو خدا، بد نہاد ظالم کو ان پر مسلط کر دے گا۔ جان لو کہ اہل قم ہمارے قائم کے انصار اور ہمارے حق کے پاسبان ہیں۔"

پھر آپؑ نے آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا :

"اے اللہ! اہل قم کو ہر فتنہ اور ہلاکت سے نجات عطا فرما۔"

نیز فرمایا :

"خراسان والے ہمارے پرچم، اہل قم ہمارے مددگار اور کوفہ والے[1] ہمارے پکے طرف دار ہیں اور اس شہر کے لوگ ہم سے اور ہم ان سے ہیں۔"

امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا :

"قم آل محمد کا آشیانہ اور ان کے شیعوں کی پناہگاہ ہے۔ لیکن ان میں سے جوانوں کا ایک گروہ اپنے آباء کی نافرمانی اور ضعیفوں سے مسخرہ کرنے کی بنا پر ہلاک ہوگا۔ اس کے باوجود خدا انھیں دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھتا ہے۔"

امام صادقؑ نے فرمایا : "ایک زمانہ آئے گا جس میں قم اور اس کے باشندے دوسروں

---

[1] بظاہر مدینہ مراد ہے۔

کیلئے حجت ہوں گے۔ اور یہ زمانہ ہمارے قائم کی غیبت سے آپؑ کے ظہور تک ہے اگر قم نہ ہوتا تو زمین اپنے باشندوں کو نگل جاتی۔"

نیز فرمایا:

"جب شہروں میں فتنے پھوٹ پڑیں تو تم قم اور اس کے اطراف کی طرف دوڑو کہ ان سے بلا کو دور رکھا گیا ہے۔"

قم والوں کے بہت سے مفاخر ہیں:

۱- انہوں نے اپنی زیادہ تر املاک ائمہ کیلئے وقف کر دی ہیں۔

۲- سب سے پہلے اپنے اموال کا خمس ائمہ کی خدمت میں بھیجا۔

۳- ائمہ نے بہت سے قمیوں کو ہدیہ اور کفن سے نوازا ہے، جیسے زکریا بن ادریس، عیسیٰ بن عبداللہ۔ اور بعض قم والوں کو ائمہ نے انگشتری و خلعت سے سرفراز کیا ہے۔ دعبل خزاعی سے انہوں نے امام رضاؑ کا پیراہن ہزار دینار میں خریدا۔

۴- بہت سے رضوی سادات، امام صادقؑ و علی بن جعفر کے بیٹوں اور حسنی سادات کی قبور سرزمین قم میں ہیں۔

ان تمام افتخارات کے علاوہ اہل قم کا ایک افتخار یہ ہے کہ اس شہر میں فاطمہ معصومہؑ کا مرقد ہے۔ سعد کہتے ہیں کہ امام رضاؑ نے مجھ سے فرمایا:

"اے سعد تمہارے یہاں ہم میں سے ایک کی قبر ہے۔"

میں نے عرض کی: آپ کے قربان! فاطمہ بنت موسیٰؑ کی ہے؟

فرمایا: ہاں، جو شخص ان کے حق پہچانتے ہوئے ان کی زیارت کرے گا اسے جنت نصیب ہوگی۔ جب تم قبر کی زیارت کیلئے جاؤ تو سر کے پاس

روبقبلہ کھڑے ہو کر ۳۴ بار اللّٰہ اکبر، ۳۳ بار سبحان اللّٰہ اور ۳۳ بار الحمد للّٰہ پڑھ کر کہو السلام علیك یا آدم صفوۃ اللّٰہ ...

۲۰۰ھ میں امام رضاؑ خراسان تشریف لائے۔ ایک سال بعد بھائی سے ملاقات کے اشتیاق میں فاطمہ معصومہ مدینہ سے خراسان کی طرف روانہ ہوئیں۔ شہر ساوہ پہنچ کر بیمار ہوگئیں۔ معلوم کیا: قم کتنے فرسخ ہے؟ لوگوں نے بتایا: دس فرسخ۔

اپنے خادم سے فرمایا کہ مجھے قم لے چلو۔ ابھی قم میں داخل نہیں ہوئی تھیں کہ شہر کے بزرگ افراد موسیٰ بن خزرج کی قیادت میں آپ کے استقبال کو آئے۔ موسیٰ آپ کے ناقہ کی مہار پکڑ کر اپنے گھر میں لے آئے۔ سترہ دن ان کے گھر میں رہ کر وفات پائی۔ موسیٰ نے دیگر ضروری امور کی انجام دہی کے بعد آپ کے جسد کو اپنی زمین بابلان میں دفن کیا[1] اور اس کے اوپر بورے کی چھت ڈال دی۔ بعد میں امام محمد تقیؑ کی بیٹی زینب نے اس پر گنبد بنوا دیا پھر ام محمد بنت موسیٰ بن محمد بن علی الرضا کو بھی آپ ہی کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ آج کا مرقد دنیا بھر کے شیعوں کی زیارت گاہ ہے[2]۔

---

[1] بعض لوگوں نے کہا ہے کہ دو ناآشنا سوار آئے، انھوں نے نمازِ جنازہ پڑھی اور دفن کر کے چلے گئے اور کوئی انھیں نہ پہچان سکا۔

[2] اعیان الشیعہ ج ۳ ص ۲۵۶، سفینۃ البحار ج ۲ ص ۳۷۶ در ذیل فطم و ص ۴۴۵ در ذیل قم

سہلہ

ان کی کنیت ام سلیم لکھی ہے۔ جاہلیت کے تاریک زمانہ میں، مالک، نام کے ایک آدمی سے شادی کی۔ اس شادی کا ثمرہ ایک بیٹا ہے جس کا نام "انس" ہے۔ یہ خاتون عقل و پارسائی میں شہرت یافتہ ہے۔ رسولؐ کی بعثت پر خود کو شرک کی آلودگی سے پاک کیا اور مسلمان ہو گئیں۔ یہ ان عورتوں میں سے ایک ہے کہ جنہوں نے صرف اپنی عقل و عواطف کو دوسروں کی خواہشوں پر قربان نہیں کیا بلکہ دوسروں کی ہدایت کیلئے بھی کوشاں رہیں۔

سہلہ نے جس وقت اسلام قبول کیا تھا اس وقت ان کا شوہر موجود نہیں تھا۔ چنانچہ جب ان کا شوہر آیا اور اسے یہ خبر ملی کہ اس نے اسلام قبول کر لیا تو اس نے ان سے کہا: تم بھی گمراہ ہو گئی؟ سہلہ نے جواب دیا: میں گمراہ نہیں ہوئی ہوں، میں تو اس شریف و عظیم انسان پر ایمان لائی ہوں۔ تم بھی کہو: لا الٰہ الا اللہ۔ اشھد ان محمد رسول اللہ۔ مالک بھی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

مالک کا باپ اس کے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے ناراض تھا۔ اس نے سہلہ سے کہا: میرے بیٹے کو برباد نہ کرو۔ سہلہ نے کہا: میں نے اسے برباد نہیں کیا ہے۔ اس کے بعد وہ گھر سے باہر گیا اور کسی دشمن کے ہاتھ سے مارا ہے

له اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۹۱ پر مرقوم ہے کہ مالک اور سہلہ میں اختلاف ہو گیا تھا وہ شام چلا گیا تھا وہیں بظاہر کفر کی حالت میں مرا۔

گیا جب سہلہ کو اس کے شوہر کے مارے جانے کی خبر ملی تو اس نے کہا:

میں اپنے بیٹے انس کو اچھی طرح دودھ پلا کر بڑا کروں گی۔ اس کے بعد اس ـ انس ـ کی مرضی کے مطابق کسی سے نکاح کر دوں گی۔ اس نے یہ زمانہ گذارا اور ماں کا مقدس فریضہ ـ کما حقہ ـ انجام دیا۔ بچہ خوب پھولا پھلا۔ ماں نے اپنا عہد پورا کر دیا تھا۔

اب ابو طلحہ اس کی خواستگاری کیلئے آیا۔ ابو طلحہ ابھی تک مشرک تھا سہلہ نے اس کے پیغام کو قبول نہ کرتے ہوئے کہا: تم ایک پتھر کی پوجا کرتے ہو جو تمہیں نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔ یا اس لکڑی کو سجدہ کرتے ہو جس کو ایک نجار نے تراشا ہے۔ اس سے تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟!

اس جملہ نے اپنا کام کیا، چونکہ دل سے نکلا تھا، دل میں اتر گیا۔ سہلہ نے اس سے کہا تھا کہ مجھے مہر کی پروا نہیں ہے۔ اگر مسلمان ہو جاؤگے تو میں تم سے نکاح کر لوں گی اور مہر کا مطالبہ نہیں کروں گی۔ تمہارا اسلام لانا ہی میرا مہر ہے۔

ابو طلحہ، سہلہ کی راہنمائیوں اور تشویق سے متاثر ہو کر تہ دل سے مسلمان ہو گیا۔ پہلے شوہر سے اس کا ایک بچہ تھا۔ اس سے وہ بہت محبت کرتی تھی، جس کے نتیجہ میں وہ خوب پھولا پھلا۔ اس سے قطع نظر ایک دفعہ اس نے رسولؐ سے عرض کی کہ انس کے بارے میں دعا کر دیجئے رسولؐ نے دعا کی:

اے اللہ! اس کے مال و اولاد میں اضافہ فرما اور جو کچھ تو نے اسے عطا کیا ہے اس میں برکت عطا فرما!

دوسرے شوہر سے بھی ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام عبد اللہ تھا کبھی رسولؐ ان کے گھر آتے اور نماز پڑھتے تھے۔ ایک بار ان سے فرمایا:

"جب تم نماز پڑھو تو دس بار سبحان اللہ، دس بار الحمد للہ اور دس بار اللہ اکبر پڑھ کر خدا سے جو چاہو طلب کرو کہ وہ کہتا ہے: ہاں، ہاں، ہاں"[1]

کبھی رسولؐ ان کے لئے کوئی ہدیہ بھی لے جاتے تھے اور انھیں ماں کہتے تھے۔ بعض لوگوں نے رسولؐ سے دریافت کیا کہ ان کے گھر میں آپ کی زیادہ آمدورفت کیوں ہے؟ فرمایا: مجھے ان پر ترس آتا ہے کیونکہ انکا بھائی مارا گیا ہے۔

دوسرے شوہر سے بیٹا ہوا تھا اس سے دونوں ہی میاں بیوی محبت کرتے تھے۔ ایک روز جب باپ کسی کام سے باہر گیا ہوا تھا۔ بچہ کی حالت غیر ہوگئی اور مرگیا۔ سہلہ نے بچہ کو غسل دے کر دفن کر دیا اور ہمسایوں سے کہدیا کہ کوئی بھی ابوطلحہ کو بچہ کے مرنے کی خبر نہ دے، میں خود بتا دونگی۔ اس کے بعد سنگار کیا، کھانا تیار کیا اور شوہر کا انتظار کرنے لگیں۔ شوہر آیا تو فوراً ہی اس کے سامنے کھانا چن دیا، اسے بچہ کے بارے میں کچھ پوچھنے کا موقعہ ہی نہ دیا۔ کھانا کھانے کے بعد دونوں ایک ہوگئے! اس کے بعد کہا:

ابوطلحہ! اگر کوئی شخص اپنا ایک بچہ کسی کے پاس بطور امانت چھوڑ دے تو مطالبہ کرنے پر اسے واپس دینا چاہئے یا نہیں؟ ابوطلحہ نے کہا: واپس دینا چاہیے۔ سہلہ نے کہا: جو خدا نے دیا تھا، واپس لے لیا۔ ابوطلحہ رسولؐ کی خدمت میں آئے اپنی زوجہ کی یہ بات اور سارا واقعہ سنایا۔ رسولؐ نے فرمایا:

"کل رات جو ہوا خدا اسے تمہارے لئے مبارک قرار دے"!

---

[1] اپنی دختر فاطمہ زہراء سے فرمایا تھا کہ ۳۴ بار "اللہ اکبر"، ۳۳ بار "سبحان اللہ" اور ۳۳ بار الحمد للہ پڑھا کرو۔

سہلہ حاملہ ہوگئیں۔ بچہ پیدا ہوا۔ جب بچہ بیس دن کا ہو گیا تو ابوطلحہ نے اپنی بیوی سے کہا: ''بچہ کو کچھ خرموں کے ساتھ رسولؐ کی خدمت میں لے جاؤ تاکہ اس کا نام رکھدیں''۔

رسولؐ نے بچہ لٹایا، معمولی سا نرم خرمہ بچہ کے منہ میں رکھا، بچہ اسے چوسنے لگا، فرمایا: انصار خرموں کو پسند کرتے ہیں۔ اس کے بعد بچہ کا نام عبداللہ رکھا اور فرمایا:

''یہ بچہ میرا بھائی ہے، میری ماں نے میرے پاس بھیجا ہے۔'' رسولؐ بچہ کو بہت دوست رکھتے تھے۔ چنانچہ بچہ نے انصار میں بلند مرتبہ پایا۔ کہتے ہیں کہ ان کے سات بیٹے تھے اور ساتوں قاری قرآن تھے۔ سب نے قرآن ختم کیا تھا۔

اس خاتون نے اسلام قبول کرنے کے بعد رسولؐ کے ہاتھ پر بیعت کی اور جب عبداللہ کے حمل سے تھیں اس وقت جنگ حنین میں شریک ہوئیں اس سے پہلے جنگ احد وخیبر میں شریک ہو چکی تھیں۔ ان کے ذمہ پیاسوں کو پانی پلانا اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا تھا اس کے ساتھ دونوں جنگوں میں محتاط رہیں اور ایک خنجر حمایل کئے ہوئے تھیں۔

جنگ خیبر کے بعد رسولؐ نے صفیہ سے نکاح کیا تو سہلہ ہی نے انھیں سنوارا۔ ابوطلحہ نے جنگ کے زمانہ میں کہا: اے اللہ کے رسولؐ! ام سلیم خنجر حمایل کئے ہوئے ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: اس لئے حمایل کر کے رکھا ہے کہ اگر کوئی مشرک قریب آئے تو اس کا شکم چاک کر دے۔ کسی نے ام سلیم سے کہا: ان آزاد شدہ لوگوں کو قتل کر دو اور ان کے شر کو کم کر دو، انھیں بھاگنے نہ دو۔ رسولؐ مسکرائے اور سہلہ پر نوازش کی۔

۱۔ الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۲۶۰، اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۹۱، سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۲۵۴

امّ شریکؓ

ان کے اسلام لانے اور رسولؐ سے ان کی دلی محبت کے بارے میں ایک داستان نقل ہوئی ہے جو کہ تاریخ اسلام کے حیرت انگیز ترین واقعات میں سے ایک ہے۔ ان کے شوہر نے مکہ میں اسلام قبول کیا اور بعض مسلمانوں کے ساتھ وطن چھوڑ دیا، رسولؐ اور مدینہ میں جمع ہونے والے مسلمانوں سے ملحق ہونے کیلئے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور ام شریک کو ــــ جو کہ معرض خطر میں تھی اور مشرکین یہ سمجھتے تھے کہ وہ بھی مسلمان ہو گئی ہے ــــ وہیں چھوڑ دیا۔

ان کا یہ گمان بھی بے دلیل نہیں تھا۔ کیونکہ ام شریک خفیہ طور پر مکہ کی عورتوں سے رابطہ قائم کرتیں اور انھیں مسلمان ہونے کی دعوت دیتی تھی۔ آخر کار ان کے شوہر کے عزیزوں میں سے بعض ان کے پاس آئے اور کہنے لگے: گویا تم بھی ان کا دین اختیار کر لیا ہے۔

ام شریک نے جواب دیا: خدا کی قسم میں نے بھی ان کا دین قبول کر لیا ہے۔ آنے والوں نے کہا: ہم تمہیں سخت شکنجہ دیں گے۔ جب وہ جانا چاہتے تھے ام شریک کو ایک شریر اونٹ پر سوار کیا۔ کہ اس سے شریر ان کے اونٹوں میں کوئی اونٹ نہیں تھا ــــ اور چل دیئے۔ راستہ میں انھیں صرف شہد اور روٹی دیتے تھے تاکہ انھیں شدید پیاس لگے۔ دھوپ بہت تیز تھی۔ راستہ

امانتدار تھیں۔ جب علی علیہ السلام نے شہادت پائی، امام حسنؑ نے وہ مخصوص کافور طلب کیا جو رسولؐ کی یادگار تھا۔ زینبؑ کافور لائیں، جس کی بو سے فضا معطر ہوگئی۔

امام حسینؑ کی نظروں میں بھی آپ کی بڑی عزت تھی امام حسینؑ نے اسرارِ امامت ان کے سپرد کئے۔ آپؑ نے حیاتِ رسولؐ میں ولادت پائی۔ بڑی عاقلہ اور باتدبیر عورت تھی، عبداللہ بن جعفر کی شریک حیات اور چند بچوں کی والدہ ہیں۔ کربلا میں اپنے بھائی حسینؑ کے ساتھ تھیں۔ وہاں سے انھیں اسیری کی حالت میں دمشق اور یزید بن معاویہ کی مجلس میں لے گئے۔ ایک شامی نے یزید سے کہا: سکینہ بنت الحسینؑ مجھے دیدی جائے۔ اس موقعہ پر زینب کبریٰ نے جو بات کہی صرف وہی ان کی عقلمندی کے لئے سب سے بڑی دلیل ہے۔

حضرت زینب کو "عقیلہ" کہتے تھے۔ فدک کے بارے میں ابن عباس نے حضرتِ فاطمہ زہراؑ کا خطبہ زینبؑ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: ہماری "عقیلہ" زینب بنتِ علیؑ اس طرح فرماتی ہیں . . .

فصاحت و بلاغت اور شجاعت میں بے نظیر ہیں۔ جب بات کہتی تو والد کی زبان میں کہتی تھیں۔ آپ کی سخنوری اور تقریر کا ثبوت وہ تقریر ہے جو آپؑ نے یزید کے دربار میں کی تھی اس کو صاحبان علم نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ یہ تقریر فصاحت و سلاست کے اعتبار سے بہت بلند ہے۔

جب کربلا کے داغ دیدہ اسیر دربارِ یزید میں پہونچے تو یزید نے شعر پڑھتے ہوئے امام حسینؑ کے دندان مبارک پر چھڑی لگا کر جسارت کی تو زینبؑ اٹھیں اور اس طرح سخن طراز ہوئیں:

"ساری تعریفیں خدا سے مخصوص ہیں، درود و رحمت ہو اس کے رسولؐ

کی زحمت اور شدید پیاس نے بتدریج ان کی تاب و تواں کو ختم کر دیا۔ تین شب و روز تک یہ ثابت قدم رہنے والی عورت ان طاقت فرسا شکنجوں میں مبتلا رہی جس سے ان کی آنکھیں، کان اور دوسرے حواس بے کار ہو گئے اور جاں بلب ہو گئی۔

واقعاً اہل ایمان اور بامقصد لوگوں کے لئے موت اور شکنجہ کتنا آسان ہوتا ہے!!! وہ سمجھتے تھے کہ ایک عورت ایسے شکنجوں کو برداشت نہیں کر سکے گی اور پہلے مرحلہ میں سر جھکا دے گی اور عاجزی والتماس کرنے لگے گی۔ لیکن اب ان کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ ان کے ارادہ و استقامت کو موت بھی متزلزل نہیں کر سکتی۔ جب وہ اپنی منزل پر پہنچے تو خیمہ زن ہوئے اور ام شریک کو جلتی دھوپ میں چھوڑ دیا اور خود خیموں میں آرام سے بیٹھ گئے۔

تیسرے دن ان سے کہا: اپنے دین سے دست بردار ہو جاؤ، ام شریک ان کی باتوں کو سمجھتی تھی لیکن اب لب کشائی کی طاقت نہیں رہ گئی تھی۔ آسمان کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور انھیں یہ بات سمجھا دی کہ ایک خدا کی عبادت سے ہرگز ہاتھ نہیں اٹھائے گی۔

جو لوگ اس مادی اور طبیعی دنیا کے تمام ذرائع سے ناامید ہو جاتے ہیں اور لطف حق سے امید وابستہ کرتے ہیں تو غیبی مدد آتی ہے اور انھیں اطمینان عطا کرتی ہے۔ ام شریک کو یہ غیبی مدد مل گئی تھی اور ان لوگوں کو محو حیرت کر دیا تھا جو ان کی بیکسی اور ناتوانی سے غلط فائدہ اٹھا رہے تھے۔

غیبی مدد کا فائدہ صرف ام شریک کی نجات ہی نہ تھا بلکہ اس کی برکت سے بہت سے بے رحم اور سنگدل آدمی موم ہو گئے تھے اور

غفلت و بیداری کی نیند سے جاگ اٹھے تھے۔ خود ام شریک اس طرح بیان کرتی ہے:

جب میری ساری طاقت و توانائی ختم ہوگئی تو میں نے محسوس کیا کہ میرا سینہ ٹھنڈا ہوگیا ہے۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ پانی کی ایک مشک میرے سینہ پر رکھی ہوئی ہے۔ میں نے تھوڑا پانی پیا۔ لیکن پھر مشک اٹھ گئی اور زمین و آسمان کے درمیان معلق ہوگئی۔ میں ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتی رہی۔ میرا ہاتھ اس تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ مشک پھر میرے قریب آگئی، میں نے تھوڑا پانی پیا اور مشک دوبارہ زمین و آسمان کے درمیان معلق ہوگئی۔ اتنے فاصلہ پر کہ میرا ہاتھ اس تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ تیسری بار مشک میرے قریب آئی اس مرتبہ میں نے اتنا پانی پیا کہ سیر ہوگئی اور باقی اپنے بدن اور لباس پر ڈال لیا۔ وہ لوگ خیمہ سے باہر آئے اور یہ عجیب منظر دیکھ کر کہنے لگے: دشمنِ خدا! پانی کہاں سے لائی ہو؟ میں نے کہا: دشمنِ خدا دوسرے ہیں، خدا نے مجھے نجات دلانے کیلئے پانی بھیجا ہے۔ وہ سراسیمگی کی حالت میں اپنی مشکوں کی طرف دوڑے، دیکھا کہ ان کی مشکیں پانی سے بھری ہوئی ہیں۔ وہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارا خدا بھی وہی ہے جو تمہارا خدا ہے۔ وہی کہ جس نے تمہیں یہاں پانی دیا اور ہمارے شر سے تمہیں محفوظ رکھا، وہی جس نے قرآن و پیغمبر کو بھیجا ہے۔

اس غیبی مدد کی وجہ سے ان لوگوں کی آنکھوں کے سامنے سے جہالت و ہوا پرستی کے پردے اٹھ گئے اور وہ سب مسلمان ہوگئے اور ام شریک کے ساتھ مدینہ آئے وہ سب ام شریک کا شکریہ ادا کرتے تھے کہ ان کی برکت سے انہوں نے گمراہی سے نجات پائی اور ان کے دل نور اسلام سے منور ہوگئے۔

ام شریک کو رسولؐ اسلام سے جو والہانہ لگاؤ تھا اس کے تحت

انہوں نے خود کو رسولؐ کے حوالے کر دیا۔ یاد رہے کہ رسولؐ کچھ ایسے خصوصیات کے مالک ہیں کہ جو دوسروں کے پاس نہیں ہیں۔ آنحضرتؐ پر نماز تہجد واجب تھی جبکہ دوسروں کیلئے مستحب ہے۔ دیگر افراد دائمی طور پر صرف چار عورتیں رکھ سکتے ہیں، لیکن آپ کچھ مصلحتوں کی بنا پر چار سے زیادہ دائمی عورتیں رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ جو عورتیں اپنے آپ کو رسولؐ کے حوالے کر دیتی تھیں، وہ بھی آپ کیلئے صیغۂ عقد پڑھے اور مہر کے بغیر حلال ہوتی تھیں، اور رسولؐ کے بعد کسی کو آپ کی ازواج سے شادی کرنے کا حق نہیں تھا۔

قرآن مجید نے سورۂ احزاب کی پچاسویں آیت کے ذیل میں آپؐ کے لئے تین قسم کی عورتوں کو حلال قرار دیا ہے:

۱۔ وہ بیویاں کہ جن کا آپؐ نے مہر دیا اور ان کے ساتھ شادی کی۔

۲۔ کنیزیں، جیسے ماریہ قبطیہ کہ کنیزی کی حالت میں ان سے رسولؐ کے فرزند ابراہیم پیدا ہوئے۔

۳۔ جن عورتوں نے مہر لئے بغیر خود کو رسولؐ کے حوالے کر دیا آیت ملاحظہ فرمائیں:

یا ایّھا النّبی انا احللنا لک ازواجک اللاتی آتیت اجورھنّ وما ملکت یمینک مما افاء اللّٰہ علیک وبنات عمک وبنات عماتک وبنات خالک وبنات خالاتک اللاتی ھاجرن معک وامرأۃ مومنۃ ان وھبت نفسھا للنّبی ان اراد النّبی ان یستنکحھا

خالصة لك من دون المومنین[1]

اے نبیؐ! ہم نے آپؐ کیلئے آپ کی ان بیویوں کو جن کا آپ نے مہر دیا ہے اور کنیزوں کو جنہیں خدا نے آپ کو جنگ کے بغیر عطا کیا ہے اور آپ کے چچا کی بیٹیوں اور آپ کی پھوپھی کی بیٹیوں کو اور آپؐ کے ماموں کی بیٹیوں اور آپ کی خالہ کی بیٹیوں کو جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہے اور اس مومنہ عورت کو جو اپنا نفس آپ کو بخش دے، اگر نبی ان سے نکاح کرنا چاہیں تو یہ آپ کے لئے حلال ہیں باقی مومنین کیلئے نہیں۔

جس عورت نے اپنا نفس رسولؐ کو بخش دیا اس کے بارے میں چند اقوال ہیں۔ امام زین العابدینؑ سے نقل ہونے والی روایت کی رو سے یہی ام شریک مراد ہیں۔ بعض لوگوں نے "میمونہ" بعض "زینب بنت خزیمہ" بعض نے بنی اسد کی ایک عورت اور بعض نے خولہ کہا ہے۔ اگرچہ خدا نے ایسی عورتیں حلال کی تھیں لیکن ان میں سے کوئی بھی رسولؐ کے پاس نہیں تھی۔[2]

---

1. احزاب / ۵۰
2. الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۱۱۰ اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۹۴، تفسیر مجمع البیان ج ۸ ص ۳۴۶

امّ حکیم

دو شہید بچوں کی ماں

آخر کار حکمین کی نشستیں ختم ہو گئیں اور عمر بن عاص کی فریب کاری کے نتیجہ میں ابوموسیٰ اشعری نے یہ سوچ کر عمر ابن عاص معاویہ کو بھی الگ کرے گا، حضرت علیؑ کو خلافت سے معزول کر دیا۔ لیکن عمر بن عاص نے اپنی انگلی میں انگوٹھی پہناتے ہوئے کہا: میں معاویہ کو خلیفہ منصوب کرتا ہوں بالکل اسی طرح جیسے میں نے یہ انگوٹھی پہن لی ہے۔

اس سیاسی فریب کاری کے بعد معاویہ نے دو سنگ دل اور خونی سپاہیوں کو حکم دیا: جو بھی علی بن ابی طالب کا شیعہ ہاتھ لگے قتل کر دینا اور اس سلسلہ میں بچوں اور عورتوں پر بھی رحم نہ کرنا۔ وہ معاویہ کے حسب منشا کسی رحم و چشم پوشی کے بغیر اپنی ذمہ داری کو پورا کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے، یہاں تک کہ یمن پہنچ گئے۔ یمن میں عبیداللہ حضرت علیؑ کی طرف سے نمائندہ تھے۔ ان خونخواروں نے غارت گری کا سلسلہ شروع کیا۔ عبیداللہ میں ان حملہ آوروں کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی لہٰذا وہ روپوش ہو گئے۔ بسر نے ان کے گھر پر حملہ کیا اور

عبید اللہ کے دو بیٹوں، عبد الرحمان و قثم کو پکڑ لیا اور ان کی ماں ام حکیم کی آنکھوں کے سامنے ان کے سر قلم کر دیئے !!

ام حکیم نے جب یہ دیکھا کہ ایک ظالم ان کے بیٹوں کو قتل کر رہا ہے تو انہوں نے بہت نالہ و فریاد کی لیکن بسر کے سیاہ دل پر اس کا کچھ بھی اثر نہ ہوا۔

یہ ایک سخنور، ادیب اور ثابت قدم عورت ہے، حب علیؑ میں اپنے پیارے بیٹوں سے ہاتھ دھو لئے لیکن آپؑ کی محبت پر باقی رہیں۔ ام حکیم نے بہت سے اشعار کہے ہیں۔ مگر زیادہ اشعار اپنے عزیزوں کے سوگ میں کہے ہیں وہ اکثر اپنے ننھے شہیدوں کو یاد کر کے رویا کرتی تھیں۔ ان کے بعض جانگداز اشعار یہ ہیں :

یامن احس بابنی الذین هما ۔۔۔ کالدرتین تشظی عنهما الصدف

یامن احس بابنی الذین هما ۔۔۔ سمعی و قلبی فقلبی الیوم مزدهف

یامن احس بابنی الذین هما ۔۔۔ مخ العظام فمخی الیوم مختطف

فالان العن بسراحق لعنته ۔۔۔ هذا العمر ابی بسر هو السرف

من دل والهة حری مولهة ۔۔۔ علی حبیبین ضلا اذ غدا السلف

اے وہ شخص جو میرے ان دو بچوں کو پہچانتا ہے کہ جو دل صدف سے در کی طرف باہر آئے تھے۔ اے وہ شخص جو میرے ان بچوں کو جانتا ہے جو کہ میرا دل و دماغ تھے۔ آج میرا دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔ اے وہ شخص جو میرے ان بچوں کو جانتا ہے جو کہ میرے دماغ کی ہڈی تھے، آج میری ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں۔ بسر نے سنگدلی کے ساتھ میرے بیٹوں کے گلے پر

پر تلوار چلا کر ان کی رگیں کاٹ دیں۔ اب میں بسر پر لعنت
کر رہی ہوں، میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ بسر ظالم ہے۔
کون ہے جو اس سوختہ دل پریشان حال ماں کی دو گمشدہ
بچوں کی طرف راہنمائی کرے؟!

ایسے لوگ بہت کم ہیں جو ام حکیم کے جانگداز اشعار سن کر نہ روئیں ایک دن ایک حساس یمنی اس کے مظلومانہ اشعار سن کر بہت متاثر ہوا اور یہ ارادہ کیا کہ جیسے بھی ہو گا بسر سے انتقام لے گا۔ اس منصوبہ پر عمل کرنے کیلئے وہ بسر کے پاس گیا اور اس سے دوستی کی۔ بسر اس پر اعتماد کرنے لگا اور اسے اپنا حقیقی دوست سمجھنے لگا۔ ایک دن وہ بسر کے دو بچوں کو وادی "اوطاس" میں لے گیا اور دونوں کو قتل کر کے فرار ہو گیا۔ اس موقعہ پر اس نے چند اشعار کہے جو یہاں نقل کئے جاتے ہیں:

یا بسر بسر بنی ارطاۃ ما طلعت ... شمس النهار ولا غابت من الناس
خیر من الهاشمیین الذین هما ... عین الهدی وحمام الاسوق القاسی
ماذا اردت الی طفلی مولهة ... تبکی وتنشد من اثکلت فی الناس
اما قتلتهما ظلما فقد شرقت ... من صاحبیك قناتی یوم اوطاس
فاشرب بکاس سهما ثکلا کما شربت ... ام الصبیین او ذاق ابن عباس

اے بسر! آفتاب نے ان دو ہاشمیوں سے بہتر لوگوں پر طلوع
و غروب نہیں کیا ہے کہ وہ سرچشمۂ ہدایت اور محکم تنہ والے
درخت تھے۔

تجھے اس ماں کے بچوں سے ـــ جو کہ آج لوگوں

ہیں روتی اور نوحہ کرتی رہتی ہے۔ کیا سروکار ہے تونے ظلم سے انھیں قتل کیا تو آج اوطاس کی سرزمین پر تیرے بچے جو کہ میرے نیزہ سے ہلاک ہوئے ہیں آج ان کا غم برداشت کر جیسا کہ ان دونوں بچوں کے ماں باپ نے غم کا گھونٹ پیا تھا۔

جب حضرت علی کو یہ غم انگیز خبر ملی تو بہت افسوس ہوا اور بارگاہ خدا میں عرض کی: اے اللہ! اس دلبر سے دین چھین لے اور اسے دیوانگی کی حالت میں موت دے۔

حضرت علیؑ کی نفرین و بد دعا نے اپنا اثر کیا، آخر عمر میں وہ کافر ہو گیا اور عقل بھی زائل ہو گئی چونکہ اس نے ایک زمانہ تک خونخواری اور آدم کشی کی تھی اس لئے اسے خون کے بہانے اور بے گناہ کو خون میں تڑپانے میں مزہ ملتا تھا۔ برائیوں میں بعض لوگ اتنی دور نکل جاتے ہیں۔

بسر جب بستر مرگ پر گر پڑا تھا اس وقت بھی اس کے اندر آدم کشی کی ہوس باقی تھی۔ کبھی تلوار لے کر عیادت کرنے والوں پر حملہ کرنا چاہتا تھا، اس کے ہاتھ میں لکڑی کی تلوار دیدی گئی اور ایک گھر میں بند کر دیا گیا۔ اس نے در و دیوار اور بستر پر تلوار چلائی اور اسی حالت میں مر گیا۔

ایک روز عبید اللہ نے معاویہ کے دربار میں بسر کو دیکھا۔ اس وقت رٹائرڈ ہو چکا تھا۔ اور اس سے کہا: تونے ہی میرے بیٹوں کے سر قلم کئے تھے؟!

اس نے کہا: ہاں۔ عبید اللہ نے کہا: میرا دل چاہتا ہے کہ میں تم سے تلوار کے ساتھ ملاقات کروں۔ بسر نے اپنی تلوار ان کی طرف بڑھاتے ہوئے

کہا: یہ لیجئے تلوار! لیکن معاویہ نے بڑھ کر عبید اللہ کے ہاتھ سے تلوار لے لی اور بسر سے کہا:

بوڑھا ہو گیا ہے، ایک طرف ان کے بے گناہ بچوں کو قتل کرتا ہے، تمام عمر کے لئے انھیں غم زدہ کرتا ہے، دوسری طرف اپنی تلوار انھیں دیتا ہے۔ یہ نہیں جانتا کہ وہ بنی ہاشم میں سے ہیں اور دلیر ہیں، اپنے بیٹوں کے انتقام میں پہلے مجھے قتل کریں گے پھر تجھے!!

عبید اللہ نے کہا: بسر اس سے کہیں زیادہ پست ہے کہ وہ میرے بچوں کے انتقام میں مارا جائے۔ خدا کی قسم مجھے تیرے بیٹے یزید اور عبد اللہ کو قتل کر کے آرام ملے گا۔

مگر افسوس اسی عبید اللہ نے امام حسنؑ کو ناساز گار و بحرانی حالات میں تنہا چھوڑ دیا اور معاویہ کے پاس چلا گیا۔ بالکل وہی کیا جو علیؑ کے بھائی عقیل نے کیا تھا[1]۔ لیکن عقیل نے کسی وقت بھی معاویہ اور اس کے خاندان پر تنقید کرنے سے چشم پوشی نہیں کی اور آتش فشاں کی طرح معاویہ کے سر پر آگ برساتے رہے اور اس ظالم حکومت کے مرکز میں اپنے تبلیغی کام انجام دینے میں کوئی کوتاہی نہ کی۔ لیکن کیا عبید اللہ بھی ایسے ہی تھے؟ اس کیلئے تحقیق کی ضرورت ہے۔

---

[1] الدر المنثور فی طبقات ربات الخدور ص۵۳ و ص۵۴۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱ ص۳۴۰ و ج ۲ ص۱۸ و ج ۱۹ ص۶۱ اور اس کے بعد۔

ام کلثوم

عمرو بن عبدود کی بہن

مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان جو بڑی جنگیں ہوئی ہیں، ان میں ایک جنگ خندق ہے۔ اسلام کو نابود کرنے کیلئے اس جنگ میں عرب کے تمام قبیلوں نے حصہ لیا۔ رسولؐ نے فرمایا تھا۔ ایمان کی پوری طاقت شرک کی پوری طاقت کے مقابلہ میں آشکار ہو گئی ہے۔ ؎

عرب کا نامی اور بڑا پہلوان عمرو بن عبدود بھی اس جنگ میں شریک تھا کہتے ہیں کہ وہ اکیلا ہزار سپاہیوں کا مقابلہ کرتا تھا۔ جب وہ گھوڑا کودا کر خندق پار کر آیا اور مسلمانوں کو جنگ کیلئے طلب کیا تو بہت کم مسلمان ایسے تھے جن کے دل اطمینان و سکون سے سرشار تھے۔

صرف حضرت علیؑ نے جرات و شجاعت کے ساتھ اس کا جواب دیا تھا آپؑ نے اس سے گفتگو کی کہ ہو سکتا ہے وہ مسلمان ہو جائے۔ فرمایا:

تو نے قسم کھائی ہے کہ لوگوں کی تین خواہشوں میں سے ایک ضرور پوری کرے گا۔ میں بھی تجھ سے چند باتیں کہتا ہوں:

پر، خدا کا قول برحق ہے، فرماتا ہے:

"بدکاروں کا انجام یہ ہے کہ وہ خدا کی آیات کو جھٹلاتے اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں"۔[1] (روم/۱۰)

یزید! تو نے اپنی پوری طاقت صرف کرکے ہم پر دنیا تنگ کردی اور اسیروں کی مانند ہمیں یہاں تک لے آیا! کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ ہمارے ساتھ تیری اس بدسلوکی سے خدا کے نزدیک ہماری جو قدر منزلت ہے وہ گھٹ جائے گی اور اس کے نزدیک تیری عظمت بڑھ جائے گی؟!

اب چونکہ دنیا تیرے ہاتھوں میں ہے لہٰذا تو مغرور و بے پروا ہو گیا ہے۔ جس حکومت و سلطنت پر تو ناز کرتا ہے وہ ہمارا حق ہے کچھ سوچ اور غور کر، نادان نہ بن! کیا تجھے خدا کا یہ قول یاد نہیں ہے کہ فرماتا ہے: "کافر یہ خیال نہ کریں کہ جو مہلت ہم نے انھیں دے رکھی ہے وہ ان کے لئے بہتر ہے۔ ہم اس لئے انھیں مہلت دیتے ہیں تاکہ وہ اپنے گناہوں میں اضافہ کرلیں آخرکار سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوں گے"۔[2]

کیا یہی عدالت ہے کہ تیری عورتیں اور کنیزیں پردہ نشین رہیں اور رسولؐ کی بیٹیوں کو اسیر کرے اور لوگوں کو انکا تماشا دیکھنے کیلئے اکسائے جبکہ ان کے مرد بھی ان کے ساتھ نہیں ہیں؟! صحیح ہے جس کی ماں نے اہل بیتؑ کی دشمنی میں شہیدوں کا جگر دانتوں سے

---

[2] آل عمران/ ۱۷۸

میں تمہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ عمرو نے کہا: مجھے اسلام کی ضرورت نہیں ہے۔

فرمایا: محمدؐ سے جنگ نہ کر اگر وہ سچے ہیں، تو ان کے نزدیک اپنی حیثیت بنا لے اور اگر جھوٹے ہیں تو ان کے جھوٹ سے تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ عمرو نے کہا:

اگر میں میدانِ جنگ سے واپس لوٹ جاؤں گا تو قریش کی عورتیں میرے بارے میں کیا کہیں گی؟

فرمایا: اپنے گھوڑے سے نیچے اتر جاؤ۔

عمرو نے کہا: میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی عرب مجھے ایسا مشورہ دینے کی جرأت کرے گا۔ لیکن بھتیجے! میں تمہیں قتل نہیں کرنا چاہتا

فرمایا: میں تمہیں قتل کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر عمرو اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور اسے پے کر دیا اور دونوں میں جنگ شروع ہو گئی۔ اس جنگ میں علیؑ کی فتح، یعنی حق کی باطل پر فتح ہوئی۔

عمرو کے قتل ہو جانے کی خبر اس کی بہن ام کلثوم کو ملی۔ اس نے پوچھا: اسے کس نے قتل کیا ہے؟ بتایا گیا کہ علی بن ابی طالبؑ نے۔ اس نے کہا: اس کے اور اس کے خاندان کے لئے یہ فخر کافی ہے کہ ایک عالی مقام آدمی کے ہاتھ سے قتل ہوا ہے۔

وہ ادیب و عقلمند عورت تھی، اس نے اپنے بھائی کے غم میں چند اشعار میں دلنشین انداز میں قاتل کی بھی تعریف کی ہے۔ "تاریخ اسلام" میں اس کے یہ اشعار ثبت ہو گئے ہیں۔ اس کے بعض اشعار کا ترجمہ یہ ہے:

اگر عمرو کو علیؑ کے علاوہ کوئی دوسرا قتل کرتا تو میں اس پر زندگی بھر گریہ کرتی۔

لیکن اس کا قاتل وہ ہے جو ہر عیب سے پاک ہے اور ان کے والد شریف شہر کے بڑے شمار ہوتے ہیں۔ وہ ہاشم کے پوتے ہیں اور مسندِ عظمت کی جگہ آسمان پر ہے۔ جو لوگ اس عظمت کو برداشت نہیں کر سکتے وہ حسد میں مر جائیں۔

یہ وہ خاندان ہے کہ جسے خدا نے دینی و دنیوی عظمتیں عطا کی ہیں۔

ام کلثوم! اس ماں کی طرح بھائی پر گریہ کر جس طرح ماں بیٹے کا غم مناتی ہے۔

اس کے اشعار لوگوں نے رسولؐ کو سنائے۔ آنحضرتؐ سمجھ گئے کہ عورت عقلمند اور اسلام کی طرف مائل ہے۔ اسے اسلام کی دعوت دی، اس نے بھی تہ دل سے دعوت قبول کر لی اور بقیہ عمر دیگر مسلمانوں کی طرح دینداری و خدا پرستی میں گذاری۔[1]

---

[1] الدر المنثور فی طبقات ربات الخدور ص ۶۳، سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۲۳۵۔ سفینۃ البحار ج ۲ ص ۲۶۵

تحفہ

ہدایت یافتہ گلوکارہ

یہ بغداد کے ایک تاجر کی کنیز تھی، قطع نظر اس سے کہ حسین و دل ربا تھی، اپنے زمانہ کی بے نظیر گلوکارہ تھی۔ تاجر بھی اس کے حسن و آواز کا عاشق تھا، اسے بیس ہزار درہم میں خریدا تھا لیکن اس کے دوسرے فریفتہ اسے چالیس ہزار درہم میں خریدنے کیلئے تیار تھے۔

ایک روز حسب معمول گلے میں تار، طنبور ڈال کر بجا رہی تھی اور موسیقی کیساتھ ساتھ یہ گانا بھی گا رہی تھی:

"تیرے حق کی قسم، زمانہ گذر گیا، لیکن میری خالص محبت آلودہ نہ ہوئی۔ میرا دل میرے تمام اعضاء اور بدن عشق سے چھلک رہا ہے۔ میں کیسے آرام سے بیٹھوں؟! تیرے علاوہ میرا کوئی مولا و آقا نہیں ہے۔ پھر تو نے مجھے لوگوں کے درمیان کنیزی کی قید میں کیوں گرفتار کیا ہے؟!"

اس کے بعد طنبور کو زمین پر دے مارا اور خود رونے لگی۔

تاجر نے اس پر تہمت لگائی کہ تم کسی اور سے عشق کرتی ہو، اسی کی وجہ سے

بے قرار و پریشان ہوئی ہو۔ لیکن کافی تلاش کے باوجود اس خیالی معشوق کا کچھ سراغ نہ ملا۔ کنیز کی حالت بدل چکی تھی، رات دن روتی رہتی تھی۔ اس کی حالت سے تاجر کو بھی حیرت تھی۔ مجبوراً کنیز سے سوال کیا کہ تمہارا یہ حال کیوں ہوا ہے ؟

کنیز نے جواب دیا کہ میرے دل کی گہرائیوں سے حق نے مجھے اپنی طرف بلایا ہے اور میری زبان نے مجھے نصیحت کی ہے۔ میں خدا سے دور ہو گئی تھی اس نے مجھے اپنے قریب بلایا ہے اور مجھے منتخب کیا ہے۔ جس نے مجھے دعوت دی ہے اس کی دعوت کو میں نے راضی برضا قبول کر لیا ہے۔ اپنے گذشتہ کردار سے مجھے خوف محسوس ہوتا تھا لیکن اس کے عشق سے مجھے سکون میسّر آگیا ہے۔ تاجر ابھی تک ہوس کے جال میں گرفتار تھا اور یہ سوچتا تھا کہ کنیز بھی اس کی طرح ہوس و شہوت کے پنجوں میں جکڑی ہوئی ہے۔ اس نے بہت سی نیرنگیوں سے کام لیا۔ لیکن کسی میں بھی کامیاب نہ ہوا۔ سرانجام تاجر نے یہ سمجھ کر کہ شاید کنیز نفسیاتی مرض میں مبتلا ہو گئی ہے اسے بغداد کے ایک ہسپتال میں داخل کر دیا۔ ہسپتال والوں نے اسے نفسیاتی اور پاگلوں کے وارڈ میں ایک کمرہ دیا اور اس کے ہاتھ پاؤں میں زنجیر ڈال دی۔

ایسے ناگوار حوادث سے خدا کے مقرب بندے گذرتے ہیں تاکہ سختیوں کی بھٹی میں ان کے وجود کا سونا خالص ہو جائے اور خدا کی بارگاہ میں انکی منزلت اور زیادہ بڑھ جائے۔ کنیز اس پیدا ہو جانے والی خالص محبت اور پاکیزہ ایمان کے نتیجہ میں ان سختیوں اور مصائب کو برداشت کرنے کیلئے تیار ہو گئی تھی۔ اس کی زندگی کے نئے مرحلہ کا آغاز ہوا اور وہ تکامل وارتقاء کی ڈگر پر لگ گئی۔

جب اس نے دیکھا کہ کوئی آدمی اس کے ہاتھ پاؤں میں بھاری زنجیریں پہنا رہا ہے تو کہا: خدا سے ڈرو! ایک بے گناہ کے ہاتھ میں ہتھکڑی نہ لگاؤ۔ میرے ہاتھ پسِ گردن باندھتے ہو، جبکہ میرے ہاتھوں نے نہ خیانت کی ہے اور نہ چوری؟!

میرے سینہ میں دل ہے۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ وہ جل اور پگھل رہا ہے۔ میرا دل تیری ہی طرف لگا ہوا ہے، تیرے حق کی قسم اگر تو مجھے ٹکڑے ٹکڑے کرے گا تو بھی میں تیری محبت سے دست بردار نہیں ہوں گی۔

ایک روز سری سقطی ہسپتال پہنچے، وہاں ایک حسین کنیز کو بہترین لباس میں ملبوس دیکھا۔ اس پر چھڑکے گئے عطر کی وجہ سے فضا عطر آگین ہو گئی تھی اور لوگوں کے مشام معطر ہو گئے تھے۔ اس کی تیمار دار سے اس کے بارے میں سوال کیا۔ تیمار دار نے کہا:

"یہ کنیز ایک زمانہ سے نفسیاتی مرض میں مبتلا ہے۔ اس کے آقا نے اسے یہاں داخل کر دیا ہے کہ ہو سکتا ہے صحت یاب ہو جائے!" تیمار دار کی بات سن کر کنیز کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہا: لوگو! میں پاگل نہیں ہوئی ہوں، میں کوئے دوست کے بادۂ عشق سے سرشار ہوں۔ میرے ہاتھوں میں تم نے زنجیر پہنا دی ہے! حالانکہ میری اس کے علاوہ کوئی خطا نہیں ہے کہ میں نے اس کی محبت کا دم بھرا ہے۔ میں اپنے محبوب کی شیفتہ و دل باختہ ہوں اور میں اس کی بارگاہ سے جدا نہیں ہو سکتی، جس چیز کو تم میرے لئے غلط تصور کرتے ہو وہ میرے حق میں ہے اور جو تم میرے حق میں بہتر سمجھتے ہو وہ میرے لئے نقصان دہ ہے۔

جو آقاؤں کے آقا سے محبت کرتا اور اس سے دل لگاتا ہے وہ گنہگار نہیں ہے۔ سری یہ اشعار سن کر رونے لگے۔ کنیز نے کہا: سری! تم دوست کی تعریف سن کر رو دیتے ہو، اگر تم اسے دیکھتے اور صحیح طریقہ سے پہچان لیتے تو تمہارا کیا حال ہوتا؟! اس کے بعد وہ بے ہوش ہو گئی۔ ہوش آیا تو کہا:

اے اللہ! میں نے تیرے وصل کا خلعت پہن لیا ہے۔ کتنا بہترین لباس ہے، تو ہی سارے انسانوں کا اور میرا آقا ہے۔ میرے دل میں پراگندہ خواہشیں تھیں۔ لیکن جب سے تجھے پایا ہے اس وقت سے میرے دل میں تو ہی تو ہے۔

جس کے حلق میں لقمہ اٹک جاتا ہے وہ پانی پیتا ہے، لیکن جس کے حلق میں پانی گلوگیر ہو جائے تو وہ کیا کرے؟! مجھے گذشتہ خطاؤں اور لغزشوں کا غم کھاتا ہے اور میرے پیکر میں روح کا وجود سب سے بڑا درد ہے۔ میرے اندر آتش شوق شعلہ ور ہے اور میرے دل میں محبت بیٹھ گئی ہے۔

اب میں تیری بارگاہ میں عذر خواہی کیلئے حاضر ہوئی ہوں۔ میرے باطنی سوز سے تو اچھی طرح واقف ہے۔

سری نے کہا: کنیز! تو نے عشق کے بارے میں بہت کچھ کہا، لیکن یہ نہ بتایا کہ تیرا معشوق و محبوب کون ہے؟!

کہا: وہی جو ہمیں بے دریغ نعمتوں سے نوازتا ہے اور ہم پر لطف و بخشش کرتا ہے۔ وہ دلوں سے نزدیک ہے وہ دوستوں کی دعا قبول کرتا ہے وہ سننے والا، حکمت والا، وہاب، بخشنے والا

اور بڑا مہربان ہے ۔ پھر کہا : میرا دل، دوستوں کے عشق میں مسرور ہے اور بادۂ محبت سے سرشار ہے ۔ آنکھو ! دوستوں کے فراق میں پھوٹ پھوٹ کر روؤ، کہ آنسو مشکلوں کی کنجی ہے ۔ خداوند عالم بہت سی روتی ہوئی آنکھوں کو آرام وراحت عطا کرتا ہے ۔ خوش نصیب ہے وہ بندہ جو گناہ کر کے اس پر پشیمان ہو کر آنسو بہاتا ہے ! اور خوفزدہ، بیدار اور امیدوار رہتا ہے گویا اس نے اپنے خانۂ دل کو روشن کر لیا ہے ۔

ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ تاجر آگیا اور کنیز کا حال معلوم کیا ۔ تیماردار نے کہا : سری سقطی بھی اس کے پاس ہیں ۔ تاجر آئے اور سری کا احترام کیا ۔ سری نے کہا : یہ کنیز زیادہ احترام کی مستحق ہے ۔ تم نے اسے یہاں کیوں قید کر دیا ہے ؟ ! تاجر نے اپنے اس برے عمل کو صحیح ثابت کرنے کیلئے کچھ دلیلیں گڑھ کر بیان کیں اور کنیز کے اوصاف بیان کئے ۔ سری نے کہا : اس کنیز کی جو بھی قیمت ہے وہ میں ادا کرتا ہوں ۔

تاجر نے کہا : آپ فقیر آدمی ہیں ! آپ اس کی قیمت کیسے ادا کریں گے ؟ ! سری نے کہا : جلدی نہ کرو، اسے یہیں روکے رہو، میں اسکی قیمت فراہم کرتا ہوں ۔ سری روتے ہوئے احمد مثنی کے پاس گئے اور انھیں واقعہ سنایا ۔ احمد نے کنیز کی قیمت سے کہیں زیادہ پیسہ سری کو دیدیا ۔ دوسرے دن سری پیسہ لیکر ہسپتال پہنچے اور تاجر سے کہا : یہ لو کنیز کی قیمت ۔ تاجر نے کہا : خدا کی قسم اگر آپ مجھے ساری دنیا بھی دیدیں گے تو بھی قبول نہیں کروں گا ، میں نے اسے راہ خدا میں آزاد کیا ۔ کنیز تاجر کی بات سن کر رونے لگی اور کہا : میں خدا کی طرف سے

اسی کی طرف فرار کیا اور اسی کے لئے روئی۔ اسی کے حق کی قسم یہی مولا ہے، میں ہمیشہ اس کے سامنے ہوں۔

آخر کار میں اپنی آرزو کو پالوں گی اور اس کے فیض سے بہرہ مند ہونگی جاؤنگی
اس طرح یہ عظیم خاتون سخت و ناگوار زمانہ سے گذری اور یہ ثابت کر دیا کہ راہِ خدا میں وہ کسی بھی دکھ اور مشقت سے نہیں ڈرتی ہے۔ امتحان اور سختیوں کا زمانہ ختم ہو گیا اور وہ آزاد ہو گئی۔ فوراً مکہ گئیں اور جب مسلمانوں کے پر شکوہ قبلہ پر نظر پڑی تو کہا:

اس دنیا میں خدا کا چاہنے والا بیمار ہے۔ اس کی بیماری طولانی اور اس کی دوا دستیاب نہیں ہے۔ اسے اپنی محبت کے جام سے سیراب کرتا ہے۔ اس کی محبت میں وہ سرگرداں ہو گیا اور اسے ڈھونڈنے لگا اور اس کے علاوہ کسی محبوب کو پسند نہیں کرتا ہے۔

جی ہاں جو اس کے اشتیاق کا دعویٰ کرتا ہے اس کی محبت میں اسے اتنی کوشش کرنی چاہئے کہ اسے پالے۔ ایک مدت بیم و رجا کے ساتھ زندگی گذاری۔ یہاں تک کہ اس کی زندگی کا پیمانہ پر ہو گیا اور اس نے دنیائے فانی سے سفر کیا۔

سری نے ہسپتال سے نکلتے ہوئے اس تاجر سے پوچھا:

باوجودیکہ تم اس کو آزاد نہیں کرنا چاہتے تھے اور اس کی قیمت سے زیادہ پیسے مانگ رہے تھے، پھر اسے کیوں آزاد کر دیا؟

تاجر نے کہا:

جب میں نے یہ دیکھا کہ آپ تہی دست ہیں اور اس بے قیمت پیسہ کو

فراہم کرنے اور کنیز کو آزاد کرنے کیلئے تیار ہیں تو میں نے سوچا کہ ایک تہی دست آدمی اس نیک کام کو انجام دینے اور کنیز کو اس بدبختی سے نجات دینے کی کوشش کر رہا ہے، کتنی اچھی بات ہے کہ اس نیک کام کو میں خود انجام دوں، اور اس سے فائدہ حاصل کروں اور پھر اس کنیز کے آزاد کرنے سے مجھے کوئی نقصان بھی نہیں پہنچے گا چنانچہ اس نیک کام کو انجام دینے اور کنیز کو آزاد کرنے کا میں نے خود ارادہ کیا۔ اب اس کار خیر کا سبب آپ ہیں۔ اُمید ہے میرے لئے دعا کریں گے۔"

سری نے تاجر کیلئے دعائے خیر کی اور احمد مثنیٰ سے جو پیسہ کنیز کو آزاد کرنے کیلئے لیا تھا اسے راہ خدا میں ناداروں میں تقسیم کر دیا۔[1]

---

[1] الدر المنثور فی طبقات ربات الخدور ص ۱۰۳ ـ ص ۱۰۵

خولہ

دلیر جنگجو اور شمشیر زن

اسلام کو پھیلانے کیلئے لشکر اسلام سرزمین شام میں مسلسل جنگ کر رہا تھا اور اس علاقہ میں جو چیزیں اسلام کے نفوذ اور اس کی ترقی میں رکاوٹ بنتی تھیں انھیں برطرف کر رہا تھا۔ ایک سپاہی ضرار تھا جو کہ اس سلسلہ میں بے دریغ جہاد کر رہا تھا اور آگے بڑھ رہا تھا، یہ دلاور خولہ کا بھائی ہے۔ ضرار کو دشمنوں نے گرفتار کر لیا، اس کی بہن خولہ اس کی گرفتاری سے بے تاب ہو گئی بھائی کو چھڑانے کیلئے اس نے جنگ کا لباس پہنا اور سپاہِ دشمن کے قلب میں گھس گئی۔

اسے کوئی نہیں پہچانتا تھا مسلمان دیکھ رہے تھے کہ ایک سوار رومیوں کے خرمن کو بجلی طرح جلا رہا ہے۔ آنکھوں کے علاوہ اس کا پورا بدن زرہ اور خود وغیرہ میں غرق تھا۔ پہلے ہی حملہ میں دشمن کی فوج کے بہت سے سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا واپس ہوئی تو اس کے نیزہ سے خون ٹپک رہا تھا۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ وہ خالد بن ولید ہے لیکن انھوں نے دیکھا کہ چند سپاہیوں کے ساتھ وہ کہیں سے چلا آ رہا ہے۔

مسلمانوں نے جب اس ناآشنا سوار کی یہ شجاعت دیکھی تو وہ بھی

چھپایا ہو، اس سے اس کے سواء اور کیا توقع رکھی جا سکتی ہے!

تو، وہ ہے جو کہ اپنے کئے ہوئے مظالم پر فخر کرتا ہے اور حسینؑ کے دندان پر چھڑی لگاتا ہے۔ رسولؐ کی ذریت اور ان منوّر ستاروں کے غم میں دل داغدار اور آنکھیں اشکبار ہیں جو کہ زمین پر چمکتے تھے۔ اب تو بزرگوں اور مُردوں کو یاد کر کے انھیں آواز دے رہا ہے۔ تو یہ گمان کرتا ہے کہ وہ تیری آواز سنتے ہیں اور تیری بے حیائی کی مسرتوں میں شریک ہیں۔ آخر کار تو بھی ایک دن ان ہی قسمت کے ماروں سے جا ملے گا اور یہ تمنّا کرے گا کہ کاش گونگا و شل ہوتا اور ان جرائم کا مرتکب نہ ہوتا اور یہ باتیں نہ کہتا!

اے اللہ! ہمارا حق لے لے اور ستمگروں کو عذاب میں مبتلا فرما! اور ہمارا خون بہانے والے اور ہمارے مردوں کو قتل کرنے والے پر قہر نازل فرما! یزید! خدا کی قسم تونے خود کو ہلاکت و بدبختی کے غار میں گرا دیا۔ ایک روز تو رسولؐ کے سامنے ہو گا۔ حالانکہ تونے انکی ذریت کا خون بہایا اور ان پر ظلم کیا ہے۔ خدا تمام پاک باز شہیدوں کو جمع کرے گا اور ان کا انتقام لے گا۔ جیسا کہ فرماتا ہے: "راہِ خدا میں قتل ہونے والوں کو مردہ گمان نہ کرو! وہ زندہ ہیں بلکہ وہ اپنے خدا کے پاس رزق پاتے ہیں"[1]

خدا تیرے امور کا فیصلہ کرنے والا، رسول مدعی، اور جبرئیل

---

[1] آل عمران / ۱۶۹

دشمن پر ٹوٹ پڑے اور خوب شمشیر زنی کی۔ سب کے دل میں تمنا تھی کہ شعلہ کی طرح لپکنے والے جوان کا نام ونشان معلوم ہو جاتا اور اسے شاباش کہتے! اس لئے انہوں نے سوار سے اصرار کیا کہ چہرہ سے نقاب اٹھا دے اور اپنا تعارف کرائے لیکن خولہ نے ان کے اصرار کی پروانہ کی اور اپنے حملے جاری رکھے۔

جب حد سے زیادہ اصرار بڑھ گیا تو فوج کے سپہ سالا سے کہا: میں شرم وحیا کی وجہ سے اپنا تعارف نہیں کر سکتی۔ میں عورت ہوں، مجھ پر شدید تأثر ہوا ہے کہ جس کی وجہ سے میں نے یہ کام کیا ہے۔

انہوں نے معلوم کیا تم کون ہو؟ کہا: میں خولہ ہوں، عرب عورتوں کے ساتھ تھی۔ کسی نے مجھے خبر دی کہ تمہارے بھائی اسیر ہو گئے ہیں۔ مجبوراً گھوڑے پر سوار ہو کر دشمن سے جنگ کیلئے آئی ہوں تاکہ اپنے بھائی کو آزاد کرالوں۔

خولہ نے ایک بار پھر اپنے حملوں سے تباہی مچادی، اس کے ساتھ ہی اسلام کا لشکر بھی جنگ میں کود پڑا، خولہ نے دشمن پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا، کبھی بائیں طرف اور کبھی دائیں طرف کے پرے پلٹ دیتی تھی اور ہر جگہ اپنے بھائی کو ڈھونڈتی رہتی تھی۔ لیکن کافی تلاش کے باوجود اس کا کہیں نشان نہ ملا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ ضرار زندہ ہے یا مارا گیا۔

خولہ نے کہا: میرے ماں جائے تو کہاں ہے؟ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ تمہیں کہاں لے گئے ہیں یا تمہیں کس نیزہ و شمشیر سے قتل کیا ہے؟ بھائی! بہن تم پر فدا! اگر تمہیں دیکھ لیتی تو دشمن سے نجات دلادیتی۔ نہیں معلوم کہ اب تمہارا دیدار ہو گا کہ نہیں! تم نے میرے دل میں ایسی آگ

بھڑکا دی ہے۔ جو کبھی خاموش نہیں ہوگی۔ کیا تم بھی اپنے والد سے — جو کہ رسولؐ کے سامنے دین کے سلسلہ میں شہید ہوئے تھے — جا ملے ؟! میرا اسلام قبول کیجئے میں نہیں جانتی کہ وعدۂ دیدار یہی جہاں ہے یا دوسرا جہاں ہے ؟!

اسلام کے سرباز خولہ کے ان جانگداز جملوں کو سنکر رونے لگے۔ سرانجام خولہ کا بھائی مل گیا اور اس کے دل کو آرام مل گیا۔ مسلمانوں اور شامیوں کے درمیان ہونے والی ایک جنگ میں خولہ دوسری مسلمان عورتوں کے ساتھ دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہوگئی۔ خولہ نے انھیں جمع کرکے کہا :

حمیر کی بیٹیو ! اور تبع کی یادگارو ! کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ غیروں کی کنیز بنو ! اور تمہارے بیٹے ان کے غلام بنیں ؟! تمہاری شجاعت و شرافت کو کیا ہوا ؟ اگر تم نے اس ذلت کو قبول کرلیا۔ اور شجاعت سے کام نہ لیا تو اس ذلت کی زندگی سے موت بہتر ہے۔ ایک عورت اٹھی اور اس نے کہا :

ازور کی بیٹی ! خدا کی قسم تم نے سچ کہا ہے، شجاع ہیں اور مارے جانے کا خوف نہیں کھاتے۔ لیکن کیا، کیا جاسکتا ہے ؟! دشمنوں نے ہمیں گوسفندوں کے گلہ کی طرح قید کر دیا ہے ہمارے پاس کوئی اسلحہ نہیں ہے کہ جس کے ذریعہ نجات حاصل کریں۔

خولہ نے کہا : خیموں کی چوب اٹھالو اور حملہ کردو، شاید خدا ہماری مدد کرے اور ہمیں دشمن کے چنگل سے نجات عطا کرے۔ عورتوں نے خیموں کی چوب اٹھالیں اور سب نے ایک ساتھ حملہ کر دیا اور ایسی جنگ کی کہ دشمن کو پراکندہ کرکے آزاد ہوگئیں۔ خولہ کہتی تھی :

ہم حمیر و تبع کی بیٹیاں ہیں، کوئی بھی ہماری ضربت کا منکر نہیں ہوسکتا

ہم میدان جنگ میں شعلہ ور آگ کی مانند ہیں۔ آج ہمارے حملوں کا شدید عذاب چکھو!"

ایک بار پھر اس کا بھائی دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ خولہ بھائی کو یاد کر کے روتی اور اشعار پڑھتی تھی۔ جس وقت لشکر اسلام "ضرار" کو نجات دلانے کیلئے انطاکیہ کی طرف روانہ ہوا تو انہوں نے ان عورتوں کو بھی اپنے ساتھ لے لیا جن کے مرد دشمن کے ہاتھوں اسیر ہوئے تھے ان میں خولہ آگے آگے چل رہی تھی اور بھائی کو یاد کر کے رو رہی تھی۔ اس بار بھی بھائی آزاد ہو گیا اور ان کے دل کو چین آ گیا۔

ضرار تیسری بار اسیر ہو گیا۔ اپنے بھائی کو چھڑانے کیلئے وہ کچھ لوگوں کے ساتھ چلی، ابھی نصف منزل طے نہ کی تھی کہ رومیوں کے ایک لشکر سے مقابلہ ہو گیا۔ ضرار بھی اس دستہ میں زنجیر میں جکڑا ہوا تھا۔ جب اس نے مسلمانوں کو دیکھا تو کچھ اشعار پڑھے اور اپنی بہن خولہ کو یاد کیا، خولہ نے بھائی کی آواز سن کر جواب دیا:

خدا نے تمہاری دعا قبول کر لی ہے اور تمہاری فریاد کو پہنچا اس کے بعد دشمن پر حملہ کر دیا اور اپنے بھائی کو دشمن کے چنگل سے چھڑا لیا [1]

---

[1] الدر المنثور فی طبقات ربات الخدور ص ۱۰۳

کبیشہ

سعد بن معاذ کی والدہ

جنگ خندق ، جو کہ مسلمانوں کیلئے بہت سے خطرات ساتھ لائی تھی وہ رہبر اسلام کی تدبیروں اور درایت سے ختم ہوگئی اور مشرکین اس خطرناک حملہ سے بغیر کچھ فائدہ حاصل کئے ہوئے واپس لوٹ گئے۔ فتح و کامیابی کیلئے رسول ؐ خدا سے بھی مدد طلب کرتے ، اپنے تمام وسائل کو بروئے کار لاتے اور مسلمانوں سے بھی استفادہ کرتے تھے ۔ اس جنگ میں رسول ؐ نے سلمانِ فارسی کے ایما پر خندق کھو دینے کا حکم صادر فرمایا اور اس کے بعد دوسری تدبیروں کو بروئے کار لائے جو کہ آنحضرت کی سیاسی و دینی قیادت کا واضح ثبوت ہیں ۔ خدا کی بارگاہ میں دعا کی :

اے اللہ ! جنگ بدر میں عبیدہ بن حارث کو اور جنگ احد میں حمزہ کو لے لیا یہ میرے بھائی علیؑ ابن ابی طالب ہیں ، مجھے تنہا نہ چھوڑ کہ تو بہترین وارث ہے ۔

اس جنگ میں مسلمانوں کی طرف سے چھ آدمی سعد بن معاذ ، انس بن اوس ، عبد اللہ بن سہل ، طفیل بن نعمان ، ثعلبہ بن غنمہ اور کعب بن زید کام آئے ۔

بنی قریضہ کے مکار یہودیوں نے جنگ خندق میں مسلمانوں سے خیانت کی تھی اور مشرکین کی مدد کیلئے تیار ہو گئے تھے۔ ان کے بارے میں سعد نے سوجھ بوجھ اور جرأت مندی کا ثبوت دیا تھا۔ پہلے نعیم بن مسعود نے — جو کہ خفیہ طور پر مسلمان ہو چکے تھے — مشرکوں اور یہودیوں کو ایک دوسرے سے بدظن کر دیا اور پھر سعد بن معاذ نے — کہ جنھیں یہودیوں نے فیصلے کے لئے چنا تھا — حکم دیا کہ ان کے مردوں کی گردن ماردی جائے اور بچوں اور عورتوں کو اسیر بنا لیا جائے تاکہ مرکز اسلام — مدینہ — میں ان کا اثر و نفوذ باقی نہ رہے۔

سعد نے دونوں مرحلوں میں، اسلام کی ترقی کیلئے اپنی ظاہری و باطنی طاقت کو اخلاص کے ساتھ رسولؐ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ افسوس کہ جنگ خندق میں ان کے ہاتھ پر ایک تیر لگا اور بدن سے کافی خون بہہ گیا۔ لیکن جب تیر نکالا گیا تو کہا:

اے اللہ! اگر قریش کی کوئی جنگ باقی ہے تو مجھے زندہ رکھ مجھے سب سے زیادہ ان سے جنگ کرنا پسند ہے اور اگر جنگ ختم ہو گئی تو اسی تیر کو میری شہادت کا وسیلہ قرار دے اور اس وقت تک زندہ رکھ کہ میں اپنی آنکھوں سے بنی قریظہ کے یہودیوں کی ذلت دیکھ لوں۔

سعد نے زخم کو مضبوطی سے باندھ دیا جس سے خون بند ہو گیا، لیکن ہاتھ پر ورم آ گیا۔ رسولؐ کے حکم سے مسجد میں ایک خیمہ نصب کر دیا گیا جس میں سعد کا علاج شروع ہوا۔ یہودیوں کا قضیہ ختم ہونے کے بعد دوبارہ خون بہنے لگا چنانچہ خون کے بہہ جانے سے ان کا انتقال

ہوگیا۔ اس طرح اس نیک مرد کی ــــ کہ جس کی تمنا صرف یہ تھی کہ اسلام کامیاب اور یہود و احزاب ناکام ہوں ــــ تمنّا پوری ہوگئی اور قلب سلیم کے ساتھ خدا سے جاملا۔ اس مخلص و جنگجو مسلمان کے فقدان سے سارے مسلمانوں نے ان کا سوگ منایا۔ شاعر اسلام۔ حسان بن ثابت نے ان کے بارے میں کہا:

میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں اور یہی بہتر ہے کہ میری آنکھیں سعد پر گریہ کریں۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سعد کی والدہ ــ کبیشہ ــ کو سب سے زیادہ غم ہوا تھا لیکن اپنے بیٹے کی شہادت سے افتخار و سربلندی کا احساس کر رہی تھی واقعاً یہی سرفرازی اور افتخار کی جا ہے۔ جس رات میں ان کا انتقال ہوا تھا۔ اس رات میں جبرئیل رسولؐ پر نازل ہوئے اور کہا:

اس کا انتقال ہوا ہے کہ جس کیلئے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور اس کی موت سے عرش ہل گیا ہے۔

رسولؐ فوراً سعد کی خیریت لینے پہنچے لیکن معلوم ہوا کہ وہ دنیا سے اٹھ چکے ہیں۔ جس وقت ان کا جنازہ بقیع کی طرف جا رہا تھا۔ جنازہ لے جانے والوں کو محسوس ہوا کہ سعد کا قدرے بھاری بدن سبک ہوگیا ہے۔ انھیں کسی وزن کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ سبھی کو حیرت تھی۔ رسولؐ نے فرمایا: جنازہ کو دوسرے اٹھائے ہوئے ہیں۔ خدا کی قسم سعد کی روح دیکھ کر فرشتے شاد ہوگئے، اور عرش خدا کانپ اٹھا۔

ایک مسلمان نے ان کے بارے میں اس طرح اظہار خیال کیا۔

عرش خدا سعد کے علاوہ کسی کی موت سے نہیں کانپا - ان کی والدہ نے کہا: اے سعد تمہیں جنت مبارک ہو - لیکن رسولؐ نے ان عجلت پسندی کے فیصلوں کا سدباب کرنے کیلئے فرمایا:

سعد کی ماں! خدا کے امور میں حتمی طور پر فیصلہ نہ کرو۔ تمہارے بیٹے پر فشار ہو رہا ہے جب لوگوں نے اس کی وجہ معلوم کی تو آنحضرتؐ نے فرمایا: وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ خوش خلقی سے پیش نہیں آتے تھے۔

سعد کے دفن کے وقت رسولؐ نے فرمایا: "سبحان اللہ" ! مسلمانوں نے بھی "سبحان اللہ" کہا۔ رسولؐ نے دوبارہ "اللہ اکبر کہا" مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کہا۔

اصحاب نے دریافت کیا کہ آپؐ نے تعجب کے ساتھ "سبحان اللہ" کیوں کہا؟ فرمایا: اس صالح بندہ پر فشار قبر ہو رہا تھا، قبر تنگ ہو رہی تھی خدا نے اسے گشادہ کر دیا۔ کبیشہ اپنے رشید وشہید بیٹےؓ کے بارے میں کہتی تھی: سعد کی ماں بدنصیب ہے کہ تم جوان مر گئے - چونکہ سعد ایسے عالی قدر، نیک منش اور ثابت قدم بیٹے سے محروم ہو گئی تھی۔ اس لئے کہتی تھی: میرا سعد ایسا سوار تھا کہ خلل کو ختم کرتا اور دشمن کی فوج کو پراکندہ کر دیتا تھا۔

واضح ہے کہ عام طور پر لوگ دنیا سے اٹھ جانے والے اپنے عزیزوں کی مجلسوں میں مبالغہ آمیز باتیں کہتے ہیں - سعد کی والدہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے کے مرثیہ میں ان تمام اوصاف وخصائل کو سعد سے منسوب کیا ہے جو کہ ایک کامل انسان میں پائے جاتے ہیں - اس بات کا

امکان تھا اور ہے کہ سعد کی والدہ نے بھی گزاف گوئی اور مبالغہ آمیزی سے کام لیا ہو۔ لیکن رسولؐ نے ایک کلمہ کہا جو کہ تاریخ میں ثبت ہو گیا اور ہر پیدا ہونیوالے احتمال کا ہمیشہ کیلئے سدباب کر دیا، تاکہ آنے والی نسلیں جان لیں کہ ایسا نمونۂ انسان ایسی ماں کی آغوش میں پروان چڑھا ہو گا جو کہ خود بہترین نمونہ ہے اور مبالغہ سے کام لینے والی نہیں ہے۔ فرمایا:

ہر نوحہ خواں جھوٹ کہتا ہے، سوائے سعد کی ماں کے۔[۱]

---

[۱] سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۲۲۴، بحار الانوار طبع جدید ج ۲۰ ص ۱۸۰، سفینۃ البحار ج ۱ ص ۴۲۴

فاطمہ علیہؒ

فیلسوف، متکلم اور صاحب قلم

جس خاتون کا ہم تعارف کرانا چاہتے ہیں وہ ان نمایاں مسلم عورتوں میں سے ایک ہے کہ جن کا زمانہ ہم سے قریب ہے۔ عثمانی عہد حکومت میں ان کے والد جودت پاشا بڑے منصب پر فائز تھے۔ یہ ۱۲۷۹ھ میں پیدا ہوئی۔ بچپن ہی میں ترکی عربی اور فارسی کی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا۔ اس کے بعد فرانسیسی زبان سیکھی، اور ادبی فنون میں مہارت حاصل کی۔

چند زبان سیکھنے اور ادبی معلومات کسب کرنے کے بعد علوم عقلی کی تعلیم شروع کی۔ کلام، منطق، ریاضیات اور ہندسہ کی تعلیم اپنے والد سے لی اور ساتھ ہی گھر کے امور بھی انجام دیتی رہی۔ عثمانی علمی تحریک کی ابتدا میں بعض فرانسوی کتابوں کا ترکی میں ترجمہ کر کے شائع کیا۔ رفتہ رفتہ علمی دنیا میں شہرت پائی اور اس زمانہ کے جرائد میں اس کے مقالات چھپتے تھے۔ اسی وجہ سے یورپین عورتوں کو اس کی عظمت کا اندازہ ہوا اور مسافرت کے دوران فاطمہ علیہ سے ملاقات کیلئے آنے لگیں اور اس سے تبادلۂ خیال کرنے لگیں۔

خود اس نے "نساء الاسلام" نامی کتاب لکھی ہے اور اس میں ان تین

مناظروں کو بھی قلم بند کیا ہے جو کہ اس کے اور یورپین عورتوں کے درمیان ہوئے تھے۔

اس عورت نے مشرقی اور مغربی علوم کی تعلیم حاصل کی تھی اور ریاضی، فلسفی اور طبعی علوم میں مہارت رکھتی تھی۔ ہم یہاں ان کی مذکورہ کتاب سے کچھ اقتباسات پیش کرتے ہیں؛

فاطمہ علیہ اپنے مناظرہ کا حال لکھنے سے قبل مقدمۂ کتاب میں لکھتی ہیں :

... ہم راہِ اعتدال سے ہٹ گئے ہیں اور ہمیں نہیں معلوم کہ کہاں چلے جا رہے ہیں؟ حالانکہ افراط و تفریط ہر چیز میں نقصان دہ ہے اور میانہ روی ہر چیز میں فائدہ مند ہے۔ جو سیاح ہمارے ملک میں داخل ہوتے ہیں ان کا فریضہ ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات اور فرائض جاننے والی عورتوں سے ملاقات کے ضمن میں حقیقت کا سراغ لگائیں، ہر عورت سے نہیں ہے بلکہ ان عورتوں کے ذریعہ حقیقت کو پہچانیں جو کہ اسلامی معارف سے صحیح معنی میں واقف ہیں اور پورے طریقے سے اس کی پابند ہیں۔

لیکن ایسی عورتوں تک بیرونی افراد کی رسائی مشکل ہے۔ کیونکہ وہ ہوٹلوں میں قیام کرتے ہیں اور اس کو صرف پیشہ ور مترجمین سے سروکار ہوتا ہے۔ معلومات فراہم کرنے کی غرض سے وہ انھیں سے سوالات کرتے ہیں اور بیوقوف انھیں ایسے جواب دیتے ہیں کہ جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بیرونی افراد بھی انھیں پوچ و رکیک تخیلات کی بنیاد پر، ہمارے بارے میں فیصلہ کرتے ہیں؛ اور پھر اظہار خیال کرتے ہیں۔

مسلّم ہے کہ ہمارے دینی احکام جو کہ حکمت و عقل کے مطابق

تیرے مخالف ہیں۔ جن لوگوں نے تجھے اس جرم پر ابھارا وہ عنقریب
جان لیں گے کہ ظالموں کیلئے سخت عذاب ہے اور ان کیلئے بہت برا ٹھکانہ ہے۔
مجھ پر خواہ کتنے ہی مصائب پڑے ہوں، تجھے ذلیل سمجھتی ہوں
اور تجھے ملامت و سرزنش کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتی۔ مگر
کیا کیا جائے کہ سینہ میں ہوک اٹھتی ہے اور آنکھوں سے آنسو
بہتے ہیں۔

تعجب ہے! اللہ والے، شیطان کے گروہ والوں کے ہاتھوں
قتل ہو جائیں۔ انہوں نے ہمارے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کئے اور ہمارے
پاک پیکروں کو خون میں غلطاں کیا ہے۔ یقیناً ایک روز کیفر کردار
کو پہونچیں گے۔ بے شک خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا ہے
ہم خدا ہی سے فریاد کرتے ہیں اور اسی پر اعتماد ہے۔

تو اپنے ہر حربہ کو آزما کے دیکھ لے اور اپنی کوشش میں
کوئی کسر نہ چھوڑ! خدا کی قسم! تو ہمارا نام نہیں مٹا سکے گا اور ہماری
وحی کو تباہ نہیں کر سکے گا اور ہماری عظمت نہیں گھٹا سکے گا اور
اپنے دامن سے یہ داغ کبھی نہ چھڑا سکے گا۔

جس دن منادی ستمگروں پر لعنت کرے گا، اس روز تجھے
یہ تدبیر، یہ زمانہ اور یہ مجمع کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔

میں خدا کی حمد کرتی ہوں کہ اس نے ہمیں سعادت، معرفت،
اور شہادت کے افتخار سے نوازا ہے۔ میں خدا سے سوال کرتی
ہوں کہ شہیدوں کے اجر و ثواب کو مکمل فرما! اور ہم کو ان کا

ہیں، ان سے یورپین آگاہ نہیں ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ مسلمان عورت کی کوئی حیثیت نہیں ہے وہ مظلوم ہے۔ اسی بنیاد پر وہ اعتراض کرتے ہیں اور جو ان کا دل چاہتا ہے ہمارے بارے میں کہتے ہیں۔

میں اپنے مناظروں کے دوران اس بات کی طرف متوجہ ہوئی کہ یورپ والوں نے ہمیں صحیح طریقہ سے نہیں پہچانا ہے۔ چنانچہ میں اپنے تعجب و حیرت کو مخفی نہ رکھ سکی۔ مجبوراً مناظروں کو قلم بند کر دیا تاکہ قارئین خود فیصلہ کر لیں۔"

پہلا مناظرہ

ماہ رمضان ۱۳۰۸ھ کی کسی تاریخ میں مجھے اطلاع دی گئی کہ یورپ کی ایک دانشور عورت میڈم ایف ایک تارک الدنیا راہبہ کے ساتھ ہماری افطار کی رسم کو نزدیک سے دیکھنا چاہتی ہے۔

پروگرام کے مطابق وہ افطار کے وقت آئی۔ ہم نے انھیں منزل کے بیرونی باغ کی طرف بھیجدیا۔ داخل ہوتے وقت میں نے انھیں فرانسیسی میں خوش آمدید کہا اور حسب معمول حاضرین سے ان کا تعارف کرایا۔

میڈم F کی عمر ۳۵ ـ ۴۰ اور راہبہ کی عمر ۴۰ ـ ۴۵ سال کے درمیان تھی۔ پذیرائی کے بعد انہوں نے اس کمرہ کو دیکھا جو ترکی نہج پر سجایا گیا تھا وہ انھیں پسند آیا۔ راہبہ نے درخواست کی سورۂ مریم کی تلاوت کی جائے۔ اس سورہ کی حضرت مریم و حضرت زکریا سے متعلق آیات کی تلاوت کی گئی اور میں نے فرانسیسی میں ترجمہ کیا۔

میں نے ان سے کہا: جبرئیل بشر کی صورت میں مریم کے سامنے ظاہر ہوئے

اور ان کے گریبان میں پھونکا۔ تھوڑی دیر کے بعد مریم نے احساس کیا کہ وہ حاملہ ہوگئی ہیں۔ وضع حمل کے وقت وہ کھجور کے درخت کے نیچے چلی گئیں، اس وقت خود کو کوس رہی تھیں اور اس پر لوگوں کے ردعمل سے ڈر رہی تھیں۔ لیکن اسی لمحہ جبرئیل ان کی مدد کو آئے۔ بچہ نے ان سے گفتگو کی، جس سے ان کے دل کو سکون ہوا۔

راھبہ پر اس کا بہت اثر ہوا تھا۔ کہنے لگی: میرے خیال میں آپ لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں؟

میں نے کہا: جس شخص کا یہ اعتقاد نہیں ہے، ہمارے عقیدہ کی رو سے وہ کافر ہے۔ ہم خدا کے انبیاء کے درمیان فرق قائم نہیں کرتے۔ ہاں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان میں سے بعض، جیسے محمدؐ، عیسیٰؑ، موسیٰؑ، ابراھیم اور نوح تمام انبیاء سے بڑے ہیں۔ ہاں جس خدا نے آدم کو خاک سے پیدا کیا ہے وہ عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کر سکتا ہے۔

راھبہ نے کہا: کیا آپ لوگ انجیل کا اعتقاد رکھتے ہیں؟

میں نے کہا: ہمارا اعتقاد ہے کہ خدا نے حضرت عیسیٰ پر انجیل نام کی ایک کتاب نازل کی تھی۔ اس مقدس کتاب کا قرآن مجید میں چند جگہوں پر ذکر ہوا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ عیسیٰ نے لوگوں کو بشارت دی کہ ان کے بعد "احمد" نام کا ایک پیغمبر خدا کی طرف سے آئے گا۔

راھبہ نے کہا: یعنی چہ؟! میں نے یہ بات نہیں سنی ہے!

میں نے کہا: انجیل یوحنا کی ۱۴ و ۱۵ اور ۱۶ ویں فصل میں آیت ۱۶ اور ۱۴ ویں فصل کی آیت ۲۹، ۱۵ ویں فصل کی آیت ۲۶ نیز،

۱۶ ویں فصل کی آیت ۱، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۳ اس سلسلہ میں ہیں کہ عیسیٰ کے بعد ایک پیغمبر آئے گا۔

راھبہ نے کہا: کلیسا نے ان آیات کی جو تفسیر کی ہے وہ تمہارے بیان سے بالکل مختلف ہے اور چونکہ انجیل یوحنا دقیق و پیچیدہ ہے۔ اس لئے اسے ہر ایک نہیں سمجھ سکتا۔

میں نے کہا: جی ہاں انجیل یوحنا کو سمجھنا دشوار ہے لیکن ان آیات سے اس کے علاوہ اور کوئی چیز سمجھ میں نہیں آتی، اسی لمحہ مؤذن کی آواز بلند ہوئی، حاضرین نماز کیلئے اٹھ کھڑے ہوگئے۔ مہمانوں نے پوچھا کہ یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟

میں نے کہا: "نماز پڑھنے"۔ انہوں نے سوال کیا: کیا تم نہیں جاؤگی؟

میں نے کہا: اس وقت میں تمہاری پذیرائی کی خاطر تمہارے ساتھ ہوں نماز بعد میں پڑھوں گی۔

انہوں نے کہا: کیا ہم تمہاری نماز کے مراسم دیکھ سکتے ہیں؟

میں نے کہا: اگر دیکھنا چاہتی ہو تو ان مراسم کو دیکھنے میں کوئی مانع نہیں ہے کیونکہ ہمارے دینی مراسم سری و رازدارانہ نہیں ہیں۔

مہمان اٹھے اور میں ان کے ساتھ عورتوں کی جماعت کے پاس گئی۔

جماعت کی صفیں مرتب و منظم تھیں اور معمول کے مطابق عورتیں مردوں سے الگ نماز پڑھنے میں مشغول تھیں۔ امام جماعت سورۂ توحید پڑھ رہا تھا، میں نے ان کے لئے اس کا ترجمہ کیا۔

میڈم نے کہا: کتنا اچھا ہو کہ اس سورہ کی نماز میں تکرار کی جائے!

کیونکہ اس کے الفاظ بہت ہی دل نشین ہیں !

راھبہ نے کہا : حواریین کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے ؟ میں نے کہا : وہ حضرت عیسیٰ کے خواص اور ان کے قریبی تھے ۔

اس نے کہا : کیا اس بات کو قبول کرتی ہو کہ عیسیٰ خدا کے بیٹے ہیں ؟ میں نے کہا : ہرگز ، وہ خدا کے بندے اور بڑے انبیاء میں سے ایک ہیں ۔

اس نے کہا : کیا تمہارا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں ؟ !

میں نے کہا : ہمارا عقیدہ ہے کہ خدا نے انھیں خارق العادت کے طور پر باپ کے بغیر پیدا کیا ہے ۔ بالکل اسی طرح جیسا کہ آدم کو ماں ، باپ کے بغیر پیدا کیا ۔ انجیل لوقا کی تیسری فصل کی آخری آیت میں اس بات کی تصریح ہوئی ہے کہ آدم خدا کے بیٹے ہیں ۔ توریت میں بھی ہابیل و قابیل کے حالات کے بعد اس بات کی تصریح ہوئی ہے کہ آدم کے بیٹے دو حصوں میں بٹ گئے ۔ خدا کے بیٹے اور شیطان کے بیٹے ۔

مومن خدا کے بیٹے ہیں ۔ در اصل خدا کو مجازی معنی میں باپ کہا گیا ہے ۔ حقیقی معنی میں نہیں اور یہی وجہ ہے کہ اسلام میں غیر حقیقی تعبیریں نہیں ہیں ۔ کیونکہ لوگ شک میں مبتلا ہوتے ہیں اور یہ تصور کرنے ہیں کہ یہی باپ بیٹے مراد ہیں جبکہ ایسا نہیں ہے ۔ لیکن اس کی نظیر دوسرے انداز میں اسلام میں بھی موجود ہے ۔ مثلاً ہم کعبہ کو بیت اللہ کہتے ہیں ۔ ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ خدا کا مکان ہے اور وہ اسی میں رہتا ہے بلکہ اس سے کعبہ کی حرمت و عظمت مراد ہے ۔ ایسے ہی "ید اللہ" کی

تعبیر سے مراد خدا کی قدرت ہے نہ یہ کہ وہ ہاتھ پیر رکھتا ہے!

راہبہ نے کہا: کیا تمہارا یہ عقیدہ ہے کہ عیسٰی دار پر چڑھائے جانے کے بعد آسمان پر اٹھا لئے گئے ہیں؟ ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ انھیں سولی دی گئی ہے۔

اس نے کہا: تعجب ہے! تمہاری باتیں نہ یہودیوں کے عقیدہ سے میل کھاتی ہیں اور نہ ہمارے عقیدہ سے ہم آہنگ ہیں۔

میں نے کہا: اس سلسلہ میں مسیحیوں کے پاس کوئی روایت نہیں ہے، وہ جو بھی کہتے ہیں یہودیوں کی بات سے اقتباس کر کے کہتے ہیں ہم مسلمان درحقیقت یہودیوں کے عقیدہ کو رد کرتے ہیں۔ واضح ہے کہ یہودیوں نے اس شخص کو سولی پر چڑھایا تھا جو کہ حضرت عیسٰی سے مشابہ تھا اور چونکہ اندھیرا تھا اس لئے وہ اپنی غلطی کی طرف متوجہ نہ ہو سکے اور عیسٰی کو خدا نے آسمان پر اٹھا لیا۔

نماز ختم ہو گئی۔ ان عورتوں نے نئے اور سبق آموز مطالب سن کر ہمارا شکریہ ادا کیا اور رخصت ہو گئیں۔

دوسرا مناظرہ

ایک ہفتہ بعد ایک دانشور اور محقق عورت میڈم "R" نے مجھ سے ملاقات کرنے کی خواہش کی۔ خوش قسمتی سے یہ ملاقات بھی ہو گئی۔ یہ حسین اور آراستہ تھی لیکن خود کو زنانہ ناز و نخرہ سے الگ رکھے ہوئے تھی اس مناظرہ میں تعدد ازواج اور مسئلہ "ہوو" سوتن موضوع بحث تھا۔

میں نے کہا: خدا نے مردوں پر یہ واجب نہیں کیا ہے کہ وہ ایک سے

زیادہ عورتیں رکھیں بلکہ انھیں یہ اجازت دی ہے کہ ضرورت کی صورت میں ایک سے زیادہ رکھ سکتے ہیں۔

اس نے کہا: میں نے سنا ہے کہ شریعت اسلام میں خدا نے یہ حکم دیا ہے کہ مردوں کو چار عورتیں رکھنا چاہیئے۔

میں نے کہا: خدا نے چار رکھنے کی صرف اجازت دی ہے۔ گذشتہ ادیان میں زوجات کے لئے حد معین نہیں تھی لیکن اسلام نے چار بیویوں سے زیادہ رکھنے سے منع کیا ہے اور چار رکھنے کے لئے بھی شرائط معین کئے ہیں کہ دین کے مطابق ان پر اترنا بھی دشوار ہے۔ جو شخص متعدد عورتیں رکھتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان کیلئے جدا گانہ گھر فراہم کرے اور ہر لحاظ سے انھیں ایک نگاہ سے دیکھے اور کسی بھی لحاظ سے ان کے درمیان فرق نہ کرے۔

شوہر کا فریضہ ہے کہ وہ عورت کی تمام ضروریات روٹی، کپڑا وغیرہ فراہم کرے اور اس فریضہ پر عمل کرنا کسی حد تک دشوار ہے۔ پھر عملی طور پر مسلمانوں میں تعدد ازدواج محدود کمیاب ہے۔ اگر مرد ان فرائض کی انجام دہی سے انکار کرتا ہے تو اس کی بیوی عدالت میں اسکی شکایت کرے گی اور عدالت اسے اپنے فرائض پورا کرنے پر مجبور کرے گی۔

واضح ہے کہ مالدار مرد چار عورتوں کے اخراجات برداشت کر سکتے ہیں بنا برایں اسلامی مقررات کی رعایت کے ساتھ متعدد عورتیں رکھی جا سکتی ہیں۔

اس نے کہا: کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم تعصب سے چشم پوشی کر کے، اس

راہ کی مشکلوں کے پیش نظر تعدد ازدواج پر پابندی لگا دیں ؟

میں نے کہا : اگر عورت بانجھ یا بیمار ہو تو اس صورت میں مرد کا کیا فریضہ ہے ؟

اس نے کہا : اسے طلاق دیکر دوسری شادی کر لے ۔

میں نے کہا : فرض کیجیے کہ بانجھ عورتوں کو طلاق دینا صحیح ہے لیکن بیمار عورتوں کا کیا ہوگا ؟

اس نے کہا : کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ انسان کبوتروں کی مانند زندگی گذارے ؟

میں نے کہا : یہ اکثر عورتوں کا خیال ہے لیکن دین اپنے مقررات کے ذریعہ ہر عہد، ہر ماحول میں معاشروں کی قیادت کرنا چاہتا ہے. اس کے قوانین ایسے ہونے چاہئیں کہ جنہیں ہر جگہ نافذ کیا جا سکے ۔ واضح ہے کہ اگر ایک عورت سوتن کا وجود برداشت نہیں کر سکتی تو وہ شوہر سے طلاق لے کر شوہر کی رضا سے جدا ہو سکتی ہے ۔

بنابراین تعدد ازدواج کا قانون کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا ہے جبکہ اگر اس قانون پر عمل نہ کیا جائے تو معاشروں کو شدید نقصان پہنچے گا چنانچہ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ یورپ کے بہت سے مرد و عورت تجرد کی زندگی گذار رہے ہیں اور یہ چیز آزادی اور اخلاقی خرابیوں کا سرچشمہ بن گئی ہے ۔

شادی شدہ مرد بھی دوسری عورتوں سے ناجائز تعلقات رکھتے ہیں. گویا عملی طور پر تعدد ازدواج کا رواج ہے اگرچہ قانونی طور پر منع ہے.

اس سے قطع نظر ان بچوں کا کیا ہوگا جو کہ ناجائز تعدد ازواج کے ذریعہ پیدا ہوں گے؟ اسلام نے بے جا آزادی اور ناجائز بچوں کو روکنے کیلئے تعدد ازواج کے منصوبہ کو پیش کیا ہے۔ چنانچہ اس کے نتائج بلند اور درخشاں ہیں۔

اس نے کہا: بالکل صحیح ہے۔ لیکن ہم عورتوں کو اپنی زنانہ غیرت کو نہیں گنوانا چاہئے۔ میاں بیوی ایک جسم کی مانند ہیں اور ان کی زندگی کو محبت سے ایسے سرشار ہونا چاہئے کہ جس سے کوئی تشویش لاحق نہ ہو۔ جو عورت یہ دیکھتی ہے کہ اس کا شوہر کسی وقت بھی اس کی سوتن لا سکتا ہے تو اسے کسی وقت بھی آرام نہیں ملیگا اور ہمیشہ پریشانی میں بسر کرے گی۔

میں نے کہا: اکثر مسلمان عورتوں نے، شوہر کی محبت کے سبب اپنے سرفرازی کا اظہار کیا ہے۔ جو مسلمان دوسری بیوی لاتا ہے وہ اپنے فریضہ کی انجام دہی اور اظہاری محبت و وفاداری میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتا، اور عورت کسی کمی کا احساس نہیں کرتی ہے۔ بلکہ یہ محسوس کرتی ہے کہ شوہر کے دل میں اس کی جگہ اب بھی محفوظ ہے۔

اس نے کہا: کہتے ہیں: آپ کے پیغمبر عورتوں کو پسند کرتے تھے۔

میں نے کہا: ہاں، وہ فرماتے تھے: تمہاری دنیا کی مجھے تین چیزیں پسند ہیں، خوشبو، عورت اور نماز کہ میری آنکھوں کا نور ہے۔

اس نے کہا: شاید اسی وجہ سے انہوں نے بہت سی شادیاں کی ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے ایک غلام نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی تو انہوں نے اپنے غلام کی بیوی سے بھی نکاح کر لیا۔ بعض لوگوں نے تمہارے

رسولؐ کے اس اقدام پر اعتراض کیا ہے۔

میں نے کہا: ہمارے نبیؐ نے پہلے حضرت خدیجہ سے شادی کی اور خدیجہ کی جینی حیات کسی عورت سے شادی نہیں کی۔ ہمارے رسول کی نسل حضرت خدیجہ ہی سے چلی ہے۔ خدیجہ کے بعد عائشہ بنت ابوبکر سے نکاح کیا۔ اسی زمانہ میں عمر کی بیٹی حفصہ بیوہ ہو گئی تو رسولؐ نے ان کی دلجوئی کی بنا پر حفصہ سے نکاح کر لیا۔ اواخر عمر میں آپ نے جو نکاح کئے تھے وہ حکمت کی رو سے کئے تھے۔

زن و شوہر کے کفو و برابری کا مسئلہ قریش کے درمیان بہت ہی اہمیت کا حامل تھا چنانچہ زن و شوہر اگر دونوں ہم شان ہوتے تو ان کی حیثیت کچھ اور ہی ہوتی تھی۔ مسلمانوں کے قتل ہو جانے یا مر جانے پر کبھی کبھار بیواؤں کا کوئی ہم شان نہیں ملتا تھا اور اگر کوئی ایسا آدمی ہوتا تھا تو وہ مسلمان نہیں تھا۔ اس لئے ان عورتوں سے خود رسولؐ نکاح کر لیتے تھے چنانچہ ام حبیبہ — بنت ابوسفیان — جن کے شوہر کا حبشہ میں انتقال ہو گیا تھا — اور ام سلمہ — کہ قریش کی نمایاں عورتوں میں سے ایک تھیں اور ابوبکر و عمر کے پیغام کو رد کر چکی تھیں —

— اور زینب بنت جحش — مطلقہ زید — سے اسی وجہ سے نکاح کیا تھا زید اور زینب کی شادی کا قصہ بھی عجیب ہے۔ قریش کی لڑکیاں قریشی لڑکوں ہی کو اپنا کفو سمجھتی تھیں۔ رسولؐ نے اس غلط رسم کو توڑنے کیلئے ان کی شادی ایک آزاد شدہ غلام سے

کر دی تاکہ قریش کی لڑکیاں جان لیں کہ مسلمان ان کے کفو ہیں۔ اس کے بعد چونکہ زید اور زینب میں نہ بنی لہذا زید نے زینب کو طلاق دینے کی ٹھان لی۔ رسولؐ نے بہت کوشش کی کہ طلاق نہ ہو لیکن بات نہ بنی۔ طلاق کے بعد رسولؐ نے ان سے نکاح کر لیا۔ کیونکہ اب کوئی اس کا کفو نہ تھا۔ لوگوں کا گمان تھا کہ منھ بولا بیٹا حقیقی بیٹے کی مانند ہے اور اس کی زوجہ سے نکاح نہیں کیا جا سکتا۔

رسولؐ نے زید کی مطلقہ سے نکاح کر لیا تاکہ اس غلط عقیدہ کا صفایا ہو جائے۔

اس نے کہا: تم پردے میں اور آزادانہ مردوں کے ساتھ زندگی نہ گذارنے سے ناخوش نہیں ہو؟

میں نے کہا: عورت پر واجب ہے کہ وہ نامحرم سے اپنے بال اور بدن کو چھپائے۔ اگر عورت پردہ کے ساتھ مرد سے گفتگو کرے تو اس میں کیا حرج ہے؟

رسولؐ کے زمانہ میں عورتیں بالوں اور بدن کو چھپاتی تھیں اور مردوں سے بھی گفتگو کرتی تھیں۔ رسولؐ کی وفات کے بعد مرد عورتوں سے ملاقات کرتے اور ان سے ضروری باتیں معلوم کرتے تھے۔

تیسرا مناظرہ:

فاطمہ علیشہ کا تیسرا مناظرہ برطانیہ کی تربیت شدہ مدجنان دانشی عورت سے ہوا تھا۔ مجبوراً اس نے — اس لباس کو — جو ایک شادی میں شرکت کرنے کیلئے بہت مہنگا خریدا تھا اور شادی کا ایک سال کیلئے ر

اچھا جانشین قرار دے۔ رحم کرنے والا خدا ہمارے لئے کافی اور بہترین مددگار ہے۔

آپؑ کی ادبی شجاعت کا ایک دوسرا نمونہ یہ ہے کہ جب اہل بیتِ حرم کو دربارِ یزید میں لایا گیا تو ایک شامی کی نظر سکینہ بنت الحسین پر پڑی۔ وہ اٹھا، یزید کے پاس گیا اور کہا: "یہ کنیز مجھے بخش دیجئے تاکہ میری خدمت کرے۔" سکینہ شامی کی یہ بات سن کر لرز گئیں اور زینب سے لپٹ گئیں اور عرض کی: "پھوپھی جان! انہوں نے مجھے بچپنے میں یتیم کر دیا اور اب خدمت گزاری کے لئے مانگا جا رہا ہے!" زینبؑ کبریٰ نے شامی کو مخاطب کر کے فرمایا:

"تو نے غلط سوال کیا ہے۔ یہ کبھی پورا نہیں ہو سکتا! تیری یہ خواہش دل ہی میں رہے گی۔"

یزید کو غصہ آگیا اور کہنے لگا:

"میں چاہوں تو یہ کام کر سکتا ہوں۔"

حضرت زینبؑ نے فرمایا:

"خدا کی قسم تو ہرگز ایسا نہیں کر سکتا۔ مگر یہ کہ ہمارے دین سے خارج ہو جائے اور دوسرا دین اختیار کر لے۔"

اس سے یزید اور زیادہ برافروختہ ہو گیا اور کہا:

"تم مجھ سے اس انداز میں گفتگو کر رہی ہو، تمہارے والد اور بھائی دین سے خارج ہو گئے۔"

زینب کبریٰؑ نے فرمایا:

"اگر تو مسلمان ہے تو تیرا باپ اور دادا، میرے جد، والد اور میرے

ملتوی ہو گئی تھی ۔ ایک طرف رکھا اور فیشن کے مطابق گراں قیمت پر دوسرا لباس خریدا۔

مشرق کی خواتین کو انھیں چیزوں نے نہیں الجھا رکھا ہے بلکہ یہ اپنے وطن کے لباس کو بھی نہیں پہنتی ہیں اور گراں قیمت پر باہر کا کپڑا خریدتی ہیں۔

ہم مشرق والوں کی مشکلیں یہیں ختم نہیں ہوتی ہیں ۔ کلی طور پر اپنے وطن کے چال چلن کو ایک طرف رکھ دیا ہے اور یورپین لوگوں کے فیشن اور ان کے چال چلن کی تقلید کر لی ہے اور اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ یورپ کے دروازوں سے ہمارے یہاں نئے فیشن آئیں اور ہم انھیں اپنائیں۔

اس مناظرہ میں فاطمہ علیہ ان تمام باتوں پر تنقید کرتی ہے اور یہ ثابت کر دیتی ہے کہ ان چیزوں سے مشرق والے پیچھے رہ جائیں خصوصاً مشرقی عورت ، خصوصاً مسلمان عورت کہ جس کا فریضہ اپنی اصل کو برقرار رکھنا اور اسلام کے قوانین پر عمل کرنا ہے ۔ اس دنیا میں اپنے حقیقی اقدار نہیں پا سکے گی ۔[1]

---

[1] الدر المنثور طبقات ربات الخدور ص ۳۶۸ تا ص ۴۲۶

حبابہ دالبیہ

آٹھ ائمہ کا دیدار کرنے والی

یہ عورت طول عمر کے لحاظ سے اگر گذشتہ لوگوں کی تاریخ میں بے نظیر نہ ہو تو کم نظیر یقیناً ہے۔ اس نے اپنے پہلے امام حضرت علی کو درک کیا اور امام رضاؑ کے زمانہ تک زندہ رہی۔ جب امام زین العابدین کی خدمت میں شرفیاب ہوئی تو اس وقت اس کی عمر ۱۱۳ سال تھی اور ضعف و ناتوانی نے اسے مضمحل کر دیا تھا۔ لیکن آپؑ کی دعا سے ضعیفہ کے اندر طاقت پیدا ہو گئی اور اس کو دوبارہ صحت مل گئی چونکہ امام رضاؑ دوسری صدی ہجری کے آخر میں ولادت پائی ہے۔ اس لئے اطمینان کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ "حبابہ" تقریباً ۱۹۵ھ تک زندہ رہی ہے۔ اس طرح اس کی عمر ۲۱۰ سال سے زیادہ ہوئی ہے۔ اس عورت کا کردار طولِ عمر کے لحاظ سے ملحوظ خاطر نہیں ہے۔ بلکہ اس سلسلۂ داستان کا مقصد ان عورتوں کا تعارف کرانا ہے جو کہ حق جوئی، روشن فکری، ایمان اور ظالموں سے جنگ کرنے کے لحاظ سے نمونہ ہیں۔ خوش قسمتی سے حبابہ میں یہ صفات موجود ہیں اور وہ صنف نسواں کے لئے نمونہ بن سکتی ہیں۔

حضرت علیؑ نے ایک بڑی ذمہ داری ان کے سپرد کی تھی۔ ایک پتھر انہیں دیا کہ جس پر آپ کی انگشتری کا نقش اتر گیا۔ حبابہ کی ذمہ داری یہ تھی کہ اس پتھر کی حفاظت کرے اور بعد والے ائمہ میں سے ہر ایک کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ درخواست کرے کہ اس کو اپنی اپنی انگشتر کے نقش سے مزین کریں۔ یہ حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے اور ان ائمہ کے پہچاننے کا ذریعہ تھا کہ جن کو خدا کی طرف سے خلق کی ہدایت و ارشاد کی اور مسند خلافت رسولؐ پر متمکن ہونے کی ذمہ داری دی گئی۔ اس میں شک نہیں ہے کہ انبیاء کی مانند ائمہ کو بھی اپنی امامت کے اثبات کیلئے ایسے دلائل کی ضرورت ہے کہ جن سے لوگوں کو یقین پیدا ہو جائے اور گمراہی و ضلالت کی وادی میں بھٹکتے نہ پھریں۔ ان دلائل کو گذشتہ اور آئندہ کی خبر دینے، لوگوں کے دلوں کے راز بیان کرنے اور دعا کے قبول میں خلاصہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی کے علاوہ رسولؐ اور پہلے ائمہ کی تصریح بھی ان دلیلوں میں سے ایک ہے جو کہ امام کو پہچاننے کے سلسلے میں لوگوں کی راہنمائی کر سکتے ہیں۔

حبابہ اس پتھر — جو کہ واضح اور ناقابل تردید دلیل ہے — کے ذریعہ اپنے ائمہ کو پہچان سکتی ہے۔ حضرت علیؑ کے بعد اس نے اسی ذریعہ سے سارے ائمہ کو آزمایا۔ آخر کار اس کی طویل و بابرکت عمر کا خاتمہ ہو گیا۔ مرنے کے بعد بھی ایک افتخار حاصل کیا اور وہ یہ کہ اس باعظمت عورت کی عزت افزائی کے لئے امام رضاؑ نے اپنے مخصوص پیراہن کا کفن دیا۔

اس پتھر پر اعجاز امامت کے طور پر امام رضاؑ کی انگشتری کا آخری نقشہ ابھرا۔ خورشید ولایت کے آٹھویں برج کے نقش کو دیکھنے

کے بعد حبابہ نو ماہ مزید زندہ رہی اور پھر دنیا سے انتقال کیا۔

طولانی سجدوں کی وجہ سے حبابہ کی پیشانی پر نشان پڑ گیا تھا جو عظمتِ حق کی بارگاہ میں ان کی عبادتوں کا واضح ثبوت تھا۔ جن لوگوں نے عشق حق سے کچھ فائدہ حاصل کیا ہے اور جن کے سینے میں محبت خدا کا شعلہ بھڑکا ہے، جن کے دل میں سوز و گداز ہے وہ ایسے ہی ہوتے ہیں۔

حبابہ، ایسی ہی تھی، وہ ہمیشہ ان عبادتوں کے ذریعہ روح کی تقویت کرتی تھی اور بدن کی طاقت گھٹاتی تھی۔ عبادت کی وجہ سے ان کے شکم کی کھال سوکھ گئی تھی اور کھال پر سیلے نشان پڑ گئے تھے۔ جو ان کے درونی سوز و گداز کے سچے گواہ تھے۔ ہمارے ائمہؑ کی نظر میں ان کا اتنا احترام بے سبب نہیں تھا۔ آٹھ ائمہؑ نے ان کی قدر کی ہے۔

جس زمانہ میں سادہ لوح اور کوتاہ فکر افراد خائن اور خادم میں فرق نہیں کر پاتے تھے، اس زمانہ میں حبابہ صحیح سوچتی تھی اور جس راہ کو صحیح سمجھ کر اختیار کرتی تھی اس پر ہمت و جرأت کے ساتھ چلتی تھی، لوگوں کی آنکھیں معاویہ پر اور ان کی آنکھیں حسین بن علیؑ پر لگی ہوئی تھیں۔ جن لوگوں کی عقل انکی آنکھوں میں گردش کرتی تھی وہ حکومت اموی کے مقابلہ میں کچھ سوچ بھی نہیں سکتے تھے اور تمام امور کو غیب پر چھوڑ دیتے تھے وہ معاویہ کے آراستہ دربار تک رسائی حاصل کرتے اور حبابہ امام حسینؑ کی خدمت میں شرفیاب ہوتی تھیں۔ حسینؑ بھی ان کا احترام کرتے تھے اور ان سے ملاقات کیلئے جاتے تھے۔ جب وہ آنکھوں سے معذور ہو گئیں اور امام حسینؑ کی خدمت میں شرفیاب ہونے سے "قاصر رہیں تو حسینؑ خود ان سے ملاقات کے لئے گئے اور آپ کی

دعا کی برکت سے آنکھیں صحیح ہوگئیں۔ یہ پہلی اور آخری بار نہیں ہے کہ حبابہ امام کی دعا سے صحت و شفا پاتی ہے اور اموی ہوس رانوں کے مقابلہ کے لئے طاقت حاصل کرتی ہے اور عباسی کے عہد تک مقاومت کرتی ہے۔ چنانچہ ایک بار امام زین العابدین کی دعا سے طاقت و قدرت پائی، تیسری بار امام جعفر صادق کی دعا سے شفا پائی یہاں تک کہ یہ مومنہ اور طاقتور عورت ایک قیمتی ذخیرہ کے عنوان سے یادگار رہی اور اپنی عظیم ذمہ داری کو پورا کیا۔

اب تک ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس کا تعلق ان کی جرأت مندی، روشن فکری، تقوے اور ایمان سے تھا — واضح رہے کہ ان کا مذکورہ پروگرام ان کے علم و معرفت کے حصول میں رکاوٹ نہیں بنتا تھا۔ اس سلسلہ میں ممکنہ حد تک کوشش کرتی اور علم حاصل کرتی تھی۔

امام محمد باقرؑ نے علمی اعتبار سے اتنی شہرت پائی تھی کہ لوگوں نے انھیں "باقرالعلوم" یعنی علم کی تہہ تک پہنچنے والے کا لقب دیا تھا۔ آپ نے مختلف علوم میں نمایاں شاگرد پیدا کئے اور لوگوں کو مشکلات حاصل کرنے کی طرف متوجہ کیا۔ حبابہ کو بھی آپ کی شاگردی کا شرف حاصل تھا، اس نے مکہ میں امام محمد باقرؑ سے ہزار مشکل مسئلے دریافت کئے تھے اور انہیں لوگوں کے سامنے بیان کرتی تھی۔

حبابہ تقوے، ایمان، علم، روشن فکری، ظالم حکومت سے ٹکرانے کا واضح نمونہ ہے۔ اگر ان کی عمر دراز کو بھی امتیاز شمار کیا جائے تو ان کے دوسرے امتیازات میں ایک اور امتیاز کا اضافہ ہوگا۔ طول عمر کو بھی امتیاز قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ اطمینانِ قلب کے بغیر کوئی شخص اتنی لمبی عمر نہیں پا سکتا۔[1] (سفینۃ البحار ج ۱ ص ۲۰۰۔ مادہ حب)

زوجۂ ایوب

ایوب کے پاس مال دنیا میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ ساری چیزوں پر زوال آگیا ہے۔ سارے بچے مر چکے ہیں۔ دست اجل نے انھیں گھر سے گور میں پہنچا دیا ہے، صرف بیمار دمریض بدن ساتھ ہے، ناتوان ورنجور، اگر یہ تن بھی نہ ہوتا تو ان کی عظیم روح اس تاریک قفس سے آزاد ہو جاتی اور اعلیٰ علیین میں پرواز کرتی، کتنا اچھا اور طرب انگیز ہوتا، لیکن افسوس! ابھی اس مومن کو بقید حیات رہنا ہے۔ جلنا اور پگھلنا ہے۔ پک کر خاکستر ہو جانا ہے تاکہ ان کا گوہر وجود صاف وشفاف ہو جائے اور اس طرح پاک ہو جائے کہ جس سے عالم ملکوت کی وسیع فضا میں چکا چاوند ہو جائے اور عالم انسانیت کیلئے اعلیٰ نمونہ اور سرمشق قرار پائیں۔

اس دنیا میں سے ان کے پاس صرف بیمار ورنجیدہ تن ہی نہیں تھا بلکہ ان کا ایک ہمدم بھی تھا، جو حقیقت میں واقعا انیس وغمگسار تھا، نہ وہ ان کی ثروت پر شیفتہ تھا، نہ ان کی جوانی پر فریفتہ تھا وہ اس مکھی کی مانند نہیں تھا جو مٹھائی کے چاروں طرف اڑتی ہے اور اپنی جھوٹی محبت کا اظہار کرتی ہے۔ وہ سب سے زیادہ حضرت ایوب کے معنوی جمال اور انکی شخصیت کا شیفتہ تھا۔

جی ہاں! اس نے پاک جذبات کے ساتھ ایوب کا دکھ درد اور مصیبتوں میں ساتھ دیا، ان کی تیمار داری کی اور ان کی نظر میں دنیا کو امید وصفا سے جلوہ گر کیا۔ شاباش ہو اس گوہر یکتا کو، شاباش ہو اس عشق و محبت اور انسانی اقدار کے سرچشمہ کو، شاباش... شاباش...!

شاباش اس عورت کو جس نے اپنا وجود حضرت ایوب کیلئے وقف کردیا تھا اور بے نظیر اخلاص و حقیقی عقیدت کے ساتھ ان کی مدد کرتی تھیں، صرف وہی حضرت ایوب کی زندگی کی پناہگاہ، ان کی دل گرمی کا سبب اور امید بخش تھیں۔ یہ حضرت ایوب کی باوفا بیوی ہے جو کہ خلوص کے ساتھ ان کی تیمار داری کر رہی ہیں، کسی اجر و پاداش کے بغیر کوشاں ہیں۔

ممکن ہے ہر انسان شیطانی وسوسوں کے خطرات اور ان کے پرفریب جال میں پھنس جائے۔ یہ خطرات تقریباً سب کیلئے قطعی ہیں، بہت سے لوگ اس جال میں اندھوں کی طرح پھنس جاتے ہیں اور اس کے پھندوں میں جکڑ جاتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں کہ جو ان خطرات سے اور ان جالوں سے خود کو ہوشیاری کے ساتھ آزاد کر لیتے ہیں اور بلندیوں کے حصول میں کوشاں رہتے ہیں۔

حضرت ایوب کی زوجہ بھی ایک روز انھیں شیطانی وسوسوں سے متأثر ہو کر آپ کے پاس آئیں اور کہا: مال و اولاد اور صحت تو گنوا دی بہتر ہے کہ خدا سے یہ دعا کریں کہ آپ کو ان تکالیف سے نجات عطا کرے۔

ملاحظہ فرمایا آپنے کہ انھوں نے کسی قسم کی گستاخی نہیں کی، صرف ایک خواہش کا اظہار کیا ہے اور وہ خواہش بھی ناجائز نہیں، عاجزانہ

التماس، تھوڑا سا گلہ کرتی ہیں، زندگی، سختیوں، دکھ اور بلاؤں کا گلہ..!!

لیکن حضرت ایوب خدا کی بارگاہ میں کوئی شکوہ نہیں کرتے۔ ہمیشہ اس کا شکر و حمد کرتے ہیں، خدا کی بارگاہ میں اپنی رضا و خوشنودی کو ثابت کر چکے ہیں، ان کے لئے یہ شاق ہے کہ وہ فداکار اور ایوب جیسے دلیر انسان کی ہمسری کے لائق عورت سے ایسی بات سنیں جبکہ اس نے ہر مشکل میں آپ کا ساتھ دیا ہے۔ چنانچہ ناراض ہو جاتے ہیں اور قسم کھاتے ہیں کہ اگر مجھے صحت ملی تو اس کی گوشمالی کروں گا، اسے سو تازیانے لگاؤں گا گویا کہ زمانہ نے اس فداکار عورت کی زندگی سے لطف و محبت چھین لی ہے، اس نشیب و فراز والی دنیا میں اس کے پاس صرف حضرت ایوب ہیں اور اس کے سوا زندگی میں کچھ نہیں ہے، وہ بھی اس لائق نہیں ہیں کہ ایک عورت کو سعادت مند کر سکیں بلکہ خود فداکاری اور خود گذشتگی کے محتاج ہیں۔

اور یہ فداکاری و خود گذشتگی بھی ایک بڑا اجہاد اور بے نظیر کوشش ہے! وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ایک گلہ ایک التماس اور ایک خواہش پر اپنے شوہر کے غصہ کا نشان نہ بنیں گی اور انھیں سو تازیانوں کی دھمکی دی جائے گی۔

ان کا دل ٹوٹ گیا، رنج و غم میں اضافہ ہو گیا۔ ساری دنیا ان کی نظر میں تاریک ہو گئی، کہاں جائیں؟! انہوں نے تو اپنا دل انسانی عواطف و احساسات کے حوالہ کر دیا تھا اور اپنا وجود بھی حضرت ایوب کیلئے وقف کر دیا تھا۔ حضرت ایوب سے تھوڑے سے فاصلہ پر چلی گئیں لیکن

انھیں چھوڑا نہیں ۔ واقعاً اس ماتم زدہ اور ٹوٹے ہوئے میاں بیوی کی غم انگیز زندگی کا منظر کتنا رقت آمیز ہے ! اس طوفان میں گھری ہوئی کشتی کو کون ساحل نجات تک پہنچائے گا ؟ !

کونسی طاقت ہے کہ جوان کی تاریک وغمگین جھونپڑی میں امید کا دریچہ کھولے گا اور ان کی باقی زندگی کو عیش ونشاط سے سرشار کرے گا ؟ !

ہر شب کی صبح ہوتی ہے، آخر کار حضرت ایوب کے مسلسل امتحانات کا زمانہ ختم ہوا، اور حضرت ایوب نے کمال صبر کے ساتھ بلاء کا وہ جام پی لیا جو کہ مقربان حق کو دیا جاتا ہے ۔ وہ سرفراز وشاد ہیں کہ ان کا وجود امتحان کی بھٹی سے خالص ہو کر نکل آیا ہے، بنا برایں اب وہ وقت آگیا ہے کہ خدا سے یہ دعا کریں کہ رنج والم سے نجات عطا کرے ۔ لہٰذا خضوع کیساتھ کہتے ہیں :

پروردگارا ! مجھے شیطان نے بہت تکلیف واذیت پہنچائی ہے، تھوڑی دیر نہ گذری تھی خدا کی طرف سے حکم ہوا کہ : زمین پر اپنا پیر مارو تاکہ نہانے اور پینے کیلئے ٹھنڈا اور بہترین پانی نکل آئے

حضرت ایوب نے حکم خدا کے مطابق عمل کیا اور ان کی تمام تکلیفیں اور رنج وغم دور ہو گئے ۔ حضرت ایوب کی زوجہ ، جو کہ تھوڑی دور سے یہ منظر دیکھ رہی تھیں ، دوڑ کر ان کے پاس آگئیں اور خوشی کے مارے گلے میں باہیں ڈال دیں ۔

اب وہ وقت آگیا ہے کہ حضرت ایوب قسم کے مطابق اپنی

زوجہ کو سو کوڑے لگائیں اور انھیں سزا دیں۔ لیکن کیا یہ صحیح ہے کہ ایسی پاک سرشت، بلند ہمت عورت کے لطیف و نازک بدن پر کوڑے لگائے جائیں؟ ہرگز!

کیا ایوب جیسا عظیم و شریف انسان لمحہ بھر کے لئے بھی یادِ خدا سے غافل نہیں ہوتا ہے؟ وہ عاشقِ حق ہے کیا یہ ممکن ہے کہ وہ قسم کھائیں اور عورت کی وجہ سے اس پر عمل نہ کریں اور حق سے چشم پوشی کر لیں؟! ہرگز! کیا، کیا جائے؟!

ان دو متضاد مشکلوں کو کیسے جمع کریں؟ قرآن کہتا ہے:

وخذ بیدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث

(ص/ ۴۱ سے ۴۴ تک)

اے ایوب! اپنے ہاتھ میں سینکوں کا مٹھا لے کر آہستہ سے اسے مار دو اور قسم کے خلاف عمل نہ کرو۔

بھائی کے دین کے تابع ہیں۔"

یزید نے کہا:

"اے دشمنِ خدا تم جھوٹ کہتی ہو۔"

حضرتِ زینبؑ نے فرمایا:

"تو امیر ہے کہ ظالموں کی مانند سلوک کر رہا ہے اور ایسی رکیک باتیں زبان پر جاری کر رہا ہے۔"؟

گویا یزید کو حیا آگئی اور وہ خاموش ہو گیا۔

شامی نے دوبارہ کہا کہ: "یہ کنیز مجھے بخش دیجیے"!

یزید نے کہا:

"خدا تجھے غارت کرے، تجھے معلوم ہے کہ کس کا مطالبہ کر رہا ہے؟!

شامی نے کہا: "مجھے نہیں معلوم"

یزید نے کہا: "یہ سکینہ بنت الحسین ہیں۔"

شامی نے کہا: حسین فرزند فاطمہ؟!

یزید نے کہا: "ہاں"

شامی نے کہا۔ "خدا تجھے ذلیل کرے تو تو کہتا ہے یہ خارجی ہیں! یزید کے حکم سے اسے قتل کر دیا گیا۔"

شامی نے یہ کہہ کر کہ "خدا یزید کو ذلیل کرے" یہ سمجھا دیا کہ یہ اسیر رسولؐ خدا کے اہل بیت ہیں، خارجی نہیں ہیں۔

جب جنابِ زینبؑ سن بلوغ کو پہونچیں، قبائل کے سرداروں اور سربرآوردہ عرب کے پیغام آئے۔ حضرت علی علیہ السلام نے سب کے پیغام

گوہر شاد

آستانۂ قدس رضوی کی خادمہ

یہ بڑی کار خیر انجام دینے والی عورت ہے ، اس کے کار خیر میں سے کچھ یادگار باقی ہیں ۔ اس کی اہم اور تاریخی یادگاروں میں سے ایک "مسجد گوہر شاد" ہے جوکہ روضۂ امام رضاؑ کے جنوب میں واقع ہے ۔ مسجد کا وسیع صحن ہے ۔ مسجد کے گنبد پر کاشی کاری ہوئی ہے ، مسجد کے سامنے ایک بڑا ایوان ہے ۔ دونوں طرف دو بڑے مینار ہیں ، ان میناروں پر بھی کاشی کاری ہوئی ہے ۔ مسجد کی فضائ طول میں ۵۳ ہاتھ اور عرض میں ۴۸ ہاتھ ہے ۔ چاروں طرف چار ایوان ہیں ، ایوان کی چوڑائی ساڑھے بارہ ہاتھ ، بلندی اور ساڑھے بارہ ہاتھ ہے ۔ طول ۳۴ ہاتھ ہے اور قبہ کی اونچائی ۴۱ ہاتھ ہے اور ایوانوں کے ستونوں کا قطر ۵ ہاتھ ہے ۔ اس مسجد کے بہت سے اوقاف ہیں جن کی دیکھ بھال آستانۂ قدس رضوی کا متولی کرتا ہے ۔

گوہر شاد نے مذکورہ مسجد کے علاوہ حرم امام رضاؑ اور اس کے اطراف میں دیگر عمارتیں بھی بنوائی تھیں جوکہ دارالسیادہ ، دارالتوحید اور دارالضیافہ سے عبارت ہیں ۔

گوہر شاد کو سلطان ابو سعید محمد بن میرانشاہ بن تیمور لنگ کے حکم سے ہرات میں قتل کیا گیا ۔

لبنیٰ

لبنیٰ بنت حباب کعبی پاک و صاف دوشیزہ تھی ۔ قیس بن ذریح اس سے شادی کرنا چاہتا تھا ۔ لیکن قیس کے والد اس کی شادی اپنی کسی بھتیجی سے کرنا چاہتا تھا ۔ قیس نے اپنی والدہ کا سہارا لیا ۔ لیکن ماں کے بس میں بھی کچھ نہ تھا ۔ قیس نے امام حسینؑ سے مدد چاہی ۔ آپؑ خواستگاری کیلئے حباب ۔ لبنیٰ کے باپ ۔ کے پاس گئے ۔ حباب نے احترام کیا اور عرض کیا : آپ نے کیوں زحمت فرمائی ہے ، مجھے طلب فرما لیتے میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا ۔ امام حسینؑ نے فرمایا : میں قیس کیلئے تمہاری لڑکی کے پیغام لیکر آیا ہوں ۔

عرض کی : آپ کا حکم بسر و چشم لیکن میں چاہتا ہوں کہ لڑکے کا باپ خواستگاری کے لئے آئے ۔ کیونکہ مجھے خوف ہے کہ کہیں شرمندگی کا سبب نہ ہو ۔

سید الشہداء بذات خود ذریح کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے فرمایا : خواستگاری کے لئے جاؤ ۔ ذریح اور ان کے عزیزوں نے آپ کا احترام کیا اور لبنیٰ کی خواستگاری کے لئے گیا ۔

آخر کار لڑکے ، لڑکی کے دونوں خاندانوں میں توافق ہو گیا اور لبنیٰ کا قیس سے عقد ہو گیا ۔ رسوم کی انجام دہی کے بعد دلہن کو دولہا

کے گھر پہنچا دیا۔

قیس ولبنیٰ کی زندگی اچھی طرح گذر رہی تھی۔ قیس اپنی والدہ کو بہت چاہتا تھا اور ماں کا وفادار تھا۔ وہ پہلے کی مانند اب ماں کی پروا نہیں کرتا تھا اس سے ماں کو تشویش لاحق ہوئی۔ لیکن کوئی حرف بھی زبان پر نہ لائی کہ قیس شدید طور پر بیمار ہوگیا، نہ بچنے کی بھی امید نہ رہی۔ کچھ دنوں کے بعد صحت یاب ہوگیا۔

قیس کی والدہ نے اپنے شوہر سے کہا: اس دلہن سے میرے بیٹے کے یہاں کوئی بچہ نہیں ہوا ہے۔ ڈرتی ہوں کہ کہیں وہ مرجائے اور اس کی کوئی اولاد یادگار نہ رہے۔ آپ مال دار ہیں، اس کی دوسری شادی کر دیجئے شائد خدا اسے اولاد عطا کرے۔

قیس کی ماں نے اتنا اصرار کیا کہ ذریح نے قیس سے کہا: تمہارے یہاں کوئی بچہ نہیں ہے۔ تم میرے اکلوتے بیٹے ہو، یہ عورت بانجھ ہے۔ اپنے چچاؤں کی لڑکیوں میں سے کسی سے شادی کر لو۔ شاید خدا تمہیں اولاد عطا کرے اور اس سے ہماری آنکھیں روشن ہو جائیں۔

قیس نے کہا: یہ مجھ سے ہرگز نہیں ہوگا۔

ذریح نے کہا: کنیز لے لو۔

قیس نے کہا: میں لبنیٰ کو تکلیف نہیں دینا چاہتا۔

ذریح نے کہا: میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ اسے طلاق دیدو۔

قیس نے یہ بات قبول نہیں کی اور کہا: خدا کی قسم میرے لئے موت اس سے آسان ہے۔ لیکن میں تین چیزیں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، ان میں سے

ایک کو قبول کر لیجئے:

۱- آپ خود دوسرا نکاح کر لیجئے تاکہ خدا میرے علاوہ آپ کو بیٹا عطا کرے۔

۲- اجازت دیجئے کہ میں اور بیوی آپ کے پاس سے کہیں چلے جائیں یا اس بیماری میں مر جاؤں یا زندہ رہوں۔

۳- یا یہ کہ لبنی کو آپ کے پاس چھوڑ کر میں نکل جاؤں کہ دوبارہ آپ مجھے نہ دیکھیں اور لبنی میری زندگی سے مایوس ہو جائے۔

ذریح نے ان میں سے کسی کو بھی قبول نہ کیا اور قسم کھائی کہ جب تک قیس لبنی کو طلاق نہیں دے گا وہ چھت کے نیچے نہیں آئے گا۔

ذریح آفتاب کی تمازت اور سردی میں گھر میں داخل نہیں ہوتا تھا۔ سردی و گرمی کی تکلیف اٹھاتا تھا۔ اور قیس مستقل طور پر اس کی تیمار داری کرتا تھا اور سردی و گرمی میں اس کی حفاظت کرتا تھا تاکہ اسے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ اس مدت میں قیس و لبنی روتے ہی رہتے تھے اور انھیں یہ خوف لاحق رہتا تھا کہ کہیں ماں باپ کے شدید دباؤ کی وجہ سے ایک دوسرے سے جدا نہ ہو جائیں۔

قیس کو اس کے ماں، باپ نے بہت پریشان کیا اور اس پر اتنا زور دیا کہ وہ بادلِ نخواستہ اپنی بیوی سے جدا ہو گیا۔

لبنی کی طلاق کے بعد قیس حواس باختہ ہو گیا، اس کیلئے رات دن ایک ہو گئے، عدۂ طلاق کے بعد لبنی میکہ میں چلی گئی۔ جس دن وہ میکہ میں جارہی تھی اسی دن قیس کے ہوش اڑ گئے۔

حقیقت یہ تھی کہ اس جبری طلاق نے اگرچہ زن و شوہر کو جسمانی طور

پر ایک دوسرے سے جدا کر دیا لیکن ان کے دلوں کو ایک دوسرے سے جدا نہ کر سکی۔

قیس کی ماں بہت کوشش کرتی تھی کہ قیس کے دل کی گہرائیوں سے لبنیٰ کی یاد کو محو کر دے اور اس نالہ و فغاں کو ختم کر دے۔ لہٰذا اس نے قیس کے پاس چھوٹی چھوٹی لڑکیاں جمع کر دیں تاکہ وہ اس سے مذاق کریں اور لبنیٰ کی غیبت کریں لیکن اس کا بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔

خاندان والوں نے ذریح سے کہا کہ قیس کیلئے کسی حسین لڑکی کی خواستگاری کیجئے۔ ہو سکتا ہے کہ لبنیٰ کو بھلا دے۔ مگر ذریح نے بتایا کہ قیس دوسری شادی کیلئے تیار نہیں ہے۔ قیس کے خاندان والوں نے لبنیٰ نام کی ایک دوسری لڑکی سے اس کا عقد کر دیا۔ دوسری طرف لبنیٰ کے والدین نے بھی ایک مرد سے اس کا عقد کر دیا۔ لیکن یہ دو رشتے ناکام تھے۔ نہ قیس کی نئی دلہن اس کا دل جیت سکی اور نہ لبنیٰ کا شوہر اسے پسند آیا۔ بلکہ لبنیٰ نے تو اس زبردستی کے شوہر سے صاف صاف کہدیا کہ وہ شوہر دار ہے اور اسکی طلاق زبردستی کی تھی۔ جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اس المیہ کے اختتام کے سلسلہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں: قیس کو بتایا گیا کہ لبنیٰ مر گئی تو وہ اس کی قبر کی زیارت کیلئے گیا اور تین دن بیمار رہ کر مر گیا۔

بعض کہتے ہیں: لبنیٰ کی پہلی شادی میں کوشش کرنے والا ابن ابی عتیق امام حسنؑ و امام حسینؑ، عبید اللہ بن جعفر اور قریش کے بعض افراد کے پاس گیا اور کہا: میری ایک حاجت ہے۔ ڈرتا ہوں کہ پوری

نہ ہو۔ میں آپ سے عزت و مال کی مدد چاہتا ہوں۔ انہوں نے قبول کر لیا اور سب لبنیٰ کے شوہر کے پاس گئے۔ لبنیٰ کے دوسرے شوہر نے انکی تعظیم کی۔ انہوں نے کہا: ابن ابی عتیق کی کوئی حاجت ہے اسی کیلئے ہم تمہارے پاس آئے ہیں۔ اس نے کہا: تمہاری حاجت جو بھی ہو پوری کی جائے گی۔ ابن ابی عتیق نے کہا: ہم تمہارے پاس یہ حاجت لیکر آئے ہیں کہ لبنیٰ کو طلاق دیدو۔ اس نے کہا: آپ حضرات گواہ رہیں کہ میں نے اسے تین طلاق دیئے۔

حسنینؑ اور دوسرے ہمراہیوں نے معذرت کی کہ اس نے ہمیں اپنی حاجت نہیں بتائی تھی۔ اگر بتا دیتا تو اس کیلئے ہم تمہارے پاس نہ آتے۔ امام حسنؑ نے اسے ایک لاکھ درہم بطور انعام دیئے اور اس عدہ کے بعد لبنیٰ کا قیس سے نکاح کر دیا گیا۔ اس طرح باقی عمر انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ بسر کی۔[1]

---

[1] اعلام النساء ج ۴ ص۲۷۶ اور اس کے بعد

اریب

نیرنگ معاویہ سے نجات پانیوالی

اریب ، اسحاق کی بیٹی ، عبداللہ بن سلام کی بیوی اور باکمال و حسین عورت تھی۔ اپنے شوہر کے ساتھ آرام وچین سے زندگی بسر کر رہی تھی۔ لیکن بدقسمتی سے یزید بن معاویہ کو اس سے عشق ہوگیا ، یزید ایک عیاش و بدمعاش جوان تھا۔ یزید پر ہوس کا بھوت سوار ہو چکا تھا ، اس نے معاویہ کو ماجرا سنایا۔ جہاں تک ہو سکا معاویہ نے اسے نصیحت کی مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔

معاویہ نے طے کیا کہ جیسے بھی ممکن ہوگا یزید کو خوش کرنے کے اسباب فراہم کرے گا۔ عبداللہ بن سلام کو دمشق طلب کیا اور ہر روز اس کی عزت و تعظیم بڑھتا چلا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد اس نے ابوہریرہ اور ابو درداکو دربار میں بلایا ، یہ دونوں معاویہ ہی کے مشیر اور صحابہ میں سے تھے۔ ان سے کہا : حکومت کی موجودہ صورت حال کے پیش نظر ہر آدمی کو لڑکی دیتے ہوئے خوف محسوس ہوتا ہے۔ مجھے صرف عبداللہ بن سلام پر اعتماد ہے۔ اس کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ وہ میری بیٹی کی خواستگاری کرے

میں سمجھتا ہوں کہ میری بیٹی بھی مخالفت نہیں کرے گی۔

اس کے بعد اپنی بیٹی کے پاس گیا اور اس سے کہا: جس وقت ابوہریرہ اور ابودردا، عبداللہ بن سلام کی طرف سے تمہاری خواستگاری کے لئے آئیں گے تو کہنا: وہ بڑا اشریف آدمی ہے لیکن میں ڈرتی ہوں کہ کہیں اس کی بیوی اریب کو برداشت نہ کرسکوں اور مجھ سے ایسا کام ہوجائے کہ جس سے خدا ناراض ہو اور میں عذاب میں مبتلا ہوجاؤں۔ اگر مجھے چاہتا ہے تو اریب کو پہلے طلاق دیدے۔

معاویہ کے ایلچی، عبداللہ بن سلام کے پاس آئے، اسے صورت حال بتائی اس کے حواس ٹھکانے نہ رہے، خوشی سے اچھلنے لگا اور انھیں خواستگاری کیلئے معاویہ کے پاس بھیجدیا۔ ابوہریرہ اور ابودرداء دوبارہ معاویہ کے پاس لوٹ آئے۔ معاویہ خوش ہوگیا اور انھیں بیٹی کے پاس بھیجدیا۔ بیٹی نے باپ کے حکم کے مطابق ان سے گفتگو کی اور انھیں عبداللہ بن سلام کے پاس بھیجا۔

ابوہریرہ اور ابودردا، عبداللہ بن سلام کے پاس آئے اور اسے معاویہ کی بیٹی کے جواب سے آگاہ کیا۔ عبداللہ نے دونوں کے سامنے اپنی بیوی کی طلاق دیدی اور اریب کی طلاق پر انھیں گواہ بنایا۔

ابوہریرہ اور ابودردا، معاویہ کے پاس آئے اور بتایا کہ اس نے اریب کو طلاق دیدی۔ معاویہ نے اظہار افسوس کیا اور کہا: اریب کو طلاق دینا ضروری نہیں تھا۔ میں اپنی بیٹی کو راضی کرلیتا لیکن اب تو

ہوگئی۔ بیٹی کے پاس جاؤ، اسے طلاق کی خبر دیدو۔ لڑکی کے پاس گئے اور اسے اریب کی طلاق کی اطلاع دی۔ لڑکی نے کہا: آپ جائیں میں اس سلسلہ میں مشورہ کروں گی، جو بہتر ہوگا اسی کو اختیار کروں گی۔

کچھ دنوں کے بعد وہ دونوں لڑکی کے پاس گئے اور کہا: بتاؤ کیا جواب ہے۔ اس نے کہا: میں نے بہت سے لوگوں سے مشورہ کیا۔ بعض نے موافقت کی اور بعض نے مخالفت۔ لیکن ایسا رشتہ میری نظر میں صحیح نہیں ہے۔

عبداللہ بن سلام کا قصہ افواہ بن کر پھیل گیا، وہ بھی سمجھ گیا کہ معاویہ کی نیرنگ بازی کام کر گئی اور خانگی زندگی تباہ ہوگئی۔ اس پر وہ بہت پشیمان ہوا لیکن اب کچھ ہاتھ آنے والا نہیں ہے۔ معاویہ اپنی سازش میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اس نے ابو درداء کو اریب کی خواستگاری کیلئے کوفہ بھیجدیا ابو درداء اریب کے پاس جانے سے پہلے امام حسینؑ کی خدمت میں شرفیاب ہوا اور آپؑ سے قصہ سنایا۔ امام حسینؑ نے فرمایا: تم اریب کی خواستگاری کے لئے جا رہے ہو تو میرا بھی پیغام دیدینا۔ جتنا مہر معاویہ دے گا اتنا ہی میں دوں گا۔ اریب کو اختیار ہے وہ جس کو چاہے پسند کرے۔ ابو درداء کوفہ آیا۔ اریب کے گھر گیا اور اس سے بتایا کہ تمہارے شوہر نے تمہیں طلاق دیدی ہے۔ لیکن کوئی تشویش کی بات نہیں ہے۔ امام حسینؑ نے بھی مجھے تمہاری خواستگاری کے لئے بھیجا ہے اور معاویہ کے ولیعہد نے بھی۔ جسے چاہو پسند کرو۔

اریب تھوڑی دیر تو خاموش رہی، پھر اس کے بعد کہا: اس سلسلہ میں آپ ہی سے مشورہ چاہتی ہوں۔ ابو درداء نے کہا: چونکہ تم میری

بھتیجی ہو، اس لئے تم سے حق ہی بیان کروں گا۔ میری نظر میں فرزند رسول بہتر ہیں۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ پیغمبر ان کے لبوں کو چوم رہے تھے اور انھیں آغوش میں لیتے تھے۔

آخر کار اریب امام حسینؑ کی زوجیت میں آگئی اور مناسب مہر وصول پائے۔ جب معاویہ کو یہ قصہ معلوم ہوا تو ابو درداء پر بہت ناراض ہوا۔ لیکن خاموش رہنے میں مصلحت سمجھی، عبد اللہ بن سلام کسمپرسی کے عالم میں تھا۔ معاویہ نے اس پر بعض تہمتیں لگا کر نکال دیا تھا اور اس کا وظیفہ وغیرہ بند کر دیا۔

عبد اللہ نے شام جانے سے قبل اریب کے پاس کوئی چیز امانت کے طور پر رکھی تھی لیکن اپنے اس عجلت کے کام سے اس قدر پشیمان تھا کہ خود جا کر اریب سے اپنی امانت بھی نہیں مانگ سکتا تھا۔ لہٰذا امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اریب سے اپنی امانت کا مطالبہ کیا۔

امام حسینؑ نے عبد اللہ کی مدد کی اور اریب کو طلاق دیدی اور اس طرح زن و شوہر ایک بار پھر نکاح کے ذریعہ خانگی زندگی گذارنے لگے اور آخری عمر تک ایک دوسرے کے ساتھ رہے۔

---

[1] اعلام النساء ج ۱ ص ۳۴ اور اس کے بعد

رد کر دیئے۔ حضرت زینبؑ کے خواستگاروں میں سے کندہ کا رئیس اشعث بن قیس بھی تھا۔

حضرت علیؑ نے زینبؑ کا نکاح اپنے بھتیجے عبداللہ بن جعفر سے کیا۔ آپ سے چار بیٹے، عون، اکبر، محمد و عباس اور ایک بیٹی ام کلثوم پیدا ہوئیں عون و محمد کربلا میں شہید ہوئے۔ اسیری سے رہائی کے بعد یزید نے آپ کو نعمان بن بشیر کے ساتھ مدینہ بھیجا دیا۔

جائے افسوس ہے کہ مورخین تاریخی وقائع کے سلسلہ میں اپنی پوری تحقیق کے باوجود صحیح طور پر آپ کے مرقد کا پتا نہیں لگا سکے۔ بعض نے مدینہ میں، بعض نے شام اور بعض نے مصر میں مرقد بتایا ہے۔ اس عہد میں شام میں ضریح ہے جو دنیا بھر کے مسلمانوں کی زیارت گاہ ہے۔

بنی امیہ کی کوشش یہ تھی کہ اسلام کو نیست و نابود کر دیں۔ لیکن شام و کوفہ میں حضرت زینب نے اپنے خطبوں سے انھیں رسوا کر کے دین اسلام کو خطرہ سے بچا لیا۔ ابن زیاد و یزید کے سامنے زینبؑ کے ولولہ انگیز خطبے ان کے لئے سرزنش اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہیں۔

خنساء

شاعرہ اور فداکار عورت

وہ اپنے قبیلے ــــ بنی سلیم ــــ کے ساتھ رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور مسلمان ہوگئی۔ رسولؐ اس کے شعر کو پسند کرتے تھے۔ عدی بن حاتم رسولؐ کی خدمت میں شرفیاب ہوئے اور عرض کی: ہم میں سب سے بڑا شاعر، سب سے بڑا سخی میرے والد حاتم اور سب سے بڑا دلیر عمرو بن معدیکرب ہے۔

رسولؐ نے فرمایا: خنساء سب سے بڑی شاعرہ ہے، سب سے بڑے سخی محمدؐ ہیں اور سب سے بڑے دلیر علی بن ابی طالبؑ ہیں۔

جریر، شاعر سے لوگوں نے کہا: بڑا شاعر کون ہے؟

کہا: اگر خنساء نہ ہوتی تو میں خود ہوں۔

یہ قادسیہ کی جنگ میں شریک تھی اور اس کے چاروں بیٹے بھی اس کے ساتھ تھے۔ ایک رات ان سے کہا: بیٹو! تم رغبت کے ساتھ مسلمان ہوئے اور راضی برضا ہجرت کی ہے۔ خدائے یکتا کی قسم تم اس عورت کے بیٹے ہو کہ جس نے تمہارے باپ سے ہرگز خیانت نہیں کی ہے اور تمہارے ماموں کو رسوا نہیں کیا ہے اور تمہیں سبک نہیں کیا ہے اور تمہارے نسب کو نہیں بدلا ہے۔ تم جانتے ہو کہ خدا نے ان کافروں سے جنگ میں مسلمانوں

کے لئے عظیم ثواب رکھا ہے۔

جان لو کہ عالم بقاء دنیائے فانی سے بہتر ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

یا ایھا الذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون (آل عمران/٢٠٠)

ایمان لانے والو! صبر کرو، سختیوں کے وقت ثابت قدم رہو، تقویٰ اختیار کرو تاکہ فلاح پا جاؤ۔

کل آگاہی و بصیرت کے ساتھ دشمنوں سے جنگ کیلئے جانا اور خدا سے اس کے دشمنوں پر کامیابی کی دعا مانگنا تاکہ ابدی دنیا میں سرفراز ہو جاؤ۔

دوسرے دن صبح ہوتے ہی اس کے بیٹوں نے عزم محکم کیا اور کافروں سے جنگ کیلئے گئے۔ خنساء کا بڑا بیٹا رجز خوانی کرتے ہوئے، ماں کی نصیحتوں کو مدنظر رکھے ہوئے اور ساسانیوں کو سرزنش کرتے ہوئے میدانِ جنگ میں آیا اور دلیرانہ جنگ کے دوران مارا گیا۔

اس کا دوسرا بیٹا میدان جنگ میں آیا اور ابدی عزت و سعادت سے عشق کے ساتھ جنگ شروع کی اور اپنے خون میں نہایا۔

تیسرے بیٹے کی باری آئی، اس نے بھی رجز خوانی کرتے ہوئے ماں کی اطاعت کو سرفرازی کا سبب قرار دیا اور ساسانیوں کی کافر فوج سے جنگ کی اور موت کو گلے لگا کر دوسری دنیا کی طرف روانہ ہوا۔

ماں کی اطاعت میں چوتھا بیٹا بھی اپنے بہادر بھائیوں سے جا ملا۔ جب ماں کو ان کے قتل ہونے کی خبر ملی تو کہا:

شکرِ خدا کہ اس نے ان کے قتل کے ذریعہ مجھے سرفراز کیا امید ہے
کہ جنت میں خدا مجھے ان کے ساتھ جمع کرے گا۔

اس واقعہ کے بعد بیت المال سے اس کے بیٹوں کا حصہ بھی اسے
ہی دیدیا جاتا تھا اور جب تک وہ زندہ رہی یہ حصہ برقرار رہا۔ سنہ ۲۴ھ
میں اس نے وفات پائی۔ [1]

---

[1] اعلام النساء ج ا ص ۳٦٠ اور اس کے بعد

ملک حفنی ناصف مصری

وہ ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئی۔ ابتدائی، فوقانی اور عالی تعلیم حاصل کر کے اپنی لڑکیوں کی تعلیم و تربیت میں مشغول ہوئی۔ ۱۹۰۷ء میں اپنی ساری فعالیت سے دست کش ہو کر امور خانہ داری کی ذمہ داری سنبھالی اور اپنے اضافی اوقات کو مطالعہ اور تربیتی اسالیب کی تحقیق میں گذرتی تھی۔

اس کا عقیدہ تھا کہ عورت کو صرف وہ کام انجام دینے چاہئیں جو اسلامی شرع کے منافی نہ ہوں اور اس کا سنگار بھی اس کے خانگی حالات اور اس کی ذمہ داریوں سے مغائرت نہ رکھتا ہو۔ اس سلسلہ میں اس نے عورتوں کے مجمع میں بہت سی مفید تقریریں کی ہیں۔ وہ افراط و تفریط سے بچتی، اور معتدل طریقہ اختیار کرتی تھی۔ نہ مغربی چال چلن سے متاثرہ عورتوں کی شدت پسندی کو مستحسن سمجھتی تھی اور نہ پیچھے رہ جانے والوں کی کوتاہ فکری کو پسند کرتی تھی۔

انگریزی اور فرنچ پر اسے تسلّط حاصل تھا۔ پہلی جنگ عظیم میں اس نے لڑکیوں اور نرسوں کے لئے اپنے گھر کو مدرسہ بنا دیا تھا تاکہ انھیں اس اہم فریضہ کیلئے تیار کیا جائے۔ سیاست میں فعال تھی، ضرورت مند لوگوں کی مدد کرتی تھی اور انھیں زندگی کی صحیح رسم و راہ سکھاتی تھی۔ بہت سے

علمی و ادبی آثار چھوڑے ہیں ۔ اس کا آخری اثر حضرت خدیجہ سے متعلق کچھ اشعار تھے ۔ صرف آٹھ اشعار کہہ پائی تھی کہ موت آگئی ۔

اس کے اثر سلیس و رواں اور اشعار گویا ہیں، اس نے اپنے تمام آثار میں مسلمان عورت کی ترقی و عظمت کے حصول پر زور دیا ہے ۔

عورت کی حیا کے بارے میں کہتی ہے :

"لڑکیاں باغ ہیں اور ان کی حیا اس پانی کے مثل ہے جس سے باغ سلامت رہتا ہے ۔

اس کا ایمان بہترین زیور ہے اگر وہ ضائع ہو گیا تو اس کی قدر و قیمت خاک میں مل جائے گی ۔ عورت کے حسن و علم کی اگر ڈگر بدل جائے تو اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے ۔"

لڑکی کا حسن خود اسی کے لئے وقف ہے لوگ اس کے دین و وفا سے مستفید ہوتے ہیں ۔ اس نے مصری اور مغربی عورتوں کے سلسلہ میں ایک کتاب لکھی ہے ۔ اس کتاب کی ابتداء میں کہتی ہے ۔ اس زمانہ میں ہماری حالت وہی ہے جو جاہلیت کے زمانہ میں عربوں کی تھی کہ جب کسی سے یہ بتایا جاتا تھا کہ اس کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے تو وہ سوچنے لگتا تھا کہ کیا کرے ؟! اسے زندہ زمین میں دفنا دے یا ذلت کے ساتھ اس کے وجود کو برداشت کرتا رہے ۔ آج خاندان کے درمیان لڑکی اپنے بھائی کے سامنے خود کو حقیر محسوس کرتی ہے اور اپنے اندر ترقی و سرفرازی کی صلاحیت کا سراغ نہیں پاتی ۔ ہمیں اسلامی دستورات سے غافل نہیں رہنا چاہئے ۔ ہمیں لڑکیوں کی تعلیم اور ان کے رشد و کمال کیلئے

وسائل فراہم کرنے چاہئیں۔ ماں باپ کو چاہیئے کہ وہ لڑکے، لڑکی کو ایک نظر سے دیکھیں ان کے درمیان فرق قائم نہ کریں۔ ہمارے دین میں کوئی کجی نہیں ہے اور ہمیں اس کے احکام پر عمل کرنا چاہیئے، بچہ کو ماں کا دودھ ملنا چاہیئے اور اس کو صاف ستھرا رکھنے میں کوشش کرنی چاہیئے۔ بچوں کو مارنا نہیں چاہیئے۔ ان کو برا بھلا کہنے اور ان کی توہین کرنے سے ان کی شخصیت پاش پاش ہو جاتی ہے۔ بچوں پر ظلم کرنے اور ان کی عزت و عظمت گھٹانے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

مدرسہ کا ماحول بچوں کیلئے "تھکانے اور متنفر کرنے والا نہ ہو۔ معلم و ماسٹروں کو اتنا مہربان ہونا چاہیئے کہ بچے ان سے مانوس ہو جائیں اور مدرسہ کو اپنا دوسرا گھر سمجھیں۔ خود میں تین سال تک مدرسہ جاتی رہی اور یہ نہ سمجھ سکی کہ اس کا کیا فائدہ ہے؟

تربیت کیلئے ہمارے پاس دو راستے ہیں: غیظ و تسلیم، پہلے طریقہ میں مارنا اور اہانت ہے۔ دوسرے طریقہ میں بچے کو یہ سکھائیں کہ وہ ہائے واویلا نہ کرے۔ اس کے سامنے ہتھیار نہ ڈالیں اور نہ اس کی ہر ضد و خواہش کو پورا کریں۔ دونوں طریقے منطق سے خالی ہیں۔ اگر بچہ ناجائز خواہش کرتا ہے تو اسے پورا نہ کیا جائے۔ چیخنے چلانے سے ضد پوری نہ کی جائے اور اگر جائز و مفید ہے تو ایسا کام نہیں کرنا چاہیئے کہ جس سے وہ رونے لگے۔

بچپنے کے زمانے کے بعد جوانی اور بلوغ کا زمانہ آتا ہے۔ اس زمانہ میں لڑکیاں خانہ نشین ہو جاتی ہیں اور لڑکے حسب سابق مدرسہ جاتے رہتے ہیں

بہت سے خاندان ہیں کہ اس زمانہ میں لڑکیوں کی تعلیم چھڑا دیتے ہیں، راہ کمال سے ہٹا دیتے ہیں اور انھیں رقص و پیانو سکھاتے ہیں، اس مرحلہ میں لڑکیاں صرف رومانی ناول اور عشق و معاشقہ سے متعلق افسانے پڑھتی ہیں، انھیں چیزوں کو دلچسپی سے سنتی ہیں۔ اس طرح ان کا اخلاق خراب ہو جاتا ہے۔ اس کے ذمہ دار باپ ہوتے ہیں کیونکہ وہ لڑکیوں کے مطالعہ کے لئے مفید کتابیں فراہم نہیں کرتے ہیں۔

افسوس ہے کہ نوجوان لڑکیاں علم و ادب سے بے خبر ہیں لیکن رومیو و ژولیت کے معاشقے کی سرگذشت ازبر ہیں، ایسی ہی فضول چیزوں کو ذہن میں جمع کر لیا ہے اور اپنے وجود کو شیطان کی چراگاہ بنا لیا ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ جوان لڑکیوں کو جنس مخالف ــــ لڑکوں ــــ سے الگ رکھا جائے۔ ماؤں کو چاہئے کہ اس عمر میں وہ ان پر نگاہ رکھیں تاکہ دام خطر میں پھنسنے سے محفوظ رہیں۔ ہاں جب وہ اپنے اچھے برے کو سمجھنے لگیں اور والدین پر ثابت ہو جائے کہ اب ان کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے تو انھیں اپنی پابندیوں کو گھٹا دینا چاہیئے۔

بعض افراد کا خیال ہے کہ اگر لڑکیوں کو تعلیم نہ دی جائے، انھیں جاہل رکھا جائے تو ان کے حق میں یہی بہتر ہے۔ لیکن یہ خیال خام ہے۔ لڑکی کو علم و عفت اور کمال کا سبق دینا چاہیئے اور اس کی قیمتی صلاحیتوں کو بروئے کار لانا چاہیئے اور اسے تباہی سے بچانا چاہیئے۔

عورت کے لباس کو تکلفات سے الگ، اس کی زنانہ وضع کے موافق اور سادہ ہونا چاہیئے۔ ہمیں اپنے لباس میں مغرب والوں کی تقلید

نہیں کرنی چاہئے۔ عورتیں چست و تنگ لباس پہن کر خود کو بھی زحمت میں مبتلا کرتی ہیں اور ماحول کو بھی خراب کرتی ہیں۔

لڑکی کی زندگی کا چوتھا مرحلہ اس کی شادی ہے۔ لڑکی کو اس مرحلہ کے لئے تیار کرنا چاہئے، بہت سے ہیں، اس مرحلہ پر صرف دلہن کے زیور اور سنگار کی فکر میں غرق ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس کی ذمہ داری کے بارے میں ہرگز غور نہیں کرتے ہیں۔

اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ دولہا، دلہن ایک دوسرے کے نام سے جانتے ہیں اور ایک دوسرے کے اخلاق و عقیدہ اور فکر سے بے خبر رہتے ہیں۔ ایسے میاں بیوی نہیں معلوم کہ ازدواجی زندگی میں تفاہم حاصل کر پاتے ہیں یا نہیں۔ اس سلسلہ میں ہم تفریط کا اور مغربی افراط کا شکار ہو گئے ہیں

ملک حفنی ناصف مصری نے ۱۹۱۸ء میں انتقال کیا۔ مصر کے بہت سے شعراء نے اس کا مرثیہ کہا اور اس کی خدمات کو سراہا۔[1]

[1] اعلام النساء ج ۵ ص ۷۴ کے بعد

ام درداء

عالمہ و پارسا عورت

جب اس کے شوہر ابو درداء کا انتقال ہو گیا تو معاویہ نے اس کی خواستگاری کی۔ لیکن اس نے معاویہ کا پیغام ٹھکرا دیا اور کہا: اس دنیا میں کسی سے شادی نہیں کرونگی، امید ہے جنت میں میرے شوہر سے ملاقات ہو گی۔

چھ ماہ تک اس نے بیت المقدس میں اور چھ ماہ دمشق میں زندگی گذاری عون بن عبد اللہ کہتے ہیں ہم اس کے پاس جاتے اور ذکر ـ خدا ـ کرتے وہ بھی ذکر کرتی تھی۔ ہم اس سے کہتے تھے:

"ہم نے تمہیں تھکا دیا ہے"

وہ کہتی:

نہیں! عبادت کے علاوہ میرے آلام کی دوا نہیں ہے۔ بہترین علم، معرفت خدا ہے۔ بچپنے میں علم حاصل کرو اور بڑے ہو کر دوسروں کو تعلیم دو۔ کیونکہ جو بوؤ گے وہی کاٹو گے۔

اس شخص نے اس سے کہا:

میں اپنے دل میں کسک محسوس کرتا ہوں، جس کی کوئی دوا نہیں ہے اور قساوت محسوس کرتی ہوں جس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

ام درداء کہتی ہیں:

قبرستان میں جاؤ اور مردوں کو دیکھو! وہ دوسری عورتوں کے ساتھ عبادت میں مشغول ہوتی تھی، تھک جانے پر رسی پکڑ لیتی تھیں۔

ایک بار عبدالملک نے اپنے خادم کو آواز دی اس نے کچھ دیر بعد جواب دیا۔ عبدالملک نے اس پر لعنت کی۔ ام درداء نے رسولؐ کی ایک حدیث کے ذریعہ اس پر ملامت کی۔[1]

---

[1] اعلام النساء ج ۵ ص ۲۰۵ - ص ۲۰۷

حضرت

اُمِّ کلثومؑ

اپنے عہد کی بہت با فضیلت عورت تھیں۔ حیات رسول میں پیدا ہو چکی تھیں۔ قریش میں سے آپ اپنے زمانہ کی تنہا فصیح عورت تھیں۔ آپ کے والد حضرتؑ علیؑ اور والدہ حضرت فاطمۂ زہراؑ ہیں۔

مامقانی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: "ام کلثوم زینب صغریٰ کی کنیت ہے آپ اپنے بھائی حسین علیہ السلام کے ساتھ کربلا آئیں اور وہاں سے امام زین العابدینؑ کے ہمراہ شام اور پھر مدینہ پہونچیں۔ بہت جلیل القدر فہمیدہ اور سخنور عورت تھیں بعض غیر معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر بن خطاب نے اپنی خلافت کے زمانہ میں طاقت کے زور پر آپ سے نکاح کیا تھا۔ بہت سے علماء نے اس چیز کو محکم دلیلوں سے باطل قرار دیا ہے۔

آپ کی والدہ حضرت زہراؑ نے انتقال کے وقت چہرہ پر نقاب ڈالی اور عبا اوڑھی، جو زمین پر گھسٹتی جاتی تھی، اور کہا:

"بابا، اے اللہ کے رسولؐ! اب میں آپ کا بار گراں اپنے دوش پر محسوس کر رہی ہوں۔ اس جدائی کے بعد ہرگز ملاقات نہ ہوگی۔"[1]

---

[1] ریاحین الشریعہ ج ۳/ ۲۳۵

ماریہ بنت شمعون قبطی

اس رومی خاتون کو مقوقس ـــ اسکندریہ کے حاکم ـــ نے سنہ ۷ھ میں ہزار مثقال سونے، ۲۰ بہترین پیراہن اور چند اونٹ وغیرہ کے ساتھ رسولؐ اکرم کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر پیش کیا تھا۔ ماریہ کے ساتھ ان کی بہن سیرینؑ اور خواجہ پیری' مابور تھے۔

حاطب بن ابی بلتعہ ان ہدیوں کے ساتھ رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ راستہ میں حاطب کے مشورہ سے ماریہ اور انکی بہن مسلمان ہوگئی تھیں لیکن مابور نے رسولؐ کی خدمت میں پہنچ کر اسلام قبول کیا۔

رسولؐ نے ماریہ کو عالیہ میں رکھا لیکن ان کے پاس آتے جاتے تھے۔ سنہ ۸ھ ماہ ذی الحجہ میں خدا نے انھیں ایک بیٹا عطا کیا، جس کا نام ابراہیم رکھا۔ ابراہیم کو دودھ پلانے کیلئے رسولؐ نے ام بردہ کو معین کیا۔ اس بچہ کی ولادت سے رسولؐ بہت خوش ہوئے اور فرمایا: ماریہ اپنے بیٹے کی وجہ سے آزاد ہوگئی۔

اس بچہ کی ولادت سے رسولؐ کی دوسری ازواج کو بہت افسوس ہوا۔ عائشہ نے کہا: ماریہ سے زیادہ مجھے کسی عورت پر حسد نہیں ہوا ہے۔ ابراہیم زیادہ دن زندہ نہ رہے۔ سنہ ۱۰ھ میں ان کا انتقال ہوگیا اور جنت البقیع میں عثمان بن مظعون کی قبر کے کنارے دفن ہوئے۔

سنہ ۱۶ھ میں ماریہ نے بھی وفات پائی، مسلمانوں نے ان کے جنازہ میں شرکت کی اور قبرستان بقیع میں سپرد خاک کیا۔[۲]

یہاں اس بات کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ قرآن مجید کے سورہ نور کی آیت ۱۱ - ۲۵ میں واقعہ افک بیان ہوا ہے اور ان لوگوں پر ملامت ہوئی ہے جنہوں نے رسولؐ کی ایک زوجہ پر تہمت لگائی تھی۔

اہل سنّت کی روایات کے مطابق متہم عورت عائشہ اور شیعہ روایات کی رو سے ماریہ تھی۔ اگرچہ ان روایات میں کچھ اشکال ہیں[۳]۔ لیکن سورۂ نور کی آیات کے لحاظ سے تہمت یا افک کا مسئلہ مسلّم ہے۔ چونکہ انبیاء کو خاندانی اور دوسرے پہلوؤں کے اعتبار سے پاک ہونا چاہئیے، اس لئے خدا نے تمام تہمتوں کا جواب دیا اور جن مسلمانوں نے جھوٹی افواہوں سے متأثر ہو کر جھوٹی باتیں بنائی تھیں ان کی سرزنش کی ہے۔

افسوس ہے کہ چودہ سو سال کے بعد ہمارے زمانہ میں افک کی داستان دہرائی گئی ہے اور دشمنوں نے کتاب "آیات شیطانی" میں رسولؐ کی شان میں گستاخی کی ہے اور رسولؐ کی ازواج پر تہمت لگائی ہے۔ اس زمانے میں منافقین نے تہمت لگائی تھی، اس دفعہ استکبار کے ہتھکنڈوں نے ایک مرتد ادیب سے مسلمانوں کے مقدسات کی توہین کی ہے۔ جس طرح خدا نے اس زمانے میں رسولؐ کی ازواج کا دفاع کیا تھا۔ اس بار بھی وہی دفاع کریگا۔ لیکن دو مرحلوں میں یہ فرق ہے کہ مدینہ کے مسلمان داستانِ افک سے متاثر ہو گئے تھے لیکن ہمارے زمانہ کے مسلمان صرف اس سے متاثر ہی نہیں بلکہ بالاتفاق سب نے کتاب اور اس کے مؤلف کی مذمت کی اور مؤلف کو واجب القتل قرار دیا ہے۔

۱۔ منتہی الامال ص ۸۰ ۲۔ اعلام النساء ج ۵ ص ۱۰

۳۔ مرحوم علامہ طباطبائی نے تفسیر المیزان ج ۱۵ ص ۱۱۳ و ص ۱۱۴ پر یہ اشکال بیان کئے ہیں۔

آمنہ بیگم

نمونۂ فضل و کمال

مولی، محمد صالح مازندرانی انتھک کوششوں اور جانفشانیوں سے اس منزل پر پہنچ گئے کہ مرحوم مجلسی اول کے درس سے کسب فیض کریں۔ رفتہ رفتہ علم و کمال کے اس مرتبہ پر فائز ہوگئے کہ استاد کے چہیتے بن گئے۔ ایک دن استاد نے ان سے معلوم کیا کہ کیا تم شادی نہیں کرو گے؟ شاگرد نے استاد کو جواب دینے میں شرم محسوس کی۔ لیکن اصرار کے بعد انہوں نے مثبت جواب دیا اور عرض کی کہ میرے لئے شریک حیات کا انتخاب کیجئے۔

مجلسی اپنے گھر گئے اور اپنی بیٹی آمنہ بیگم سے کہا:

میں نے تمہارے لئے ایسے شوہر کا انتخاب کیا ہے جو کہ تہی دست و نادار ہے لیکن علم و کمال کے اوج پر پہنچا ہوا ہے۔ تم بتاؤ تمہاری کیا مرضی ہے؟

بیٹی نے کہا:

"ناداری انسانوں کیلئے عیب نہیں ہے۔"

مجلسی اول نے مراسم کے ساتھ آمنہ بیگم کا عقد مولی محمد صالح سے کر دیا اور دلہن کو شوہر کے معمولی گھر بھیج دیا۔ شوہر نے سہاگ کی رات دلہن کا

حسن و جمال دیکھا تو انگشت بدنداں رہ گئے اور اس رات کو خدا کی بارگاہ میں شکر ادا کرنے میں گذار دیا۔ مطالعہ کے دوران اتفاق سے ایک علمی مسئلہ پیش آگیا تھا، اسے حل کرنے کے بارے میں بہت کوشش کی لیکن حل نہ ہو سکا آمنہ بیگم اپنی فراست سے مسئلہ کو سمجھ چکی تھی لہذا جب محمد صالح باہر گئے تو مسئلہ کے بارے میں غور و فکر کیا اور سمجھ گئیں ایک کاغذ پر لکھ کر جائے مطالعہ پر رکھ دیا جب محمد صالح مطالعہ میں مشغول ہوئے تو آمنہ بیگم کا جواب ملاحظہ کیا اور ان کے فہم و فراست کی داد دی اور خدا کا شکر بجالائے، یہ رات بھی عبادت میں بسر ہو گئی۔

تین شب و روز اسی طرح گذر گئے اطراف والوں نے سوچا کہ انھیں بیوی کی ضرورت نہیں ہے یا ان کی پسند کی نہیں ہے، مجلسی کو بھی واقعہ کی اطلاع مل گئی۔ انہوں نے محمد صالح سے کہا: اگر یہ تمہاری پسند کی نہیں ہے تو میں تمہارے لئے دوسری عورت تلاش کروں۔

محمد صالح نے کہا: میں اپنی بیوی سے محبت رکھتا ہوں لیکن میں نے اس نعمت کا شکر ادا کرنے کا ارادہ کیا ہے مگر جتنی بھی عبادت کرتا ہوں سوچتا ہوں کہ ابھی اس نعمت کا شکر ادا نہیں ہو سکا ہے۔ مجلسی نے کہا: عجز کا اقرار ہی بڑا شکر ہے۔

خدا نے ان میاں، بیوی کو ایسے بچے عطا کئے کہ جن میں سے بعض علماء ابرار، صلحاء اخیار تھے ان کے ایک بیٹے محمد ہادی ہیں ان کی بہت سی تالیف ہیں۔ ان کے پوتے نور الدین ہیں۔ یہ بے نظیر فقیہ تھے اس طرح عظیم شاعر آقا محمد سعید اور فقیہ جامع آقا عبدالباقی

و آقا محمد حسین بھی قابل ذکر ہیں۔

مولا محمد صالح خاتون آبادی، مازندرانی نے سنہ ۱۰۸۱ھ میں اصفہان شہر میں انتقال کیا اور مجلسی کے مقبرہ میں سپرد خاک ہوئے۔

لکھا ہے کہ مولیٰ محمد صالح علامہ کی فقہی کتاب قواعد کے مشکلات کو اپنی شریک حیات سے حل کرتے تھے۔ [۱]

---

[۱] سفینۃ البحار مادہ جلس و صلح

ام سلیم

اس خاتون نے توراۃ و انجیل پڑھی تھی اور مسلمان ہو گئی تھی، چونکہ سلف کی کتابوں میں انبیاء کے اوصیاء کی علامتیں پڑھی تھیں۔ لہٰذا رسولؐ کے اوصیاء کو پہچاننا چاہتی تھی۔ رسولؐ سے تقاضا کیا کہ اسے اپنے اوصیا کی معرفت سے سرفراز فرمائیں۔

رسولؐ نے فرمایا: کچھ سنگریزے جمع کرو، اس نے اطاعت کی۔ سنگریزے لیکر رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آنحضرتؐ نے سنگریزے اپنے دست مبارک میں لیے اور انھیں پیس کر معجون کی مانند بنایا۔ پھر اسے ایسا یاقوت بنا دیا کہ جس پر صاف نقش ابھر آیا۔

رسولؐ نے اعجاز سے بنایا ہوا یاقوت ام سلیم کو دیدیا اور فرمایا جو شخص یہ کام کر کے دکھا دے وہ میرا وصی ہے، نیز فرمایا: میرا وصی وہ ہے جو میری طرح خلق سے بے نیاز ہو۔ ام سلیم خدا حافظ کہکر چلی گئی۔

وہ کہتی ہے: میں نے دیکھا کہ سلمان — تمام عظمت و معرفت کے باوجود — حضرت علی کی طرف دیکھتے ہیں۔ میں نے سوچا سلمان حضرت علیؑ کی وصایت اور ولایت کے منصب کو پہچان گئے ہیں یہیں سے میں نے اندازہ لگایا کہ حضرت علیؑ رسولؐ کے جانشین ہیں۔ میں انکی

خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی : آپ رسولؐ کے وصی ہیں ؟

فرمایا : جی ہاں ۔ لیکن تمہارا مقصد کیا ہے ؟

میں نے کہا : وصی کی علامت کیا ہے ؟

فرمایا : سنگریزے لاؤ ۔

میں نے سنگریزے حاضر کئے ۔ آپ نے ہاتھ میں لے کر وہی معجزہ دکھایا جو رسولؐ نے دکھایا تھا اس کے بعد مجھے اطمینان ہو گیا کہ علیؑ رسولؐ کے جانشین ہیں ۔

اسی طرح ام سلیم امام حسن مجتبیٰ اور امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ان حضرات سے بھی یہی معجزہ دیکھ کر مطمئن ہو گئی کہ علیؑ کے بعد یہی رسولؐ کے جانشین ہیں ۔ امام زین العابدینؑ کی زیارت کے بعد ام سلیم نے دار فانی سے کوچ کیا ۔

ایک عالم کا کہنا ہے کہ یہ خاتون محتاجِ تعارف نہیں ہے ، قبیلۂ نمر بن قاسط سے ہے اور رسولؐ سے کچھ روایات بھی نقل کی ہیں ۔ اس نام کی اور عورتیں بھی تھیں جیسے ام سلیم ثقفی ، عروہ بن مسعود ثقفی کی بہن جو مسلمان ہو گئی تھیں ، ام سلیم انصاری ، انس بن مالک کی والدہ ، ام سلیم اوسی کہ رواۃ میں سے ایک ہے اسی طرح ام سلیمی بھی رسولؐ کی معاصر ہیں ۔

ام سلیم "صاحب سنگریزہ" کے نام سے مشہور رہے ۔ شیعوں اور معصوم ائمہ کی اطاعت کرنے والوں کے درمیان یہ خاتون اور اس کے سنگریزے حق و حقیقت کی علامت و نشانی ہیں ۔ [۱]

---

[۱] سفینۃ البحار مادہ سلم

ام ورقہ

جسے رسولؐ نے شہید کہا ہے

یہ عہد رسولؐ کی ممتاز عورتوں میں سے ایک تھیں۔ کبھی کبھی رسولؐ ان سے ملاقات کیلئے تشریف لے جاتے تھے اور انھیں شہیدہ کے نام سے پکارتے تھے۔ ان کے والد عبد اللہ بن حارث انصاری تھے۔ جب رسولؐ اور مسلمان جنگ بدر کے لئے جا رہے تھے۔ اس وقت انہوں نے عرض کی اے اللہ کے رسولؐ! مجھے بھی اجازت دیجئے کہ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں اور بیمار وزخمیوں کا علاج کروں ممکن ہے خدا مجھے بھی فیض شہادت سے سرفراز کرے۔

رسولؐ نے فرمایا:

خدا شہادت کی طرف تمہاری راہنمائی کرے گا۔ اپنے گھر میں رہو کہ تم شہیدہ ہو۔

یہ بھی قرآن جمع کرنے والوں میں سے ایک ہیں، رسولؐ نے انھیں حکم دیا تھا کہ اپنے خاندان کے افراد کی امامت کریں۔

ان کے پاس ایک کنیز اور غلام تھے۔ ان کے بارے میں یہ وصیت کر دی تھی کہ مرنے کے بعد وہ آزاد ہیں۔ لیکن یہ ام ورقہ کو قتل کر کے بھاگ گئے۔ عمر نے ان کی گرفتاری کا حکم صادر کیا۔ گرفتار کر لئے گئے

اور پھانسی پر چڑھا دیئے گئے۔ کہتے ہیں کہ اسلام کے بعد مدینہ میں انھیں کو دار پر چڑھایا گیا تھا۔

چونکہ رسولؐ ام ورقہ کو شہیدہ کہتے تھے، اس لئے مسلمانوں کو حیرت تھی، انہوں نے احترام کے ساتھ اس خاتون کے جنازہ کی تشیع کی اور سپرد خاک کیا۔ [1]

---

[1] اعلام النساء ج ۵ ص ۲۸۴

جمیلہ بو پاشا

جمیلہ بو پاشا وہ دلاور اور جری لڑکی ہے کہ جس نے اپنے وطنِ مالوف کو بچانے اور خود کفیل بنانے کی راہ میں شریفانہ طور پر جہاد کیا اور جب اسے فرانسی کے دہشت گردوں اور جلّادوں نے اسیر کیا تو اس نے سخت سے سخت اذیتیں اور شکنجے برداشت کئے لیکن اپنی قوم اور وطن سے خیانت کیلئے تیار نہ ہوئی۔

اس مسلمان لڑکی کی حیرت انگیز سرگذشت ـــ کہ جس نے فداکاری و دلاوری کا درس اسلام کے حیات بخش مکتب سے حاصل کیا تھا ـــ سب کیلئے عبرت آموز اور بیدار کرنے والی ہے۔

جن لوگوں نے دین کو افیون قرار دیا ہے انھیں جمیلہ بو پاشا کی سرگذشت کے مطالعہ سے شرم آجانا چاہئے اور اس بات کا اعتراف کر لینا چاہئے کہ انہوں نے جس دین کو افیون سمجھا ہے وہ یقیناً مغربی مال ہے۔ اس کا اس اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ جس نے مشرق کو روشنی بخشی ہے اور جمیلہ جیسی عورتوں کو پروان چڑھایا ہے۔

الجزائر کے سابق صدر بن بلا نے کہا تھا: جس وقت خروسچوف الجزائر آتا تھا تو میں نے اس سے کہا تھا:

شمالی افریقہ میں اسلام ایک محرک اور بڑی انقلابی طاقت کے عنوان

فاطمہ زہراؑ کی بیٹیاں صرف شجاعت و دلیری ہی کا نمونہ نہیں ہیں بلکہ خطابت و سخنوری کی دنیا میں بھی وہ نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔ اپنی خواہر گرامی زینب کبریٰ کی طرح با مشقت اسیری کے دوران ہاتھ آنے والی فرصت سے خوب فائدہ اٹھایا اور اپنے آتشیں اور ولولہ انگیز خطبوں سے استبداد کے قصر کو ہلا ڈالا اور اموی ظالموں کے خلاف مسلمانوں کے جذبات کو برانگیختہ کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ دل جلے اور غم زدہ لوگ اچھی طرح پُرسوز و دل گداز تقریر کر سکتے ہیں اور اپنی آہ و فغاں سے ستمگروں کی زندگی کو تباہ کر سکتے ہیں۔

ام کلثوم ذاتی صلاحیت کی بھی مالک ہیں اور ظالم و جابر حکومت کے کارندوں نے آپ کے بھائی اور دیگر عزیزوں کو شہید بھی کر دیا ہے۔

ام کلثوم کی شجاعت وفضیلت کی سب سے بڑی دلیل وہ خطبہ ہے جو اہل کوفہ کے سامنے دیا اور اس کے ذریعہ انھیں محو حیرت کر دیا۔ آپ کا خطبہ سن کر وہ ایک دوسرے کے سر اور شانہ پر ہاتھ مارتے تھے، ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کر رہے ہیں۔

غدار اور ظالم لوگوں کا مقدر رسوائی ہے! آخر کار وہ اپنی بداعمالیوں کے عذاب میں مبتلا ہو گئے اور جہنم میں گر پڑے ہیں۔

خزام اسدی کہتے ہیں: "۶۱ھ یعنی سالِ شہادتِ امام حسینؑ میں کوفہ گیا تو دیکھا کہ کوفہ کی عورتیں کھڑی ہیں اور علی بن الحسین۔ جو کہ بیماری سے لاغر ہو گئے تھے۔ فرما رہے ہیں:

"اے کوفہ والو! تم ہمارے اوپر گریہ کر رہے ہو، کیا تمہارے علاوہ کسی اور نے ہمیں قتل کیا ہے؟ اس موقعہ پر ام کلثوم نے لوگوں کو خاموش ہونے کا

سے آگے بڑھ سکتا ہے۔ اور خروسچوف ـــ جو کہ کمیونزم کے مکتب کا پروردہ یافتہ اور دین کو افیون سمجھتا تھا ـــ نے جواب دیا تھا کہ: "جی ہاں"

ایک کمیونسٹ صاحب نظر جو الجزائر آیا تھا، اس نے بھی اسلام کو تحرک اور سامراج سے مبارزہ کا عامل بتایا تھا[۱] جنگجو ملک الجزائر نے سات سال تک فرانس کے سامراج سے جنگ کی اور ان سات برسوں میں فرانس نے اس مسلمان قوم کے ساتھ غیر انسانی سلوک روا رکھا، انھیں سخت اذیتیں دیں تاکہ ان کی آزادی اور استقلال طلبی کی تحریک کو کچل دیا جائے اور الجزائر کو لقمۂ تر کی طرح نگل سکے۔

لیکن جن مسلمانوں نے خود کو موت و زندگی کے دوراہے پر دیکھا ہے، جنھیں اپنے فریضہ کی تعیین اور نگل جانے والے عفریت کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لئے پوری طاقت جمع کرنی چاہیئے اور بڑے مصائب و محرومی مقابلہ کرکے ثابت قدم رہنا چاہیئے۔ انہوں نے ایک بار پھر عزت کی موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دی اور ایمان و عشق سے سرشار دلوں کے ساتھ خالی ہاتھ بمباری کرنے والے جہازوں، ٹینکوں اور توپوں کے مقابلہ میں نکل آئے، ہزاروں کشتے اور زخمیوں کے علاوہ بہت سے قید خانوں میں ڈال دئے گئے جنھیں سخت ترین اذیت اٹھانا پڑی۔

الجزائر کے فاتح پوژد نے حکم دیا:

"جس غار میں الجزائر کے مجاہدین جنگ اور فرار کے وقت پناہ لیتے ہیں اسے لکڑیوں اور خس و خاشاک سے بھر دو اور اس پر تیل چھڑک کر آگ لگا دو، تاکہ ساری لومڑیاں جل جائیں

نوبت یہاں تک پہنچی کہ دیہاتوں پر بمباری اور گھروں کی ویرانی کے نتیجہ میں بیس لاکھ بچوں، عورتوں اور بوڑھوں نے ٹیونس کی سرزمین میں پناہ لی۔ ظلم وستم اور طبقاتی تعصب اپنے انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ رات دن کام کرنے والے مسلمان کاشتکار کی خوراک — بعض جگہوں پر صنعتی کاریگر کو — فرانس کے ایک معمولی کاریگر کے ناشتہ سے بھی کم دی جاتی تھی۔

سیمون دد بووار لکھتا ہے:

ایک ۲۳ سالہ الجزائری لڑکی — جس کا الجزائر کی نجات قومی پارٹی سے تعلق تھا — کو فرانسوی فوجیوں نے غیر قانونی طور پر گرفتار کرلیا اور اسے سخت سزائیں دی ہیں۔

یہ باتیں معمولی اور مبتذل ہیں۔

سنہ ۱۹۴۵ء سے اب تک ہم سب اس قتل عام میں شریک ہیں جو پہلے شورش کو کچلنے کے اور پھر صلح وامن قائم کرنے کے نام پر کیا گیا۔ دس لاکھ سے بھی زائد انسانوں کو ذبح کیا گیا ہے۔

مردوں، عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کے سینوں کو "چوہے مار اسکیم" کے تحت گولیوں اور بموں سے چھلنی کیا گیا۔ دیہاتوں میں زندہ آدمیوں کو جلایا گیا، پھانسی پر چڑھایا گیا اور شکم چاک کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

خاندان کے خاندان بھوک، سردی اور گولیوں کی بھینٹ چڑھ گئے، کتنے ہی بے گناہ قید — یعنی موت کے کیمپوں — میں ہیں، جو مہلک اور متعدی بیماریوں کی تاب نہ لاکر چل بسے ہیں۔ کتنے ہی موت کے گھاٹ اتر چکے ہیں، اور پانچ لاکھ سے زائد الجزائری ابھی تک موت کے کیمپوں میں

کوچ کے منتظر ہیں۔ چند گذشتہ مہینوں میں اخباروں میں محتاط انداز میں قتل عام اور مثلہ کرنے کی وحشت ناک خبریں شائع ہوئی ہیں۔ الجزائر کے شہر اور ان کی سڑکوں پر، پیرس میں، دریائے سن میں، ہاتھ کٹی، سر پھٹی اور لرزہ براندام کر دینے والے حالات میں بہت سی لاشیں ملی ہیں۔ یہ ایسے موضوعات ہیں جو پڑھنے کی وجہ سے ہماری آنکھوں کے لئے معمولی ہو گئے ہیں۔

اسی اثناء میں جمیلہ کی داستان نے۔ کہ جس کو اس جرم میں سولی پر چڑھانے کی سزا سنائی گئی تھی کہ اس نے بم سے چند فرانسیوں کو قتل کر دیا تھا اور دنیا کی حکومتوں کے سربراہوں کی وساطت سے اس کی موت کی سزا کو عمر قید کی سزا میں بدل دیا گیا تھا ــــ ساری دنیا کو ہلا دیا۔

کیا ایسے سنسنی خیز حالات کے باوجود طبیعتوں میں ایسا سوز و گداز باقی رہ سکتا ہے کہ جو ایک جوان لڑکی کے دل کو گرما دے؟ بالکل جیسا کہ حفاظتی کمیشن کے چیئرمین میسوپاٹن نے ایک انٹرویو میں کہ میں بھی وہاں موجود تھا۔ بڑی چالاکی سے سفسطہ کیا، بوپاشا اب بھی زندہ ہے۔ بنابرایں اسے جو شکنجے دیئے گئے ہیں وہ زیادہ وحشتناک نہیں تھے۔

جناب پاٹن نے ــــ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ سیل کے ذریعہ اس لڑکی کی بکارت زائل کی گئی ہے۔ کہا: مجھے اس بات کا خوف تھا کہ کہیں اس لڑکی کو بیٹری ــــ کے سیل ــــ پر نہ بٹھایا ہو، جیسا کہ انہوں نے ہند و چین اور ویٹ نام میں یہی کیا ہے۔ اس عمل سے مجرم کے معدہ و مخرج کے درمیان کی نلی پھٹ جاتی تھی اور وہ موت کی نیند سو جاتا تھا۔ لیکن جمیلہ کے ساتھ انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

پاٹن صاحب نے آخری باتیں مسکراتے ہوئے کہیں: ڈیزل حلیمی اس کا مدعی نہیں ہے کہ یہ داستان سخت قلب سرکش مزاج لوگوں کو ہلا دے گی بلکہ اس کا نقطۂ نظر اور اس کی بات کا اصلی فائدہ یہ ہے کہ اس سے فرانس کی حکومت کی دروغگوئی آشکار ہوتی ہے۔

جنرل ماسو نے جن باتوں پر زور دیا اور ان پر عمل کرنے کا طریقہ آشکارا طور پر فرانس کی فوج کو سکھایا اور فرانس کے روحانی پیشواؤں کی بھی ایک بڑی جماعت نے ان کے ان انسانیت سوز مظالم کو الجزائر کے مسلمان مجاہدوں کے حق میں جائز قرار دیا ہے اور فرانس کی فوج کیمپوں اور چھاؤنیوں میں مسلمانوں کو شکنجہ دیتی ہے، یورپین اس کی داد دیتے ہیں یہ تمام چیزیں فرانس کی حکومت کی اس بات کی تکذیب کرتی ہیں کہ اب شکنجہ نہیں دیا جاتا اور ادھر آخری سات برسوں میں اس میں بہت کمی واقع ہوئی ہے۔

جمیلہ بوپاشا کے قضیہ میں جو چیز غیر معمولی اور استثنائی ہے، اگرچہ وہ بھی کل حقیقت نہیں ہے اس پر بھی پردہ ہے۔

جمیلہ بوپاشا کی وکیل عورت جو کہ بلند روح اور باتمکنت لڑکی کو شکنجہ دیئے پر شاکی ہے۔ اس کی بردباری اور سماجت اور جرأت مندی و فرض شناسی کو قاضی نے آشکار کیا، جو سات سال سے حقائق کو چھپائے ہوئے تھا۔ الجزائر میں فرانس کی افواج کا کمانڈر انچیف جنرل "آیرہ" کہتا ہے: جس قلعہ میں جمیلہ کو شکنجہ دیا گیا ہے، فرانس کی فوج اس کا پردہ چاک ہونے کی مخالف ہے۔

جس انسان کو شکنجہ دیدیا گیا وہ بے کار ہو گیا، اسے مار ڈالتے ہیں یا وہ خودکشی کر لیتا ہے تو اس کی لاش کو سربستہ راز طریقہ سے وہاں سے ہٹا دیتے ہیں۔ لیکن فرانسویوں کو اس کی کیا پروا؟

کون ہے جو اس کی لاش کو تلاش کرے؟ کون ہے جو ان مظالم سے پردہ اٹھائے؟ کبھی مقتول کا باپ یا داغ دیدہ عورت ذمہ داروں سے اپنے دل کے ٹکڑے کے بارے میں سوال کرتی ہے تو وہ کہتے ہیں ہمیں کیا خبر اور پھر خاموش ہو جاتے ہیں۔

جب انہوں نے اودن کو قتل کر ڈالا تو چونکہ وہ یونیورسٹی کا طالب علم اور فرانسوی تھا۔ متعدد افراد اس کے آشنا بھی تھے اس کے بارے میں افواہیں پھیل گئیں اور ہنگامہ بڑھتا ہی چلا گیا۔ لیکن اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ظالموں کا کچھ نہ بگڑا بلکہ انہوں نے قاتل کو "شریون دونو" کے تمغہ سے نوازا۔

بومنجل کے پروپیگنڈہ کے بعد گوشہ و کنار سے آوازیں بلند ہوئیں مگر اس کا بھی کوئی فائدہ نہ ہوا، جن الجزائر والوں کے نام دفترچہ سبز میں درج نہیں ہوئے تھے، سب کو ہولناک شکنجہ دیا گیا اور بھیانک طریقہ سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

ایک الجزائری کو گرفتار کیا، جب اس کا کوئی جرم ثابت نہ ہو سکا تو اسے آزاد کر دیا لیکن نیزہ کی نوک سے اسے ہمیشہ خائف رکھتے ہیں۔ فرانسوی کارندے ہر ہفتہ اس کی نگرانی کے لئے سپاہی بھیجتے ہیں وہ اسے حاضر کرتے ہیں۔ یہاں کے زندان کے ڈرا دینے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ آزاد شدہ الجزائری کو کس طرح خاموش رہنے پر مجبور کیا جائے اور اسے کس طرح

ایسے حربوں سے باز رکھا جائے . . .

الجزائر میں قاضی — جج — قانونی ڈاکٹر اور وکیل کے پاس جب کسی متہم کو لایا جاتا ہے تو وہ اسے دشمن ثابت کرتے ہیں . فرانسوی جلاّدوں کی حکومت کا سسٹم "قاضیوں ، ڈاکٹروں اور وکیلوں کے پست اتحاد پر استوار ہے۔ انھیں اس کی مذمت کرنا چاہیئے اور کھلم کھلا مذمت کی جانی چاہیئے لیکن اگر کوئی تکلفاتی قانون جاری ہوتا ہے تو وہ محکوم کرنے والوں کے کریہ چہرے دن کو چھپانے کیلئے ہوتا ہے۔

جب جمیلہ جج کے سامنے کھڑی تھی اور دونوں ایک دوسرے کو دشمن کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے ، جمیلہ کے نحیف بدن کے بے شمار نشان دردناک اور مختلف یادداشتوں کا نقشہ پیش کر رہے تھے ۔ اس نے کہا :

مجھے شکنجہ دیا گیا ہے ، میری درخواست ہے کہ قانونی ڈاکٹروں سے میرا معائنہ کرایا جائے ۔ لیکن جج نے کچھ نہ پوچھا اور قیدی لڑکی کے خلاف رپورٹ لکھنے میں مشغول رہا ، اس کے بعد اس نے چند قانونی ڈاکٹروں کو عدالت میں بلایا تاکہ وہ معائنہ کر کے یہ اعلان کریں کہ جمیلہ کو شکنجہ نہیں دیا گیا ہے . لیکن جب چند ماہ کے بعد جمیلہ کے معائنہ کے لئے پیرس سے ڈاکٹروں کو بلایا گیا تو انھوں نے متفقہ طور پر کہا کہ جمیلہ کی بکارت بیل کے ذریعہ زائل کی گئی ہے ۔ اس کے بعد ڈاکٹر لوی لردی اس پر زور دیتا ہے کہ جب جمیلہ بو پاشا کو معائنہ کے لئے بالکل عریاں کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اس کی زنانگی کی عادت میں اختلال پیدا ہو گیا ہے ۔ لیکن یہ اختلال شکنجہ کی وجہ سے پیدا نہیں ہوا بلکہ طبیعی

طور پر ایسا ہوا ہے۔

مگر دروغ گو را حافظہ نباشد، اسی ڈاکٹر نے چند ماہ کے بعد بیان دیا کہ جمیلہ نے ڈاکٹری معائنہ کے وقت آخری وقت تک اپنا زیر جامہ اس لئے نہیں اتارا تاکہ حقارت کا احساس نہ ہو۔ اس تناقض کے لئے بے عقلی کے علاوہ کوئی اور جواز پیش نہیں کیا جا سکتا۔

جو عورتیں مدافع کے وکیل کے عنوان سے الجزائر گئی تھیں انھیں اپنے موکلوں کی مدد کی ہرگز کوئی فکر نہیں تھی کیونکہ انھیں اپنا ڈر تھا یہی وجہ تھی کہ جمیلہ بوپاشا نے اپنے وکیل مدافع سے بھی مدد لینے کی نہ سوچی، دیگر افراد کی مانند جمیلہ کو بھی سزا سنائی گئی اور جو جرائم اس کے لئے گڑھے تھے ان میں سے کوئی بھی بے اعتبار قرار نہ دیا گیا اور عدالت نے ان اعترافات کی بنیاد پر سزا سنادی جو کہ جمیلہ بوپاشا نے مار کے خوف سے کئے تھے اور اکثر اعترافات کے اختتام پر زبردستی اس کا انگوٹھا لگوایا گیا تھا۔

"ال بیار" اور "حسین دی" کے قید خانہ کے ہولناک شکنجوں کی کوئی یادداشت فائل میں نہیں ہے بلکہ یہ یادداشتیں جمیلہ کے افسردہ و آزردہ ذہن میں نقش تھیں مختصر یہ کہ اچانک ایک حادثہ رونما ہوا کہ جس نے اس قدیم تانے بانے کو توڑ دیا۔ "بوسولہ" کیمپ سے جمیلہ کے بھائی نے جو خط ارسال کیا تھا اسی نے وکیل مدافع کی جستجو و تحقیق کی حس کو جھنجوڑا "ژیزل حلیمی" ان معدودے چند وکیلوں میں سے ایک تھی جو شرم آور اعترافات سے متاثر نہیں ہوئی۔ اس نے جمیلہ سے رابطہ قائم کیا، اس سے گفتگو کی اور اسے جرم کو طشت از بام کرنے پر ابھارا اور خود نے الجزائر کی عدالتوں کو دھمکی دی کہ انسانیت کے دشمنوں کی طرفداری

سے باز رہیں۔

جمیلہ کی حمایت کیلئے ایک کمیٹی تشکیل پائی۔ اس کمیٹی نے فرانس اور دیگر ممالک میں اتنا زیادہ پروپیگنڈہ کیا کہ فرانس کی حکومت نے "ژیزل" کو الجزائر میں ممنوع الورود قرار دیدیا، عدالت نے عام لوگوں کے ردعمل سے ڈر کر جمیلہ کو ۔۔ اس کے وکیل کی عدم موجودگی میں ۔۔ سزا سنانے سے پرہیز کیا۔

کچھ دنوں کے بعد فرانس کی عدالت نے جمیلہ کو یہ مشورہ دیا کہ وہ نفسیات کے ڈاکٹر سے معائنہ کے بعد یہ اعلان کر دے کہ اس کے حواس بجا نہیں ہیں۔ اس طرح اسے بری کر دیا جائے گا۔

اگر جمیلہ ان کی اس پیشکش کو قبول کر لیتی تو پھر شکنجہ و اذیت دینے والوں کے خلاف جو بیانات دیئے تھے، ان کا کوئی اعتبار نہ رہتا اور اس کی اس درخواست پر عمل نہ ہوتا جو اس نے جلّادوں کے خلاف دی تھی۔

جمیلہ سمجھوتہ کرنے والوں میں سے نہیں تھی، ان کی پیشکش کو ٹھکرا دیا، لیکن اسے اس کی بھی توقع نہیں تھی کہ اس کی ثابت قدمی کا کوئی نتیجہ برآمد ہو گا۔ عدالت میں جو بھی شکایت کی جاتی تھی اس کو نامعقول قرار دیا جاتا تھا۔ گواہ بھی گواہی دینے میں حیلے بہانے سے کام لیتے تھے اور کبھی غلط و جھوٹی گواہی دیتے تھے۔ ڈر، کہ جو زبان بند رکھنے کا مضبوط ذریعہ تھا، اس نے ہر ایک کی زبان کو قفل لگا دیا تھا۔

شکنجوں اور جانگداز مظالم کی وجہ سے سیکڑوں شکایتیں خوف کی وجہ سے سینوں میں دفن تھیں۔ اگر جمیلہ کی شکایت بھی "گورمونتانی" کے ہاتھ لگ جاتی تو اس کا بھی یہی حال ہوتا اور نتیجہ میں عدالت کے نقارچی ڈھنڈورا پیٹتے کہ "متہم کی

شکایت معقول نہیں ہے۔

تحفظ کمیٹی کو بھی سزا یافتہ سے سروکار نہیں تھا بلکہ وہ سزا دینے والوں کو بچانے کی کوشش کرتے تھے۔[1] لیکن ظالم کو برسر بازار رسوا کرنا چاہئے اور جمیلہ کی جرأت مندی و شجاعت کا پرچار ہر جگہ ہونا چاہئے۔ کچھ اسباب فراہم ہو گئے اور ایک ستمدیدہ مجاہد پر کئے جانے والے مظالم فراموشی کی غار سے نکل گئے، جن سے لوگوں میں ہیجان پیدا ہو گیا، بنا برایں فرانس کی حکومت کو اپنا موقف بدلنا پڑا اور ایک قوم کو اس کا انسانی اور مسلّم حق مل گیا۔

جمیلہ کی شکایت کا ترجمہ یہ ہے:

۱۹۶۰ء فروری کی دسویں رات سے گیارہویں کی صبح تک الجزائر کی گشتی اور تجربہ کار پولیس کے پچاس سپاہی جیپ اور پولیس ٹرک سے آئے اور میرے والد کے گھر پر حملہ کر دیا، میں بھی وہیں تھی۔

یہ گھر الجزائر کے محلہ "دلی ابراہیم" میں واقع ہے، ان لوگوں میں سے ایک صوبیدار "D" ہے جو "ال بیار" حوالات سے منتسب ہے۔

مجھے وہاں بھی مارا گیا جہاں سے گرفتار کیا تھا اور حوالات لے جانے سے پہلے بھی بے دردی سے پٹائی کی گئی۔ میری بہن کے شوہر "عبدلی احمد" — جو کہ اسی گھر میں تھے — کو بہت مارا گیا۔ میرے ساٹھ سالہ والد "عبدالعزیز بوپاشا" پر بھی رحم نہ کھایا گیا۔

ہم تینوں کو "ال بیار" لے جایا گیا اور وہاں دوبارہ مجھے مارا گیا

---

[1] کتاب جمیلہ بوپاشا ص۵ تا ص۱۲

اور گالی گلوچ دی گئیں نتیجہ میں، میں بے ہوش ہوکر زمین پر گر پڑی، اس وقت بعض سپاہیوں اور ایک صوبیدار نے مجھے لاتوں سے مارا، اس مار کی وجہ سے آج تک میرا بایاں پہلو کج ہے۔ ۴-۵ روز کے بعد مجھے "حسین دی" جیل میں منتقل کر دیا گیا اور مجھ سے کہا گیا:

تمہیں اس جیل میں اس لئے منتقل کیا گیا ہے تاکہ دوسرے درجہ کی سزا کا مزہ چکھو۔ ان کی اس بات کو میں بعد میں سمجھی کہ دوسرے درجہ کی سزا بجلی کے شاک لگانے سے عبارت ہے۔ جب بجلی سے متصل الیکٹرون میرے پستان کی نوک سے پھسلے تو ایک شکنجہ دینے والے نے اسے اسکاچ کی پٹیوں کے ساتھ میرے بدن پر چسپاں کر دیا۔ پیر، باسن، شرم گاہ اور میرے چہرہ کو بھی اسی طرح جلا دیا گیا۔

اسی طرح مجھے بجلی کے مختلف قسم کے شاک لگائے گئے، سگریٹوں سے جا بجا بدن جلایا گیا، گھونسے مارے گئے۔ اور طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں۔

آخری شکنجہ میں میرا بدن ایک تختہ سے باندھ دیا گیا کہ جس کے دونوں سرے گرم آب سے پر ایک ٹب کے دو کناروں پر رکھے گئے تھے۔ میری ناک اور منہ کے ذریعہ بدن میں پانی پہنچاتے رہتے تھے تاکہ بے ہوشی کی وجہ سے موت نہ ہو جائے۔ چند روز کے بعد بیٹری سیل کے ذریعہ سے شکنجہ دیا گیا۔ اس شکنجہ کی تکلیف تمام شکنجوں سے زیادہ دردناک تھی۔ اس کے بعد میرے بدن کو

حکم دیا اور جب لوگوں کی آہ و بکا کی آواز بند ہوگئی تو فرمایا:

تمام تعریفیں عالمین کے پروردگار کے لئے ہیں، درود وسلام ہو میرے نانا سید المرسلین پر... کوفہ والو! تم بہت حقیر اور پست لوگ ہو۔ تمہارے آنسو خشک نہ ہوں اور تمہیں کبھی آرام میسّر نہ ہو۔ تمہاری مثال اس عورت کی سی ہے کہ جس نے محنت و مشقت سے کاتے ہوئے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ تم پیمان شکن ہو۔ تمہارا ظاہر پُر فریب اور باطن آلودہ ہے۔ بالکل گھور و مزبلہ پر اُگی ہوئی ہریالی کی مانند یا کیچڑ پر پڑی ہوئی چاندی کی طرح ہو۔ کتنا برا کام کیا ہے تم نے، خدا تم پر قہر نازل کرے اور ہمیشہ رہنے والے عذاب میں مبتلا کرے۔ اب کیا روتے ہو؟! روؤ کہ تم اسی کے لائق ہو۔ ہنسو کم روؤ زیادہ اپنے دامن کو تم نے ذلّت و رسوائی سے داغدار کر لیا ہے۔ یہ داغ تمہارے دامن سے چھڑائے نہیں جا سکیں گے۔ سلالۂ نبوّت حسین بن علیؑ — کہ جس کے نورِ ہدایت نے دنیا کو روشن کیا — کے قتل سے تم خود کو کیسے بری کر سکتے ہو؟ تف ہو تم پر! تم نے بڑا نقصان اٹھایا اور خدا کو اپنے اوپر غضبناک کیا اور ذلت و پستی میں گر پڑے ہو۔ قریب تھا کہ تمہارے کرتوت سے آسمان گر پڑے اور زمین شگافتہ اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ تم جانتے ہو کہ تم نے رسولِ خداؐ کے پارۂ جگر کو کس طرح ٹکڑے ٹکڑے کیا ہے اور ان کے اہلِ حرم کو اسیر کیا ہے اور ان کے خون سے زمین کو رنگین کیا ہے؟! بے حیائی اور سرکشی سے تم نے یہ ظلم ڈھائے ہیں! اگر آسمان سے

مخصوص انداز سے باندھا گیا۔ ایک سیل میری اندام نہانی میں داخل کر دیا گیا تھوڑی دیر تڑپنے کے بعد میں بے ہوش ہو گئی اور دو روز تک بے ہوش رہی۔

"ال بیار" جیل خانہ میں دو روز رکھنے کے بعد مجھے میرے بہنوئی "عبدلی، احمد" کے سامنے کھڑا کیا۔ پٹائی اور شکنجوں کے نشان ان کے بدن پر بھی موجود تھے۔ انہوں نے میرے ساٹھ سالہ باپ پر بھی رحم نہیں کیا۔

۱۵ رمئی ۱۹۶۰ء کو میری گرفتاری کا وارنٹ جاری کیا گیا۔ اور مجھ پر تہمت لگائی کہ یہ مجرموں کی مدد کرتی ہے، اور جان بوجھ کر قتل کرنا چاہتی تھی۔

شکنجوں اور شاک کے ذریعہ مجھ سے جن باتوں کا اعتراف کرایا گیا تھا۔ اور انھیں صحیح قرار دینے پر مجبور کیا گیا تھا، محضر بازپرس میں بھی میں نے ان کی تکرار کی۔ اس وقت ان ہولناک تجربوں سے میرا بدن کانپ اٹھا، ان وحشتناک شکنجوں کو یاد کرتی ہوں تو میرے بدن میں رعشہ پڑ جاتا ہے۔ اس سے کہیں زیادہ وحشتناک اس بوڑھے آدمی کا حال ہے جو کہ اپنی ۲۳ سالہ بیٹی کے بدن پر مختلف شکنجوں کے نشانات دیکھتا ہے۔ اس وقت میرے والد "بنی موسیٰ" کیمپ میں قیدی کی زندگی گذار رہے ہیں۔

اس حوالات میں منتقل کرنے سے پہلے چونکہ شکنجوں اور اذیتوں کی وجہ سے میری حالت بہت نازک ہو گئی تھی اس لئے

مجبوراً ایک ہفتہ "مایو" میڈیکل میں رکھا۔ میرے شوہر عبدلی احمد کی فائل میری فائل سے الگ کر دی گئی۔ اگرچہ ہماری طرف منسوب جرائم مشترک ہیں۔ کیونکہ دونوں ایک جگہ سے بیک وقت گرفتار ہوئے تھے اور دونوں پر یہی تہمت تھی کہ ہم اس خلافِ قانون تحریک میں شریک ہیں جس کے ارکان مفرور ہیں اور ہم انھیں پناہ دیتے ہیں۔

میرا بہنوئی اب بھی الجزائر کی کوتوالی میں حوالات ہے۔ ہم دو آدمیوں کی فائل کو الگ کرنے کی دلیل بھی واضح ہے۔ میں اور میرے بہنوئی ایک دوسرے کو دیئے گئے شکنجوں کے گواہ تھے۔ ممکن ہے شکنجہ دینے والوں کو یہ خوف ہو کہ جب بھی معمولی محکمہ میں ہماری فائل کی تحقیق کی جائے تو ہم دونوں ایک ہی بات بیان کریں۔

اگرچہ میں نے چند ہفتہ پہلے محترمہ "زیزل حلیمی" کو اپنا وکیل بنایا ہے لیکن ابھی تک اس سے میری ملاقات نہیں ہو سکی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پیرس میں جو لوگ الجزائر کی مسافرت کا ویزا دیتے ہیں انہوں نے اسے تین دن سے زیادہ کا ویزا نہیں دیا ہے۔ یعنی ۱۶ مئی ۱۹۶۰ء سے ۱۹ مئی تک وہ الجزائر میں رہ سکتی ہے۔"

سیمون دوبووار نے فرانس والوں کو جمیلہ بوپاشا کی حقیقت سے آگاہ کیا تھا اور ساری دنیا والوں کے سامنے اسے ایک حرائم ندلیڈر کے عنوان سے پیش کیا تھا۔

لیکن جو مسلمان قوم موت و حیات کے دوراہے پر کھڑی تھی جو اپنا لائحہ عمل مقرر کرنے اور ذلیل کرنے والے عفریت کو موت کے گھاٹ

اتارنے کیلئے اپنی ساری طاقت جمع کرنا چاہتی ہے، جو مصائب اور محرومیت برداشت کرکے ہمیشہ سے زیادہ ثابت قدمی اور استقامت سے میدان میں آئی ہے، وہ ذلت کی زندگی کو چھوڑ کر عزت کی موت کو ترجیح دیتی ہے اور خالی ہاتھ ایمان سے سرشار، جنگی اور بمبار جہازوں کی چنگھاڑ اور توپوں کے مقابلہ میں ڈٹ جاتی ہے۔۔۔ اس کے ہزار آدمی مارے گئے اور زخمی ہوئے، اس کے بہت سے مبارز اور رہبر قید کئے گئے۔

الجزائر کے فاتح پوژدو نے حکم دیا کہ الجزائر کے جنگجو افراد جنگ اور فرار کے وقت جس غار میں پناہ لیتے ہیں اسے لکڑیوں اور خس و خاشاک سے بھردو اور پھر تیل چھڑک کر آگ لگا دو تاکہ یہ لومڑیاں جل جائیں۔

نوبت یہاں تک پہنچی کہ دیہاتوں پر بمباری، گھروں کی ویرانی کے نتیجہ میں دوملین عورتوں، بچوں اور بوڑھے مردوں نے ٹیونس میں پناہ لی۔

ظلم وستم اور نسلی تعصب اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ گیا تھا۔ ایک کاشتکاری کا کام کرنے والے مسلمان مزدور کا رات دن کی خوراک بلکہ بعض علاقوں میں صنعتی کام کرنے والے کی شب و روز کی خوراک ایک عام فرانسوی کے ناشتہ سے بھی کم ہوتی تھی۔

ان ہی حالات میں جمیلہ کی داستان نے ــــ جس کو چند فرانسوی افسروں کو بم سے اڑانے کے جرم میں پھانسی کی سزا سنائی گئی تھی ــــ دنیا کے اذہان کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور بہت سے ممالک کے سربراہوں کی وساطت سے فرانس کے صدر نے اسکی موت کی سزا کو عمر قید میں بدل دیا۔ اس نے سب سے زیادہ اثر کیا۔

سیمون دو بووار ایک مقالہ میں ــــ جو کہ جون ۱۹۶۰ء کے شمارۂ سوم کے روزنامۂ لوموند میں پیرس سے چھپا، اس کا اثر فرانس ہی میں نہیں بلکہ پوری دنیا میں ہوا تھا اور غیر معمولی آوازہ پیدا کیا تھا اور اسی کی وجہ سے جمیلہ کی تحقیق کے لئے کمیٹی بنی تھی ــــ اس طرح لکھتا ہے:

کسی بھی افتضاح میں بدترین خصوصیت ذلیل ہونے کا عادی بن جانا ہے۔ بظاہر یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک ۲۳ سالہ لڑکی ــــ جمیلہ بوپاشا ــــ کا غم انگیز واقعہ سن کر دنیا والے خاموش رہیں اور کسی ردعمل کا اظہار نہ کریں۔

ستمبر ۱۹۵۹ء میں ایک بم ــــ پھٹنے سے پہلے پن کو کھینچ کر ــــ الجزائر کے شہر "وفاکولنہ" کی ایک آب جو فروشا کی دوکان پر رکھا گیا تھا۔ اور اس واقعہ کے پانچ روز بعد جمیلہ بوپاشا کو گرفتار کیا گیا تھا۔

اب ۱۷، جون ۱۹۶۰ء میں اسے پھانسی دینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ کوئی گواہ نہیں ہے کہ اس نے یہ جرم کیا ہے اور اس جرم پر کوئی دلیل نہیں ہے، جمیلہ کو سزا دینے کیلئے خود اس کی زبان سے اقرار جرم ہونا چاہئے اور وہ اقرار کر چکی ہے۔

آخر میں جمیلہ کی طرف سے باز پرس کرنے والے کو، جو شکایت نامہ دیا گیا۔ اس سے ان اعترافات کی حقیقت آشکار ہوگئی، لڑکی جو حالات بیان کئے تھے ان میں اعتراف کرنا ناگزیر تھا۔

جن گواہوں کے جمیلہ نام اور پتے بتائے تھے وہ جمیلہ کی رپورٹ کی تائید کرنے پر تیار تھے۔ متہم لڑکی اور اس کی وکیل محترمہ ژیزل حلیمی نے یہ درخواست دی تھی کہ، دادرسی شروع ہونے سے پہلے حکام ــــ مقامات مسئول ــــ کی طرف سے مکمل تحقیق ہونی چاہئے اور ان امور کو ثابت کیا

جانا چاہیئے جن کی شکایت کی گئی ہے۔ جمیلہ اور محترمہ زینرل، کی رپورٹ کے مطابق اصل واقعہ یہ ہے:

۱۹۶۰ء گیارہ فروری کی صبح کو تقریباً گشتی اور کو توالی کے ۵۰ سپاہیوں نے جمیلہ اور ان کے والدین کے رہائشی مکان پر حملہ کیا، جمیلہ، اس کے باپ اور بہنوئی کو بہت زیادہ مارا اور پھر تینوں کو "ال بیار" جیل لے گئے۔ جیل میں چند سپاہیوں نے انھیں لات اور گھونسوں سے مارا جس سے جمیلہ کا ایک پیر بیکار ہو گیا۔

پانچ دن کے بعد انھیں "حسین دی" جیل میں منتقل کیا گیا۔ یہاں انہوں نے دوسرے درجہ کا شکنجہ دیا، جمیلہ کے پستان پر ٹیپ کے ساتھ بجلی کے الیکٹرون چپان کر دئے گئے۔ پھر پیروں اور اندام نہانی سے بجلی وصل کر دی گئی۔ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر بجلی کا شاک لگایا جاتا تھا، سگریٹوں سے جلایا جاتا تھا اور لات، گھونسوں سے مارا جاتا تھا۔ اس کے بعد اس کا بدن ایک تختہ سے باندھ دیا گیا اور ایک پانی کے ٹب پر معلق کر دیا گیا۔ بارہا اسے پانی میں غوطہ دیا گیا۔

جو لوگ اس سے پوچھ گچھ کر رہے تھے، انہوں نے اس سے کہا: کوئی شخص بھی تم سے برا فعل نہیں کرے گا، ہمیں ڈر ہے کہ کہیں اس سے تمہیں لطف نہ ملے، ایک گواہ نے ــ کہ جس کا نام و پتہ معلوم ــ جمیلہ کو "حسین دی جیل میں" بے ہوش اور خون آلود دیکھا ہے۔ ان شکنجوں کے کہ جب اس کی سانس میں بھی اعتدال نہیں تھا اسے اس کے ساٹھ سالہ باپ کے حوالہ کر دیا گیا۔

جمیلہ کو ۲۳ دن تک غیر قانونی طور پر ایک جیل خانہ میں رکھا گیا اور وہاں سخت سزائیں دی گئیں اس مدت میں کسی حاکم یا ذمہ دار نے اس پر زیادتی کرنے والے سپاہیوں کو منع نہیں کیا۔

اپنی موکلہ سے رابطہ قائم کرنے اس سے خط وکتابت اور اس کی فائل کا مطالعہ اور دفاعی لائحہ عمل فراہم کرنے کیلئے محترمہ حلیمی کے پاس صرف تیس گھنٹے تھے۔

کیا جمیلہ کی عدالت کے قاضیوں کو یہ اجازت دیدی جائے کہ وہ جمیلہ ان اعترافات سے غلط فائدہ اٹھائیں جو کہ ان سے مار مار کر لیتے تھے؟ بے شک جمیلہ، اس کے باپ اور بہنوئی کو دی جانے والی سزاؤں کو کوئی بھی فراموش نہیں کر سکتا ہے ـــ جمیلہ اور اس کی فائل کے ماجرے کو بہت پہلے سے دیکھنا پڑے گا تا کہ وہ حالات واضح ہو جائیں جن میں اس نے یہ اعترافات کئے تھے۔

جب تک فرانس کے حکام اس کام کو انجام نہیں دیں گے۔ اس وقت تک الجزائر میں عدالت کی حقیقت ایک باطل سراب سے زیادہ نہیں ہے۔ وہ برخلاف ان نصیحتوں کے جو کہ عوام کو فریب دینے کیلئے نشر کرتے ہیں، اس بات پر راضی ہو گئے ہیں کہ شکنجہ واذیتوں کو عدلیہ کی کوشش کا اصلی عنصر قرار دیدیں۔

قطع نظر ان شکنجوں سے جو کہ جمیلہ اس کے والد اور بہنوئی کو دیئے گئے ہیں اس کی والدہ پر فوجیوں نے حملہ کیا تھا۔ جمیلہ کے گواہ اس کے حق میں گواہی دینے کیلئے تیار ہیں۔ لیکن انھیں اپنی جان کا خوف ہے جیسا کہ انھیں پولیس والوں کے ہاتھوں بہت سے صدمات پہنچے ہیں۔

اور کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ فرانس کی حکومت کو چاہیئے کہ ان لوگوں کی جان کی حفاظت کرے جو کہ اپنے لئے خطرہ محسوس کرتے ہیں۔

کیا فرانس والے جمیلہ کو حوالات میں ڈالنے والوں کو یہ اجازت دیں گے کہ وہ اطمینان سے اپنے حیوانی مظالم کا سلسلہ جاری رکھیں؟ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ ان گستاخ لوگوں کو یہ بتا دیا جائے کہ اب الجزائر میں زیادتی و مظالم کا زمانہ نہیں ہے؟

فرانس کی حکومت نے ان ہولناک جرائم کے سامنے تسلیم ہو کر پوری ملت فرانس کے ساتھ خیانت کی ہے۔ جب کسی ملک کے سربراہ یہ طے کر لیتے ہیں کہ ملک کے نام پر ہر ظلم کیا جا سکتا ہے تو اس ملک کے ہر باشندہ کو ظالم کہا جاتا ہے۔ جمیلہ کا ماجرا فرانس کے ہر شریف آدمی سے تعلق رکھتا ہے اگر حکومت لیت و لعل سے کام لے رہی ہے تو اس وقت عوام کو چاہیئے کہ وہ حکومت پر زور دے تاکہ وہ جمیلہ کی دادرسی میں عجلت سے کام لے۔

فرانس والوں کو اپنی حکومت سے یہ مطالبہ کرنا چاہیئے کہ وہ شکنجوں اور اذیتوں کے بارے میں جن حقائق کا انکشاف کرنا چاہتی ہے ان میں اس کی مدد کی جائے اور اس کی جان و مال، خاندان اور اس کے دوستوں کی جان کی حفاظت کی جائے اور اسے شکنجہ دینے والے جلادوں کو سخت سزائیں دی جائیں اور ان کے بارے میں قانون سے چشم پوشی نہ کی جائے۔

ہم یہاں جمیلہ کی وکیل محترمہ ژیزل حلیمی کی تحریر کا ترجمہ پیش کرتے ہیں:

جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ جمیلہ کو شکنجہ دینے میں بہت عجلت سے کام لیا گیا ہے اور کسی اصول کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے تو میں ٹیکسی میں سوار ہوئی اور

"باربروس" کی جیل پہنچی ۔ اس وقت جمیلہ کا چہرہ پہلے سے زیادہ بشاش تھا قمیص بدل چکی تھی، لیکن شلوار وہی تھی ۔ اس دفعہ اس کا چہرہ پہلی ملاقات کی بہ نسبت بہت زیادہ بشاش نظر آیا ۔ اندوہ و پریشانی کے آثار نہیں تھے ۔ بال سنوار دیئے گئے تھے ۔ مجھے متوجہ دیکھ کر کہنے لگی :

"میری بہن زکیہ نے میرے بالوں کو سنوارا ہے ۔ اسے بھی شکنجہ دیا گیا ہے اس شکنجہ کے آثار ابھی اس کے چہرہ پر باقی ہیں ۔"

جمیلہ خوب چہک کر بول رہی تھی ۔ ایک روز قبل بھی میں اس سے ملاقات کیلئے گئی تھی، اس وقت افسردہ و رنجیدہ تھی، لیکن آج اس میں بچگانہ شوخیاں تھیں، کہہ رہی تھی :

"کل محاکمہ کے اجلاس میں کیا کہنا چاہیئے ؟ میں حفاظتی پولیس کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہنا چاہتی ..." اس کے بعد سخت لہجہ میں کہتی ہے :

"سیاسی لحاظ سے میں جانتی ہوں کہ کیا کہنا چاہیئے ۔ لیکن میں ایسی بات ہرگز نہیں کہوں گی کہ جس سے میرے عقیدہ کا بدل جانا ثابت ہو ۔"

اس کے بعد اس نے یہ کہا :

"میں نے اپنے ملک کے استقلال و خود کفائی کے لئے جنگ کرنے کا ارادہ کیا ہے ۔" میں نے جمیلہ کے ایک جملہ کی گہرائی کا اندازہ لگایا اور کہا : کیوں ؟ جمیلہ نے مجھے حیرت زدہ نگاہوں سے دیکھا : "کیوں ؟ اس لئے کہ میرا جہاد عادلانہ ہے، اس لئے کہ ہم ایک دن کامیاب ہو جائیں گے ۔" میرا دل چاہتا تھا کہ اس بارے میں اس سے بحث کروں ۔ ہر بات سے پہلے میں یہ جاننا چاہتی تھی کہ جمیلہ نے اپنی زندگی میں سیاسی مبارزہ کو کیوں انتخاب کیا ہے ؟

وہ کہہ رہی تھی: میں نے "بنی مسوس" ہسپتال سے — کہ کچھ دنوں تک میں وہاں تھی — کچھ دوائیاں چرائی تھیں تاکہ اپنے روپوش اور مجاہد بھائیوں کیلئے لے جاؤں مجاہدوں کے لئے دوائیاں چرائی تھی۔ یہ تھا میرا بنیادی کام۔ میرے لئے یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ جب تک انسان کے دل میں وطن کی خدمت کا جذبہ نہیں ہوگا اس وقت تک وہ کوئی مثبت ومفید کام انجام نہیں دے سکتا ہے۔

دوائیاں چرانے کے بعد میں نے مجاہدین سے رابطہ قائم کرنے کی ذمہ داری کو انجام دیا پھر اطلاعات حاصل کرنے کا فریضہ انجام دیا۔ یہاں تک کہ اپنے کمرہ میں محاذ کے بعض ذمہ داروں کو پناہ دی اور انھیں مخفی رکھا۔

اس کے بعد اس نے بلند حوصلگی کے ساتھ کہا: کیا آپ جانتی ہیں کہ ایک لڑکی اپنے کمرہ میں کتنے مردوں کو پناہ دے سکتی ہے۔ یہ چیز آپ الجزائر میں دیکھ سکتی ہیں، وہاں ایسے بہت سے نمونہ مل جائیں گے۔ لیکن محاذ کے رکن بہن، بھائی ایک کمرہ میں ایک دوسرے پر دست درازی کئے بغیر رہ سکتے ہیں۔

ہماری ایک عدالت ہے جو کہ لڑکیوں اور عورتوں پر تجاوز کرنیوالے مردوں کو سخت سزا دیتی ہے۔

مذہبی معاملات میں جمیلہ سخت متعصب تھی اور یہ چیز میرے لئے باعث تعجب نہیں تھی۔ اس نے پھر اپنی پہلی باتیں چھیڑ دیں، ناگہاں اس کا چہرہ تمتمانے لگا آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی، کہنے لگی: آپ یہ سمجھتی ہیں کہ میں ابھی تک باکرہ ہوں چونکہ کسی مرد سے نہ سہی ... مگر سیل سے..." اس وقت جیل کی ایک عورت آگئی اور جمیلہ خاموش ہو گئی۔

ملاقات کا وقت ختم ہونے والا ہے۔ میں نے جمیلہ کی باتوں کو قلم بند کر لیا

اور اس کی دوسری کاپی بھی بنائی تاکہ اس کے دو نسخے میرے پاس رہیں۔ جمیلہ کی یہ باتیں وہ شکایت تھی جو بازپرس کرنے والے سے خطاب کے طور پر کی جاسکتی تھیں۔ تاریخِ شکایت کا ذکر بھی ضروری تھا۔ اس پر جمیلہ کے دستخط بھی ہونے تھے۔ جمیلہ نے فونٹین پین اٹھایا اور پوچھا: جمیلہ بوپاشا لکھوں یا صرف دستخط کر دوں؟ جو بھی تمہاری عادت ہے لکھ دو! اس نے اپنے مخصوص انداز میں واضح طور پر لکھا:

جمیلہ بوپاشا، الجزیرہ میں محبوس، قیدی نمبر ۳۱۱۷۱۔ مئی ۱۹۶۰ء

آخر کار جمیلہ پیرس کی جیل میں منتقل کر دی گئی۔ محترمہ ثریا حلیمی نے جیل میں اس کے پاس سوکھے پھولوں کا گلدستہ بھیجا۔

جمیلہ کی نجات اور اس کے احقاق حق کے سلسلہ میں جو کوششیں ہو رہی تھیں ان کے نتیجہ میں جمیلہ کی سولی کی سزا عمر قید کی سزا میں تبدیل ہو گئی۔ جیل کا ماحول بھی بدل گیا، جنگ کا میدان بن گیا تھا وہاں قیدیوں نے ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ جمیلہ اور اس کے دوسرے ساتھیوں کو امید تھی کہ ان کی جنگ ایک دن انھیں کو نہیں بلکہ استعمار کے چنگل میں پھنسی ہوئی ملّت کو نجات دلائے گی اور ایسا ہی ہوا۔ الجزائر آزاد ہو گیا۔ جمیلہ سرفرازی کے ساتھ اور الجزائر کی آزادی کے ساتھ اپنے وطن لوٹ آئی۔

خون کی بارش ہو تو تعجب کی بات نہیں ہے! لیکن آخر کار رسوا کرنے والا عذاب بہت زیادہ سخت ہے اور جن پر عذاب ہوگا ان کا کوئی مددگار نہیں ہے! دنیا کی چند روزہ مہلت تمہیں غفلت میں نہ ڈالے، خدا ظالموں کی گھات میں ہے اور کوئی بھی اس کے ہاتھ سے بچ نہیں سکتا۔"

اس پر شکوہ خطبہ کے بعد ان کی طرف سے منھ پھرا لیا۔ مجمع دریائے حیرت میں ڈوبا ہوا تھا۔ سب دانتوں سے اپنے ہاتھ کی انگلیاں کاٹ رہے تھے۔ خاندانِ جعفی کا ایک ضعیف العمر آدمی، کہ جس کی داڑھی آنسوؤں سے تر تھی، کہہ رہا تھا:

"اس خاندان کے بوڑھے اور عورتیں دوسرے خاندان کے بوڑھوں اور عورتوں پر برتری رکھتی ہیں اور ہرگز رسوا نہیں ہوتے ہیں[1]"

دمشق میں داخلہ کے وقت شمر کو طلب کیا اور فرمایا: یہ دمشق ہے، ہمیں ایسے دروازہ سے شہر میں لے چلو کہ جہاں تماشائیوں کی تعداد کم سے کم ہو۔ شہیدوں کے سر ہم سے الگ رکھو تاکہ دیکھنے والے سروں کی طرف متوجہ رہیں اور حرمِ رسولؐ پر ان کی نگاہیں مرکوز نہ ہو سکیں[2]

شمر نے آپ کی یہ بات سن کر حکم دیا کہ سروں کو محملوں سے قریب کر دو۔ اور انھیں دروازۂ ساعات سے — کہ جہاں بے پناہ مجمع تھا — شہر میں داخل کرو تاکہ زیادہ تماشا دیکھیں۔ باوجودیکہ دمشق مرکزِ خلافت تھا

---

[1] کہولھم خیر الکہول ونساؤھم خیر النساء اذ اعز نسل لا یبور ولا یخزی
[2] کتاب لہوف۔

قال رسول اللہ ص:

اَلْجَنَّةُ تَحْتَ

اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ

رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا:

جنّت ماں کے پاؤں

کے نیچے ہے۔

انصاریان پبلیکیشنز

پوسٹ بکس نمبر ۳۷۱۸۵-۱۸۷

قم جمہوری اسلامی ایران

ٹیلی فون نمبر ۷۴۱۷۴۴

اور یزید نے پوری طاقت کے ساتھ اس پر کنٹرول کر رکھا تھا۔ جب تک ام کلثوم اس شہر میں رہیں حقیقت کو بیان کرتی رہیں اور یزید کی حکومت اور اس کے کارندوں سے جرأت کے ساتھ مبارزہ کرتی رہیں۔

آخر کار حریت پسندوں کے سردار امام حسینؑ کے پسماندگان کو رہائی ملی اور وہ اپنے اصلی وطن مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مدینہ اسلام کے مقدس ترین شہروں میں سے ایک ہے، اس شہر سے رسول اسلام نے وحی کے ملکوتی ساز کو لوگوں کے کان تک پہنچا اور اس شہر میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی جس دن اس شہر سے حسینی قافلہ چلا تھا اس دن دنیائے اسلام کیلئے جاہلیت کے تاریک دور کی طرف بازگشت کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ امت کی زمام ایک اموی کے ہاتھوں میں پہونچ گئی تھی اور اموی اسلام و بنی ہاشم کے سخت دشمن تھے۔

امام حسین علیہ السلام نے اسلام و مسلمانوں کی حفاظت کے پیش نظر اس رجعت پسند حکومت کی اطاعت نہ کی اور مدینہ سے مکہ اور وہاں سے عراق چلے گئے عراق میں سرزمین کربلا پر حسین علیہ السلام اور آپ کے پاک دامن و جرأت مند اصحاب و انصار کو یزید کی فوج نے شہید کر دیا۔ ان کی عورتوں اور بیٹیوں کو اسیر کر لیا۔ شہادت و اسیری دو قوی عامل تھے جنھوں نے یزید کی حکومت کو متزلزل کر دیا کیونکہ ملت اسلامیہ کی نابودی کے لئے سب سے بڑا خطرہ عام لوگوں کی حالات سے بے خبری اور روشن فکر طبقہ کی خاموشی تھی۔ شہادت اور اس کے بعد لرزا دینے والے اسیری کے پروگرام نے عوام کو بیدار کر دیا اور روشن فکر طبقہ کے منہ پر لگی ہوئی مہر سکوت کو توڑ دیا حسین ابن علی

کے لئے ۔ جو کہ اپنے نانا اور والد و بھائی کے اسلام اور مسلمانوں کے محافظ تھے۔ یہ عظیم کامیابی تھی۔

جب اسیروں کا قافلہ مدینہ کے قریب پہونچا تو ام کلثوم نے طولانی سفر اور قافلہ کی پر آشوب روداد اہل مدینہ کو سنائی ۔ مدینہ والوں نے شہادت و اسیری کے کم و بیش حالات سنے تھے لیکن اس روداد کو کسی ایسے آدمی سے سننا چاہتے تھے جو روانگی کے وقت سے واپسی تک ساتھ رہا ، جس کے سامنے تمام حوادث گزرے ہوں۔

آپ فرماتی ہیں :

"نانا کے مدینہ ! ہمارا آنا قبول نہ کر ، بہت رنج و محن کے ساتھ واپس آئے ہیں ۔ رسولؐ کو خبر کر دے کہ ہم اپنے بھائی کے غم میں مبتلا ہیں ۔ ہمارے مردوں کے جسد سر بریدہ کربلا میں چھوڑ دیئے گئے ہمارے بیٹوں کے سر قلم کر لئے گئے ، ہمارے نانا سے بتا دیجئے کہ ہمارا مال و اسباب لوٹ لیا گیا اور ہمیں اسیر کیا گیا ۔

اے اللہ کے رسولؐ ! آپؐ کے عزیزوں کے جسد بے گور و کفن کربلا کی سرزمین پر چھوڑ دیئے گئے ۔ اے اللہ کے رسولؐ ! حسینؑ کا سر قلم کر لیا گیا اور آپؐ کی حرمت کا خیال نہ رکھا گیا ۔ زینبؑ کو خیمہ سے باہر نکالا گیا اور فاطمہ کو رلایا گیا ۔ سکینہ روتی تھی اور کائنات کے پروردگار سے فریاد رسی کی دعا کرتی تھی ، عابدؑ کے ہاتھ پاؤں میں زنجیر پہنائی ۔ انھیں قتل کرنا چاہتے تھے ۔ یہ ہے ہمارے سفر کی روداد ۔ سننے والو ! ہمارے حال پر گریہ کرو ۔"

اس کے بعد اپنی والدہ حضرت فاطمہ زہراؑ کی قبر پر گئیں اور آہ و گریہ کے ساتھ کہا : " اے فاطمہؑ ! کاش آپ دیکھتیں کہ آپ کی بیٹیوں کو قید کر کے

کس طرح تہر بہ تہر پھرایا گیا اگر آپؑ کی عمر وفا کرتی تو اس مصیبت پر آپؑ قیامت تک روتیں :

حضرت علیؑ کو ابن ملجم نے ضربت لگائی اور آپؑ کو گھر اٹھا لائے تو اس وقت آپ کے سر کے پاس لبابہ اور پائے مبارک کے پاس ام کلثوم بیٹھی تھیں۔ حضرت علیؑ نے آنکھیں کھول کر ام کلثوم کی طرف دیکھا اور فرمایا :

"اب میں خدا کی طرف جا رہا ہوں۔ بہترین اور اطمینان و آرام کی جگہ کوئے دوست ہے۔"

اس پر حضرت ام کلثوم کے نالہ کی آواز بلند ہو گئی۔ اس کے بعد ابن ملجم کو مخاطب کر کے کہا :

اے دشمنِ خدا ! تو نے امیرالمؤمنینؑ کو قتل کر دیا ؟!!

ابن ملجم نے کہا :

آپ کے والد کو میں نے ہی قتل کیا ہے۔

فرمایا :

مجھے امید ہے کہ وہ خطرہ سے بچ جائیں گے۔

ابن ملجم نے کہا :

کچھ دیر بعد آپ ان کے غم میں روئیں گی۔ میں نے ایسی ضرب لگائی ہے کہ اگر وہ تمام اہل کوفہ پر پڑتی تو سب ہلاک ہو جاتے۔

حضرت

شہر بانو

امام زین العابدینؑ کی والدہ

شہر بانو ایران کے بادشاہ یزدجرد ساسانی کی بیٹی اور امام زین العابدینؑ کی والدہ ہیں۔ عمر کے زمانۂ خلافت میں اسلام و ایران کے درمیان ہونے والی جنگ میں اسیر ہو کر مدینہ آئیں۔ عمر انھیں کنیزی میں فروخت کرنا چاہتے تھے۔ علیؑ نے فرمایا: "شہزادی و شہزادوں کو — اگرچہ کافر ہی ہوں — بیچنا نہیں چاہیئے۔ انھیں ان کی حالت پر چھوڑ دو تاکہ مسلمانوں میں سے کسی کو اپنی ہمسری کے لئے پسند کرلیں۔

شہر بانو نے امام حسین علیہ السلام کو پسند کیا۔ حضرت علیؑ نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ ان کا احترام و خیال رکھنا۔ اس مبارک شادی کا ثمرہ امام علی بن الحسین ہیں۔ تاریخ اسلام میں یہ بھی ہے کہ شہر بانو کے ہمراہ اُنکی بہن کیہان بھی تھی جو محمد بن ابی بکر کے حبالۂ نکاح میں آئی، اس سے قاسم پیدا ہوئے اس بنا پر امام زین العابدین اور قاسم آپس میں خالہ زاد بھائی ہیں۔

اہل مدینہ کنیزوں سے شادی، نکاح نہیں کرتے تھے۔ امام حسین علیہ السلام کے اس انسانی اقدام سے تدریجاً یہ رسم بد ختم ہو گئی اور مسلمانوں میں کنیزوں سے عقد

کرنے کا رواج ہوگیا۔ شہر بانو کا اپنے بیٹے زین العابدین کی ولادت کے بعد ہی انتقال ہوگیا تھا۔ بچہ کی پرورش دیگر عورتوں نے کی تھی۔

امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں:

"میں دو بڑی ہستیوں کا بیٹا ہوں۔"

کیونکہ رسولؐ آپ کے جد اور شہر بانو والدہ تھیں۔

ابوالاسود دئلی کہتے ہیں:

وان ولیداً بین کسریٰ وهاشم   لاکرم من نیطت علیه التمائم

جو بچہ کسریٰ و ہاشم کی نسل سے پیدا ہوا ہے وہ سب سے زیادہ عظیم و شریف ہے!

۱؎ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں دانشمند محترم جناب مطہری کی کتاب "خدمات متقابل ایران واسلام"۔

اُمّ عبداللہ، فاطمہ

امام محمّد باقر علیہ السلام کی والدہ

فاطمہ امام حسنؑ مجتبیٰ کی دختر ہیں، ابن عم امام زین العابدین سے شادی ہوئی اس مبارک شادی کا ثمرہ رسولؐ کے پانچویں جانشین اور روئے زمین پر حجت خداوہ امام ہیں جن کا لقب باقر العلوم ہے، حقا کہ آپ علوم کی تہوں تک پہونچنے والے ہیں امام صادق علیہ السلام نے ان کے بارے میں فرمایا:

كانت صديقة لم يدرك في آل الحسن مثلها

وہ ایسی صدیقہ تھیں کہ امام حسنؑ کی اولاد میں ان کی نظیر نہ تھی

امام محمّد باقرؑ اپنی مادر گرامی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ایک روز وہ ایک دیوار کے نیچے بیٹھی تھیں کہ اچانک دیوار سے آواز آئی.. وہ اپنی جگہ سے اٹھیں، دیوار گرنے ہی والی تھی. لیکن میری والدہ نے اشارہ کر کے فرمایا: رسولؐ کی قسم، خدا نے تجھے گرنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ دیوار اپنی جگہ رک گئی یہاں تک کہ آپ وہاں سے چلی گئیں تو میرے والد امام زین العابدینؑ سو اشرفیاں تصدق کیں۔

امام محمّد باقرؑ کو اس پدری و مادری نسب کی بلندی کی وجہ سے ابن الخیر تین علوی، بین العلویین کہتے تھے۔ اگرچہ مورخین نے اس عظیم خاتون کے متعلق

بہت کم لکھا ہے لیکن چونکہ امام محمد باقرؑ چار سال کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ کربلا میں موجود تھے۔ اس لئے قوی احتمال ہے کہ آپؑ کی والدہ بھی کربلا میں تھیں کیونکہ یہ بعید ہے کہ ایک چار سالہ بچہ ماں کے بغیر کربلا آیا ہو۔ بنا برایں فاطمہ بنت الحسن اپنے چچاؤں اور بھائیوں کی شجاعت وجرأت اور میدان کربلا کی شاہد ہیں، اسیری میں بھی آپ شریک ہونگی۔

سلام ہو ان کے والد، چچا، اجداد اور ان کی اولاد پر۔

ملاحظہ فرمائیں سفینۃ البحار، مادہ حمد، منتہی الامال، حالات امام باقرؑ، کافی ج ۱ ص ۴۶۹

جناب اُمِ فروہ

امام جعفر صادقؑ کی والدہ

آپ کا نام قریبہ بقولے فاطمہ، قاسم بن ابی بکر کی بیٹی، امام محمد باقرؑ کی شریکِ حیات اور امام جعفر صادق کی والدہ ہیں۔ اسی لئے امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ابوبکر سے میرا دہرا رشتہ ہے۔ سید شریف رضی کہتے ہیں:

"قاسم بن محمد کی بیٹی کے بیٹے کیلئے بے پناہ فخر و سرفرازی ہے۔"[1]

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"میری والدہ با ایمان متقی اور نیکوکار عورتوں میں سے ایک تھیں اور خدا نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے۔"

نیز فرماتے تھے:

"میری والدہ نے میرے والد سے نقل کیا ہے، آپؑ نے فرمایا: میں دن رات میں دو ہزار گناہگار شیعوں کے لئے دعا کرتا ہوں ہم ان بلاؤں پر صبر کرتے ہیں جن کے نتیجہ سے واقف ہوتے ہیں

---

[1] سفینۃ البحار "فرد" منتہی الآمال۔ حالات امام صادقؑ کے ذیل میں۔ کافی ج ۱ ص ۴۶۶ - ص ۴۶۷

اور وہ نتیجہ نہ جاننے کی وجہ سے صبر کرتے ہیں۔"

جس وقت ام فروہ کعبہ کے طواف میں مشغول تھیں۔ بائیں ہاتھ سے حجر اسود کو چھوا تو ایک آدمی نے کہا: "یہ صحیح نہیں ہے"۔ فرمایا: ہم تمہارے علم سے بے نیاز ہیں۔

منقول ہے کہ آپؑ اپنے زمانہ کی تمام عورتوں سے زیادہ متقی تھیں۔ آپؑ کی عظمت کا یہ عالم تھا کہ کبھی کبھی لوگ امام صادق کو "ابن المکرمہ" کہتے تھے ایک مرتبہ آپ کے خسر یعنی امام زین العابدینؑ نے ان سے فرمایا:

اے ام فروہ! میں رات دن میں گنا ہگار شیعوں کے لئے سو مرتبہ دعا کرتا ہوں، ہم اس پر صبر کرتے ہیں جس کا ہمیں علم ہوتا ہے اور وہ اس پر صبر کرتے ہیں جو وہ نہیں جانتے۔[1]"

---

[1] سفینۃ البحار، مادہ "فرو" منتہی الامال، حالات امام صادقؑ کے ذیل میں کافی ج ا ص ۴۶۶ ۔ ۴۶۷

جنابِ حمیدہ

امام موسیٰ کاظمؑ کی والدہ

شیعوں کے عظیم و معصوم ائمہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ لوگوں کو کنیزوں سے نکاح کرنے کی تشویق کرتے تھے۔ امام موسیٰ کاظم فرماتے تھے:

اتخذوا القیان فان لھن فطنا و عقولا لیست لکثیر من النساء

کنیزوں کو شریک حیات بناؤ، ان میں ایسی عقل و ذہانت ہوتی ہے کہ جو بہت سی آزاد عورتوں میں بھی نہیں ہوتی۔

شیعوں کے معصوم امام کنیزوں سے نکاح کرنے کی تشویق ہی نہیں کرتے تھے بلکہ انھیں حبالۂ نکاح میں لانے میں خود بھی پیش قدمی کرتے تھے۔

امام موسیٰ کاظمؑ کی والدہ ان کنیزوں میں سے ایک تھیں کہ جنھیں پرانے بردہ فروش مدینہ کے بازار میں بیچنے کے لئے لائے تھے۔ بعض نے انھیں اندلسی بعض بربری، کچھ رومی اور چند لوگوں نے عجمی کہا ہے۔ ان کا نام حمیدہ اور لقب لؤلؤہ تھا۔ معلّی بن خنیس نے ان کے بارے میں ان کے شوہر امام جعفر صادقؑ کا قول نقل کیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

حمیدة مصفاة من الادناس لسبیکة الذهب ما زالت الاملاک تحرسها حتی ادیت الیّ کرامة من الله لی ولحجتہ من بعدی۔

حمیدہ اس خالص کندن کئے ہوئے سونے کی مانند ہیں کہ جس میں کسی قسم کی کھوٹ نہیں ہوتی وہ بردہ فروشوں کے درمیان میں دست بدست ہوتی رہیں یہاں تک کہ خدانے مجھ پر اور میرے بعد اپنی حجت پر لطف کیا کہ انھیں میرے پاس لایا گیا۔

ابن عکاشہ اسدی امام محمد باقرؑ کی خدمت میں شرفیاب ہوئے، آپ نے انگور سے ان کی تواضع کی۔ اس موقعہ پر ابن عکاشہ کی نظر امام صادقؑ پر پڑی۔ عرض کی: امام صادقؑ کی شادی کیوں نہیں کر دیتے؟! وہ بالغ وجوان ہوگئے ہیں، شادی ہوجانا چاہیئے۔ آپؑ نے فرمایا: میں بھی ان کا نکاح کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اس کے بعد ابن عکاشہ سے فرمایا: عنقریب بربر سے بردہ فروش آئیں گے، منزل میمون میں ٹھہریں گے۔ میرا ارادہ ہے کہ سونے کی اس تھیلی سے ایک کنیز خریدوں۔

چند روز کے بعد ابن عکاشہ بعض احباب کے ساتھ پھر امام محمد باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؑ نے بردہ فروشوں کے آنے کی اطلاع دی اور فرمایا کہ: اسی تھیلی سے ایک کنیز خریدو۔ سب خوشی خوشی بردہ فروشوں کی تلاش میں نکل گئے۔ لیکن جب بردہ فروش سے کہا کہ کنیز چاہیئے تو اس نے کہا کہ کنیزیں فروخت ہوگئیں صرف دو بیمار کنیزیں دکھاتا ہے۔ انھوں نے اچھی کنیز کا انتخاب کیا لیکن بردہ فروش نے کہا: ستر دینار سے کم قیمت پر فروخت نہیں کرنگا

اس قیمت پر یہ بھی تیار نہ ہوئے۔ بہت ردوکد کے بعد کسی نے کہا: تھیلی کھول کر گنو! کتنے دینار ہیں۔ تھیلی سے جتنی رقم برآمد ہوگی اسی پر معاملہ طے ہوجائے گا تھیلی کھول کر دینار شمار کرنے لگے۔ بردہ فروش نے کہا: پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، ایک دینار بھی کم ہوگا تو بھی نہیں دوں گا۔ لیکن جب دینار گنے گئے تو پورے ستّر نکلے۔ کنیز خرید کر امامؑ کی خدمت میں لائے۔ آپ مسرور ہوئے اور خدا کی حمد بجالائے۔ پھر کنیز سے دریافت کیا:

تمہارا کیانام ہے؟

کنیز نے شرماتے ہوئے کہا:

"حمیدہ"

امامؑ نے فرمایا:

حمیدة فی الدّنیا محمودة فی الآخرہ

"تم دنیا میں حمیدہ اور آخرت میں محمودہ ہو۔"

اس کے بعد حمیدہ امام جعفر صادقؑ کو بخش دی گئی۔ امام صادقؑ نے ان سے نکاح کرلیا اور ان کی عزت افزائی کی۔

علوی عورتوں میں ان کا بہت احترام کیا جاتا تھا۔ عصمت وطہارت کے گھر میں ان کی عمر گذرنے کے ساتھ ساتھ علم ومعرفت اور کمال میں اضافہ ہوتا چلاگیا۔ اسی لئے امام صادقؑ نے ان سے فرمایا تھا کہ مسلمان عورتوں کو دینی احکام اور اسلامی معارف کا درس دیا کرو۔

اس مبارک شادی کا ثمرہ رسولؐ کے بعد لوگوں کے درمیان خدا کی ساتویں حجت ہیں۔ حج کے سفر میں اپنے شوہر نامدار کے ہمراہ تھیں، شکم میں

معصوم بچہ کی پرورش کر رہی تھیں۔ حج کے اعمال سے فارغ ہونے کے بعد، مدینہ کی واپسی پر منزلِ ابواء پر حمیدہ نے محسوس کیا کہ وضع حمل کا وقت قریب آگیا ہے۔ امام صادقؑ نے فرمایا کہ : وضع حمل سے مجھے مطلع کر دینا۔ حمیدہ نے امام صادقؑ کے پاس قاصد بھیجا اور حالات سے امام کو مطلع کیا۔ آپؑ تشریف لائے اور تھوڑی دیر بعد خوشحال واپس لوٹے اور دوستوں سے بتایا کہ خداوند عالم نے آپؑ کو بیٹا عطا کیا ہے۔ ساتویں امام نے ۱۲۸ سنہ ھ اور بقولے ۱۲۹ سنہ ھ کو عبد الملک کے زمانہ خلافت میں ولادت پائی۔

امام صادق نے حمیدہ کے نوزاد کے بارے میں فرمایا :

قد وهب الله لی غلاماً وهو خیر من برأ الله

خدا نے مجھے ایسا بیٹا عطا کیا ہے جو خدا کی مخلوقات سے افضل ہے

اس کے بعد اپنے اصحاب سے فرمایا :

فدونکم فو الله فو الله هو صاحبکم

اسے نہ چھوڑنا خدا کی قسم یہ تمہارا سرور و آقا ہے۔

ابوا میں چند روز قیام کے بعد امام صادقؑ مدینہ تشریف لائے اور بیٹے کی ولادت کی خوشی میں تین روز تک عام لوگوں کو کھانا کھلایا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ حمیدہ عفت دفقہ اور کمال کے لحاظ سے اپنے زمانہ کی عورتوں میں بے نظیر تھیں۔

جناب خیزران

امام علی بن موسیٰ الرضاؑ کی والدہ

آپ عقل مند، دین دار اور عجم کے بڑے گھرانہ سے تعلق رکھتی تھیں.

امام موسیٰ بن جعفر کی والدہ نے بیٹے سے فرمایا: "اس کنیز سے نکاح کر لیجئے"[۱]

نیز کہا:

میں نے اس سے بہتر کنیز ہرگز نہیں دیکھی۔ مجھے یقین ہے کہ خدا اس کی نسل کو پاک قرار دے گا۔ اسے میں نے آپ کو بخش دیا" جب ان کے بطن سے امام رضا علیہ السلام نے ولادت پائی تو آپ کا نام طاہر رکھا گیا۔ خیزران نے کہا کسی ایسی عورت کو تلاش کیا جائے جو دودھ پلانے میں میری مدد کرے۔

کیا تمہارا دودھ کم ہے؟"

عرض کی:

"میرا دودھ کم نہیں ہے لیکن جب سے بچہ پیدا ہوا ہے اس وقت سے میری عبادت میں کمی آگئی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ میری عبادتوں میں کمی واقع نہ ہو۔"

آپ کا اصلی نام "تکتم" تھا جیسا کہ شاعر نے امام رضا علیہ السلام کی مدح کرتے ہوئے کہا ہے:

"طینت، آباو اجداد اور قبیلہ کے لحاظ سے سب سے بلند و بالا علی رضاؑ ہیں۔ مظہر علم و حلم، آٹھویں امام اور حجت خدا، تکتم کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں۔[1]"

امام موسیٰ کاظمؑ کی والدہ حمیدہ فرماتی ہیں:

"جب میں یہ کنیزہ خرید چکی تو میں نے رسولِ اکرمؐ کو خواب دیکھا کہ فرماتے ہیں: یہ کنیز تمہارے بیٹے موسیٰ کیلئے ہے۔ لہٰذا میں نے اپنی کنیز اپنے بیٹے کو بخش دی۔"

آٹھویں امام کی والدہ کے دیگر اسماء، نجمہ، اروی، سکن اور سمان وغیرہ بھی نقل ہوئے ہیں۔ امام رضاؑ نے ولادت پائی تو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے خیزران سے فرمایا:

"یہ تم پر تمہارے پروردگار کا لطف ہے۔"

خیزران کہتی کہ میں نے بچہ کو سفید کپڑے میں لپیٹ کر امام موسیٰ کاظمؑ کو دیا۔ آپؑ نے بچہ کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی اور پھر بچہ مجھے دیدیا۔[2]

---

[1] الا ان خیر الناس نفسا و والد و رھطا و اجدادا علی المعظم
اتتنا بہ للعلم والحلم ثامنا اماما یؤدی حجۃ اللّٰہ تکتم

[2] سفینۃ البحار مادہ علا، منتہی الآمال ص۱۷۲، ص۱۷۳

جناب سبیکہ

امام محمد تقی علیہ السلام کی والدہ

آپ بھی کنیزوں کے زمرے میں تھیں ۔لیکن اسلام کی برکت سے اس مقام پر پہنچیں کہ ملت اسلامیہ میں معصوم امام کے حبالۂ نکاح میں آئیں ۔ خدائے متعال انھیں ایک فرزند عطا کرتا ہے جو کہ اسلام کے نویں رہبر اور رسول خداؐ کے خلیفۂ برحق ہیں ۔کہتے ہیں کہ امام رضا علیہ السلام انھیں خیزران کے نام سے پکارتے تھے۔ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا :

بابی ابن خیرة الاماء النوبیة الطیبة

"میرے والد قربان اس شخص پر جو کہ پاکیزہ نوبی کنیزوں کا فرزند ہے۔"

یہ حدیث اس نوبی کنیز کی عظمت پر بہترین دلیل ہے ۔ کہتے ہیں آپ رسول خداؐ کی زوجہ ماریہ قبطیہ، مادر ابراھیم کے خاندان سے تھیں ۔ امام موسیٰ کاظمؑ نے یزید بن سلیط کو خبر دی کہ خدا امام رضاؑ کو اس کنیز کے بطن سے فرزند عطا کرے گا جو کہ ماریہ قبطیہ کے خاندان سے ہے ۔ منقول ہے کہ سبیکہ اپنے زمانہ کی عورتوں سے افضل تھیں ۔

افسوس کہ اس باعظمت خاتون کے حالات تاریخ میں بہت کم ملتے

ہیں۔ دعائے ناحیہ مقدسہ میں ہے:

اللّٰھم انی اسئلک بالمولودین فی رجب محمد بن علی الثانی وعلی بن محمد المنتجب

اے اللہ! میں تجھ سے ماہ رجب کے دو مولود برگزیدہ محمد بن علی ثانی اور ان کے فرزند علی بن محمد کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں[1]

---

[1] سفینۃ البحار، مادہ حمد و منتہی الامال، مولفہ محدث قمی

جناب سمانہ مغربیہ

امام علی نقیؑ کی والدہ

آپ کی کنیت ام الفضل مغربی ہے۔ ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ آپ سے مستحبی روزہ چھوٹ جائے۔ کہتے ہیں کہ زہد و تقویٰ میں اپنی نظیر آپ تھیں آپ کی عظمت کے بارے میں یہی کافی ہے کہ امام علی نقی نے آپ کے بارے میں فرمایا:

امی عارفۃ بحقی وھی من اھل الجنۃ لا یقربھا شیطان مارد ولا ینالھا کید جبار عنید وھی مکلوئۃ بعین اللہ التی لا تنام ولا تخلف عن امھات الصدیقین والصالحین

میری والدہ میرے حق سے واقف اور اہل بہشت میں سے تھیں۔ سرکش شیطان ان کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا کسی معاند ظالم کا حیلہ آپ پر کارگر نہیں ہو سکتا۔ خدا ان کا حافظ و نگہبان ہے۔ صدیقین وصالحین کی ماؤں سے پیچھے نہیں ہیں۔

امامؑ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیقین وصلحاء کے مائیں نمایاں اور بہترین عورتیں تھیں اور چونکہ سمانہ صدیق کی والدہ ہیں اس لئے ایسی عورتوں سے پیچھے نہیں رہ سکتی ہیں اور طاعت و عبادت میں معصوم امام کی بیوی اور معصوم کی ماں کے مقدس فریضہ کی انجام دہی کے نتیجہ میں ان تمام عورتوں کیلئے نمونہ اور آئیڈیل بن گئیں جو خود نمونہ بیوی اور مثالی ماں بننا چاہتی ہیں۔[1]

[1] سفینتہ البحار، مادہ علیٰ، منتہی الامال: حالات امام علی نقی علیہ السلام

جنابِ جدہ

امام حسن عسکریؑ کی والدہ

آپ کا نام حُدیث یا سلیل ہے اور معروف ترین نام جدہ ہے، صالحہ اور عارفہ عورت تھیں۔ جب آپ امام علی نقیؑ کی خدمت آئیں تو امام نے آپ کے بارے میں فرمایا: سلیل ہر عیب و آفت سے محفوظ رکھی گئی ہے۔ عنقریب خدا تمہیں ایک فرزند عطا کرے گا کہ جو روئے زمین پر اس کی حجت ہے۔ تھوڑے دنوں کے بعد حمل کے آثار نمایاں ہوئے اور امام حسن عسکریؑ نے دنیا کو اپنے نور سے منور کیا۔ امام حسن عسکریؑ نے مدینہ میں ولادت پائی۔ لیکن خلفاءِ جور کی ایذا رسانی کے سبب یہ سرفراز و سعادت مند خاندان عراق ہجرت کر گیا اور سامراء کے محلہ عسکریین میں سکونت گزیں ہوا۔ اس نمونہ ماں سے دو بچے پیدا ہوئے۔ پہلے کا نام حسن اور دوسرے کا نام حسین رکھا گیا تا کہ یہ دونوں بھائی اپنے اجداد، حسنینؑ کی مانند بن جائیں۔

واضح ہے کہ جدہ — سیل — بھی کنیز تھیں۔ کہتے ہیں کہ اپنے اصلی وطن میں وہ شہزادی تھیں۔ تقویٰ اور ورع کے لحاظ سے نمونہ تھیں۔ اپنے شوہر — امام علی نقیؑ — کی نیز اپنے بیٹے امام حسن عسکریؑ کی شہادت کے

بعد شیعوں کی داد رس بنیں۔

احمد بن ابراهیم کہتے ہیں :

۲۶۲ سنہ ھ میں، میں امام محمد تقیؑ علیہ السلام کی بیٹی اور امام حسن عسکریؑ کی پھوپھی جناب حکیمہ کی خدمت میں حاضر ہوا، پردہ کے پیچھے سے ان سے کچھ سوالات کئے اور جواب حاصل کئے۔ انہوں نے ایک ایک امام کا نام گنوایا یہاں تک حضرت حجت تک پہونچیں۔ میں نے عرض کی آپ نے انھیں دیکھا ہے یا ان کے بارے میں خبر دے رہی ہیں ؟ فرمایا : یہ خبر امام حسن عسکریؑ نے اپنی والدہ جدہ کے لئے لکھی۔ میں نے عرض کی عسکری کے بیٹے کہاں ہیں ؟ فرمایا : پوشیدہ ہیں۔ میں نے پوچھا : شیعہ کس کے دامن میں پناہ لیں ؟ فرمایا : امام حسن عسکری کی والدہ "جدہ" سے تمسک کریں. میں نے کہا : میں اس کی کیسے اقتدا کروں کہ جس نے امامت و قیادت کے سلسلہ میں ایک عورت سے وصیت کی ہے ؟ فرمایا : جیسے امام حسینؑ علیہ السلام نے زین العابدین کے بارے میں جناب زینب کبریٰ کو وصیت کی تھی۔

مرتے وقت جدہ نے وصیت کی کہ انھیں ان کے گھر میں ہی دفن کیا جائے۔ امام حسن عسکریؑ کے بھائی جعفر نے یہ دعویٰ کر دیا کہ یہ گھر میرا ہے اس میں جدہ کو دفن نہیں کرنا چاہیئے۔ اس وقت امام زمانہ پردۂ غیب سے باہر آئے، لحظہ بھر کے لئے ظاہر ہوئے اور فرمایا : جعفر! کیا یہ تمہارا گھر ہے ؟! اور پھر آنکھوں سے غائب ہو گئے اور پھر نظر نہیں آئے۔

جدہ اسرار اہل بیتؑ کی امین تھیں ایک مرتبہ امام حسن عسکریؑ نے

ان سے فرمایا" : ۲۶۰ھ میں ایک حادثہ رونما ہوگا ۔ اگر میں اس سے بچ گیا تو ۲۷۰ھ تک زندہ رہوں گا ورنہ یہی سال میری عمر کا آخری سال ہوگا ۔"

یہ سن کر جدہ کو بہت رنج ہوا ۔ امام حسن عسکریؑ نے فرمایا : "آپ غم نہ کریں ۔ امر خدا ہو کے رہے گا" اور ایسا ہی ہوا ۔

ان قرآئن سے معلوم ہوتا ہے کہ جدہ اپنے زمانہ کی تمام عورتوں میں نمونہ اور بے نظیر تھیں ۔ قرآن مجید فرماتا ہے :

من عمل صالحا من ذکر او انثیٰ وھو مومن فلنحیینہ حیاۃ طیبۃ ولنجزینّھم باحسن ما کانوا یعملون

"مرد و عورت میں سے جو بھی ایمان کی حالت میں نیک عمل انجام دے گا ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور جو انہوں نے اعمال انجام دیئے ہیں ان سے بہتر انھیں جزاء دیں گے ۔"

جس عورت نے کنیزی کی حالت میں دسویں امام کی شریک حیات اور گیارہویں امامؑ کی ماں اور بارہویں امام کی دادی بننے کا فخر و شرف حاصل کر لیا ظاہر ہے کہ وہ تمام روحی و معنوی کمالات کے اصول کے لئے بھی آمادہ ہونگی ان کی ساری زندگی سبق آموز ہے ۔ امام حسن عسکری ۲۸ یا ۲۹ سال کی عمر میں دنیا سے اٹھ جاتے ہیں ۔ آپ کے شوہر امام علی نقی ۴۲ سال کی عمر میں شہید کر دیئے جاتے ہیں اور آپ تمام مصائب کو برداشت کرتی ہیں اور عظیم فریضہ کو اپنے ذمہ لیتی ہیں ۔

---

۱ سفینۃ البحار و منتہی الامال

جنابِ نرجس

امام زمانہ عجّل اللہ تعالیٰ فرجہ کی والدہ

بسر بن سلیمان کہتے ہیں : ایک رات کو کافور خادم میرے پاس آیا اور کہا:
آپ کو امام علی نقیؑ نے طلب کیا ہے۔ میں امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا، فرمایا:
"تم انصار کی اولاد میں سے ہو، ہم سے تمہاری دوستی ہمیشہ رہے۔ تم ہمارے معتمد ہو۔ اس وقت میں تمہیں ایک راز بتانا چاہتا ہوں، جو تمہاری سرفرازی کا سبب ہے۔ میں تمہیں ایک کنیز خریدنے کی ذمہ داری سونپتا ہوں۔"

اس وقت آپؑ نے رومی زبان میں ایک خط لکھا اس پر مہر لگائی اور دو سو بیس دینار کے ساتھ مجھے دیا اور فرمایا : یہ لے کر تم بغداد جاؤ، فلاں جگہ پہنچو ! وہاں عباسیوں کے طرفدار بردہ فروشی میں مشغول ہیں۔ تم عمر بن یزید بردہ فروش کے پاس جاؤ۔ اس کے پاس ایک کنیز ہے جو حریر کا لباس پہنے ہوئے ہے۔ وہ خریداروں کے سامنے آنے اور اپنے بدن پر ہاتھ پھرانے سے منع کرتی ہے۔ باعفت ہونے کی وجہ سے بعض افراد اسے تین سو دینار میں خریدنے کے لئے تیار ہیں، لیکن وہ ان کے ساتھ جانے کے لئے تیار نہیں ہے۔
بردہ فروش اس سے کہتا ہے: "کیا کیا جائے میں تمہیں فروخت کرنے پر مجبور

ہوں۔" کنیز کہتی ہے: "تم جلدی نہ کرو، ایسا بھی کوئی آجائے گا جو مجھے بھی پسند ہوگا اور ہر لحاظ سے موردِ اطمینان ہوگا۔"

تم اس کے پاس جاؤ اور کہو:

میں تمہارے نام ایک بزرگ کا خط رومی زبان میں لایا ہوں، خط لکھنے والے نے اپنے اخلاق و خصوصیات کی وضاحت کی ہے۔ خط پڑھو! اگر تمائل رکھتی ہو تو میں ان کا وکیل ہوں، ان کیلئے تمہیں خرید لوں گا۔

بشر کہتے ہیں: میں بغداد گیا اور امام علی نقیؑ کے حکم کے مطابق عمل کیا جیسے ہی میں نے خط کنیز کے ہاتھ میں دیا۔ کنیز نے کہا: میں اس خط لکھنے والے سے راضی ہوں۔ خدا کی قسم اگر وہ مجھے فروخت نہیں کرے گا تو میں خودکشی کر لوں گی۔

کافی گفتگو کے بعد اس نے اسی قیمت پر، جو مجھے امامؑ نے دی تھی، کنیز میرے حوالہ کر دی۔ کنیز خوشی خوشی میرے ساتھ میرے حجرہ میں آئی۔ یہاں اس نے خط اپنی جیب سے نکالا اور اس کو چومنے لگی۔ میں نے کہا: تم اس خط کو چوم رہی ہو جس کے لکھنے والے سے واقف بھی نہیں ہو۔!!

اس نے کہا: سنو! میں انبیاء کی اولاد کو بخوبی پہچانتی ہوں۔

میں شہزادی، لیشوعا ابن قیصر، بادشاہِ روم کی بیٹی ہوں۔ میری والدہ شمعون کے حواری کی اولاد سے ہیں۔ میرے دادا قیصر میرا عقد اپنے بھتیجے سے کرنا چاہتے تھے۔ اس وقت میری عمر ۱۳ سال تھی۔ دینِ مسیح کے تین سو سربرآوردہ، سات سو مذہبی لوگ اور چار سو امراء و ملوک کی موجودگی میں ایک عظیم الشان جشن منایا گیا لیکن جیسے ہی ان کا بھتیجا تخت پر بیٹھا اور

پادری نے رسم نکاح کا آغاز کرنے کے لیۓ انجیل کھولی، وہ زمین پر گرا اور بیہوش ہوگیا، سب پر خوف و ہراس طاری ہوگیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ دولہا کی جگہ اس کے بھائی کو لاؤ۔ تاکہ اس سے شادی کر دی جائے لیکن پھر وہی حادثہ رونما ہوا اس سے میرے دادا بہت پریشان ہوئے۔ اسی شب میں نے حضرت مسیح و شمعون اور حواریوں کی ایک جماعت کو خواب دیکھا۔ وہ میرے دادا کے قصر میں داخل ہوئے وہاں ایک منبر رکھا گیا۔ پھر حضرت محمدؐ ان کے جانشین اور انبیاء کی ایک جماعت محل میں داخل ہوئی۔ پیغمبر اسلامؐ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حضرت عیسیٰؑ سے فرمایا: میں اس لیۓ آیا ہوں تاکہ اپنے اس بیٹے حسن عسکری کیلئے شمعون کی بیٹی کی خواستگاری کروں۔ حضرت عیسیٰؑ نے شمعون سے فرمایا: تمہارے لیۓ باعث عزت و شرف ہے۔ پیغمبر اسلام کی آل سے رشتہ داری کرلو۔ شمعون نے قبول کر لیا اور رسول اسلامؐ نے اپنے بیٹے سے میرا عقد پڑھ دیا۔ حاضرین اس نکاح کے گواہ ہوئے۔ میں نے اپنی جان کے خوف سے یہ خواب اپنے والد اور دادا سے بیان نہ کیا اور بیمار ہوگئی۔ تمام ڈاکٹروں کو میرے علاج کیلئے بلایا گیا لیکن وہ علاج نہ کر سکے۔ میرے دادا ہر جگہ سے مایوس ہو گۓ تھے۔ مجھ سے کہنے لگے تم کیا چاہتی ہو؟ میں نے کہا: تمام مسلمان قیدیوں کو رہا کر دو، ہو سکتا ہے مسیح اور ان کی والدہ مجھے شفا دیں۔ قیدیوں کو رہا کر دیا گیا۔ میں نے کچھ کھانا کھایا اور ایسے ظاہر کیا کہ جیسے کچھ افاقہ ہوا ہے۔ اس سے دادا بہت خوش ہوئے اور قیدیوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آئے۔ اس طرح چودہ راتیں گذر گئیں۔ ایک رات کو فاطمہ زہراؑ، جناب مریمؑ اور ہزاروں بلند پایہ عورتیں مجھے دیکھنے کے لیۓ آئیں۔ جناب مریم نے مجھ سے فرمایا: یہ خاتون جنت کی عورتوں

کی سردار اور تمہارے شوہر کی جدہ ہیں۔ میں ان سے لپٹ کر رونے لگی اور یہ شکوہ کیا کہ میرے سرتاج مجھے دیکھنے کیوں نہیں آتے؟ فرمایا: تم مشرک ہو اور میرا بیٹا مشرک کے دیدار کو نہیں آسکتا۔ بہن مریم تمہارے دین سے بیزار ہیں۔ گواہی دو کہ خدا ایک ہے اور میرے والد اس کے رسولؐ ہیں۔ میں نے گواہی دی اور فاطمہؑ نے مجھے گلے لگالیا اور فرمایا: اب تم یہ امید کرسکتی ہو کہ میرا بیٹا تمہیں دیکھنے آئیگا دوسری رات کو گیارہویں امام مجھے دیکھنے آئے اور میں نے ان سے گلہ کیا۔ انہوں نے فرمایا: میرے آنے میں تمہارا شرک مانع تھا۔ اب میں ہر شب اس وقت تمہارے دیدار کے لئے آیا کروں گا جب تک دونوں یکجا ہو جائیں گے۔

بشر نے کہا: آپ کیسے اسیر ہوئیں؟

کہا: ایک رات میرے شوہر نے کہا: تمہارا دادا عنقریب مسلمانوں سے جنگ کیلئے لشکر بھیجنے والا ہے، تم خدمت گزاروں کے بھیس میں اس کے ساتھ سفر کرو۔ میں نے ان بزرگوں کے حکم پر عمل کیا اور یہاں پہونچ گئی۔ تمہارے علاوہ کوئی نہیں جانتا کہ میں بادشاہِ روم کی بیٹی ہوں۔ جس بوڑھے نے مجھے فروخت کیا ہے۔ اس نے میرا نام پوچھا تو میں نے کہا: میرا نام نرجس ہے۔

میں نے کہا: تعجب ہے تم رومی ہو لیکن اچھی عربی جانتی ہو۔ جواب دیا: میرے دادا نے ایک عرب عورت کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ مجھے عربی سکھائے"۔ جب میں نرجس کو لیکر امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا تو آپؑ نے فرمایا:

خدا نے تمہیں عزت اسلام سے کیسے روشناس اور مسیحیت کی ذلت سے نجات عطا کی؟ اس نے کہا: جس چیز کو آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں اسے میں کیسے آپ سے بیان کردوں؟! فرمایا: میں تمہیں سرفراز کرنا چاہتا ہوں۔ تمہارے

لئے دس ہزار دینار بہتر ہیں یا سعادت ابدی ؟! عرض کی : سعادت ابدی فرمایا :
تمہیں میں ایک ایسے بیٹے کی بشارت دیتا ہوں کہ جو مشرق سے مغرب تک حکومت کرے گا اور زمین کو اسی طرح عدل و انصاف سے پُر کرے گا جیسا کہ وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ پوچھا : یہ بیٹا کس سے ہوگا ؟ فرمایا : اسی سے جس سے رسول اکرمؐ نے تمہارا عقد کیا ہے ، اسے پہچانتی ہو؟ عرض کی : جس رات سے میں فاطمۂ زہراؑ کے ہاتھ پر اسلام لائی ہوں ہر شب انھیں خواب میں دیکھتی ہوں۔

پھر کافور سے فرمایا : بہن حکیمہ کو بلاؤ ، حکیمہ آئیں تو فرمایا : یہ ہیں ! حکیمہ انھیں گلے لگایا۔ امام علی نقیؑ نے بہن سے فرمایا : انھیں گھر لے جاؤ اسلام کے احکام کی انھیں تعلیم دو یہ میرے بیٹے ابو محمدؑ کی زوجہ اور حضرت قائمؑ کی والدہ ہیں۔

مختصر یہ کہ جناب نرجس اپنے شوہر کے پاس آگئیں اور حاملہ ہوگئیں۔ ایک روز امام حسن عسکریؑ نے اپنی پھوپھی کو بلایا اور فرمایا : آج کی رات ہمارے گھر افطار کیجئے کیونکہ یہ نیمۂ شعبان کی شب ہے اور اس شب میں خدا اپنی حجّت کو ظاہر کرے گا۔ حکیمہ نے دریافت کیا : ان کی والدہ کون ہیں ؟ فرمایا : "نرجس"۔ حکیمہ نے عرض کی :
"مجھے تو ان کے اندر حمل کے آثار نظر نہیں آتے !" فرمایا : جو میں کہہ رہا ہوں وہی حقیقت ہے۔ حکیمہ نرجس کے پاس آئیں اور آفتاب امامت کے طلوع ہونے کا انتظار کرنے لگیں۔

امام مہدیؑ حضرت موسیٰ کی مانند دنیا میں آئے۔ جس طرح فرعونیوں کو مادر موسیٰ کے حاملہ ہونے کا علم نہ ہو سکا، عباسیوں کو بھی جناب نرجس کے حاملہ ہونے کی خبر نہ ہو سکی۔ حکیمہ معمول کے مطابق اٹھیں اور نماز شب میں مشغول ہوگئیں۔ ابھی تک وضع حمل کے آثار نمایاں نہیں ہوئے تھے۔ آپ کو تردد ہونے

لگا۔ لیکن صبح کی پو پھٹتے ہی جناب نرجس بیدار ہوئیں اور وضعِ حمل کے آثار نمایاں ہو گئے اور وہ بچہ دنیا میں آگیا کہ جس کے انتظار میں صدیوں سے دنیا کے حق پسند اور عدل خواہ ہیں۔ حکیمہ نے بچہ باپ کی آغوش میں لٹا دیا۔ بچہ نے والد سے بات کی، خدا کی وحدانیت، محمدؐ کی رسالت اور ان کے برحق اوصیاء کی امامت کی گواہی دی۔

ایک ہفتہ بعد حکیمہ اپنے بھتیجے سے ملاقات کے لئے گئیں، امام حسن عسکریؑ کے حکم سے بچہ جناب حکیمہ کی آغوش میں لٹا دیا گیا۔ بچہ نے زبان پر شہادتین جاری کرنے کے بعد فرمایا:

ونرید ان نمنّ علیٰ الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمة ونجعلھم الوارثین[۱]۔

ہمارا ارادہ ہے کہ جو لوگ روئے زمین پر کمزور بنا دیئے گئے ہیں ان پر احسان کریں اور انھیں امام اور لوگوں کا وارث بنائیں۔[۲]

۱۔ سورۂ قصص / ۵

۲۔ ملاحظہ فرمائیں سفینۃ البحار مادہ "نرجس" منتہی الامال، حالاتِ امام زمانہ عج

جنابِ حکیمہ

امام محمّد تقی علیہ السّلام کی دختر

یہ وہی مسمات ہیں جو کہ امام زمانہ عجّ کی والدہ حضرت نرجس کی تربیت کی ذمہ داری لیتی ہیں اور انھیں دینی معارف و احکام کی تعلیم دیتی ہیں۔ نیمۂ شعبان کی رات میں آپ امام حسن عسکریؑ کے گھر تھیں۔ درحقیقت سب سے پہلے آپ نے اس باعظمت بچہ کا دیدار کیا جو کہ مسندِ امامت و ولایت پر متمکن ہونے والا ہے۔ آپ نے چودہویں شعبان کا روزہ رکھا تھا۔ اس شب میں حسبِ معمول نمازِ شب میں مشغول تھیں کہ آپ کو یہ سعادت نصیب ہوئی۔

آپ ان نمونہ عورتوں میں سے ہیں جو کہ اہلِ بیتؑ کی رازدار ہیں اور امام حسن عسکری کی شہادت کے بعد آپ بارہویں امامؑ اور لوگوں کے درمیان واسطہ قرار پائیں کہتے ہیں کہ سامراء میں امام علی نقیؑ اور امام حسن عسکریؑ کی قبر کے پاس آپ کی قبر ہے۔ مناسب ہے کہ اس بی بی کی قبر ـــ جو کہ موجود ہے ـــ کی زیارت کی جائے اور جو یادہو ان کی زیارت پڑھے۔ اگرچہ زیارت ناموں میں اس بی بی کی زیارت بیان نہیں ہوئی ہے۔ بہتر نہیں ہے ایسی عظیم اور علم و تقویٰ والی خاتون گمنام رہے، جو کہ امام کی بیٹی، امام کی بہن اور امام کی پھوپھی ہیں۔

آپ شیعوں کے ایسے بہت سے سوالات کو حل کرتی تھیں جو امام زمانہ سے متعلق ہوتے تھے۔ آپ کی عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ جب نرجس امام حسن عسکری کی زوجیت میں آجاتی ہیں تو آپ امام کے گھر جاتی ہیں اور نرجس کو دیکھتی ہیں۔ نرجس کہتی ہیں کہ جوتی اتار دیئے تاکہ میں تعلیم و تربیت کا حق ادا کر دوں[1]۔

---

[1] سفینۃ البحار، مادۂ حکم، منتہی الامال، حالات حضرت حجّت

جناب فاطمہ

دخترِ امام رضا علیہ السّلام

اس بی بی کی عظمت یہ ہے کہ خاندانِ امامت و ولایت سے تعلق رکھتی ہیں۔ آپ سے روایات نقل ہوئی ہیں۔ اس سے یہ ثابت سمجھ میں آتی ہے کہ آپ معارف اسلام کو بہت زیادہ اہمیت دیتی تھیں۔ آپ کی شادی جعفر بن ابی طالب کی اولاد میں سے محمد بن جعفر کے ساتھ ہوئی تھی۔ بعض لوگوں نے آپ کی کچھ کرامات بھی بیان کی ہیں۔

جو روایات آپ نے اپنے والد سے نقل کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے:

لا یحل لمسلم ان یروع مسلماً

مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ مسلمان کو ڈرائے۔

انھیں سے نقل کیا ہے:

من کف غضبہ کف اللہ عن عذابہ ومن حسن خلقہ بلغہ اللہ درجۃ الصائم القائم

جو شخص اپنا غصہ پی جاتا ہے، خدا اسے عذاب سے محفوظ رکھتا ہے اور راتوں کو عبادت کرنے والوں کے درجہ پر پہنچاتا ہے۔

کتابِ مسلسلات میں فضائل شیعہ سے متعلق ایک روایت نقل ہوئی ہے جسے اس بی بی نے فاطمہ، زینب، ام کلثوم موسیٰ بن جعفر کی بیٹیوں سے نقل کیا ہے اور انہوں نے فاطمہ بنت امام صادق علیہ السلام سے انہوں نے فاطمہ بنتِ امام محمد باقرؑ سے اور انہوں نے فاطمہ بنتِ امام زین العابدین سے اور انہوں نے فاطمہ و سکینہ بنت الحسین سے اور انہوں نے ام کلثوم بنتِ علیؑ سے اور انہوں نے اپنی والدہ حضرت فاطمہ زہراءؑ سے نقل کیا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا:

لما اسریٰ بی الیٰ السماء دخلت الجنۃ فاذا انا بقصر من درۃ بیضا مجوفۃ وعلیھا باب لکل بالدر والیاقوت وعلی الباب ستر فرفعت راسی فاذا مکتوب علی الباب لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ علی ولی القوم واذا مکتوب علی الستر بخ بخ من مثل شیعۃ علی . . .

شبِ معراج میں بہشت میں داخل ہوا۔ میں نے سفید در کا قصر دیکھا جو خالی تھا اور اس کا دروازہ دُر و یاقوت کا تھا۔ دروازہ پر پردہ تھا جس پر لکھا تھا کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، محمد اللہ کے رسولؐ ہیں، علی قوم کے ولی و سردار ہیں اور پردہ پر لکھا تھا کہ شیعیان علی کو مبارک ہو۔[۱]

---

[۱] سفینۃ البحار، مادہ شیع و غضب، منتہی الآمال، حالات امام رضاؑ

جنابِ ام سلمہ

زوجۂ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم

یہ عظیم عورت ابی امیہ بن مغیرہ کی بیٹی ہے ۔ ان کے والد سخی اور کارِ خیر میں حصہ لینے والے تھے ۔ ان کی والدہ عاتکہ ہیں کہ جن کے والد اور اجداد دنیائے عرب کے پرچم داروں میں مشہور ہوتے تھے ۔ ام سلمہ کی پہلی شادی ان کے چچا زاد اور رسولؐ کے رضاعی بھائی سے ہوئی ۔ ابو سلمہ جنگِ احد میں شہید ہو گئے ۔ آخری لمحات میں اپنی شریکِ حیات کیلئے دعائے خیر کی اور کہا :

اے اللہ ! میرے بعد ام سلمہ کو مجھ سے بہتر شوہر عطا کرنا کہ جو انھیں آزار نہ پہنچائے ۔" چنانچہ اس شہید کے بعد ام سلمہ نے کہا : ابو سلمہ کے بعد میرے لئے کونسا مرد بہتر ہے ؟

آخر کار رسول اکرمؐ نے ان سے عقد کیا ۔ رسول اکرمؐ نے ، زینب بنتِ خزیمہ کے بعد ام سلمہ سے عقد کیا ، رسولؐ کے پیغام سے پہلے ابو بکر و عمر نے بھی خواستگاری کی تھی لیکن ام سلمہ نے دونوں کے پیغام کو رد کر دیا تھا ۔

رسول اکرمؐ کی طرف سے خواستگاری کے لئے حاطب بن ابی بلتعہ ام سلمہ کے پاس گئے ، حاطب کے ذریعہ ام سلمہ نے رسولؐ کے لئے یہ پیغام بھیجا : "میں بوڑھی ، تند خو اور چند یتیم بچوں کی ماں ہوں" ۔ رسول اکرمؐ نے ان کے جواب میں

یہ پیغام بھیجا :

"جو تم نے کہا ہے کہ میں ایک سن رسیدہ عورت ہوں تو میں تم سے زیادہ سن رسیدہ ہوں۔ تم نے کہا ہے کہ تند خو ہو، خدا سے دعا ہے کہ اس صفت کو تم سے دور کرے۔

ام سلمہ اپنا مختصر اثاثہ — جس کی قیمت دس درہم اور بقولے چالیس درہم تھی — کو لے کر رسول اسلام کے ہاں چلی گئیں۔

وہ صاحب فکر اور دور اندیش عورت تھی۔ صلح حدیبیہ میں — کہ رسول اکرمؐ نے ذوالحلیفہ سے عمرۂ مفردہ کے لئے احرام باندھا تھا۔ ام سلمہ، ام عمارہ، ام منیع، ام عامر اور مہاجرین و انصار میں سے بھی بعض عورتیں آپؐ کے ساتھ تھیں۔ اس سفر میں آپؐ کے ساتھیوں کی تعداد پندرہ سو افراد لکھی ہے جو کہ مسلح تھے، قربانی کے لئے ستّر اونٹ ہمراہ تھے۔ قریش نے سہیل بن عمر کو دو آدمیوں کے ساتھ رسولؐ کی خدمت میں بھیجا اور یہ تقاضا کیا کہ آپؐ مکہ میں داخل نہ ہوں، یہیں سے واپس چلے جائیں تاکہ عرب والے یہ نہ کہیں کہ وہ طاقت کے بل پر مکہ میں داخل ہوئے ہیں۔ اس پروگرام کو آئندہ سال پر موقوف کر دیجئے۔ رسولؐ نے صلح کے احترام اور خونریزی سے بچنے کے لئے ان کی اس پیشکش کو قبول کر لیا۔ کیونکہ اسی میں مسلمانوں کی بھلائی تھی۔ اس صلح کے ذریعہ مسلمانوں کے لئے حرم خدا میں جنگ و خونریزی کے بغیر داخل ہونے کے امکانات فراہم ہوئے۔ صلح حدیبیہ سے بعض مسلمان بہت ناراض ہوئے اور جب رسول نے انھیں سر منڈانے اور قربانی کرنے کا حکم دیا تو ان مسلمانوں نے تعمیل نہ کی۔ آپؐ نے تین بار یہ حکم دیا لیکن کوئی بھی اپنی جگہ سے نہ اٹھا۔ رسولؐ شدید غصہ کی حالت

میں ام سلمہ کے پاس گئے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ غصہ کیوں ہے؟

پہلے تو آپؐ نے کوئی جواب نہ دیا، چند ثانیوں کے بعد قضیہ بیان کیا اور فرمایا: مسلمان ہو گئے۔ میں نے انھیں سر منڈانے اور قربانی کرنے کا حکم دیا؛ لیکن انہوں نے تعمیل نہیں کی! ام سلمہ نے عرض کی: آپ زیادہ اصرار نہ کیجئے۔ جن لوگوں کو فتح و کامیابی کی امید تھی وہ اس صلح کو آسانی سے قبول نہیں کریں گے۔ آپ کسی سے کچھ کہے بغیر قربانی کیجئے اور سر منڈائیے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے مشورہ سے باہر تشریف لے گئے اور اپنے اونٹ کی قربانی کی، سر منڈایا۔ جب مسلمانوں نے یہ دیکھا تو انہوں نے بھی قربانی کی اور سر منڈایا۔ یہ مشورہ ام سلمہ کی تدبیر اور زیرکی کا واضح ثبوت ہے۔

دوسرا نمونہ:

جب عائشہ عثمان کا قصاص لینے کے لئے بصرہ جانا چاہتی تھی اس وقت وہ ام سلمہ کے پاس آئی تاکہ آپ سے مشورہ کرے اور ممکن ہو تو آپ کو ساتھ لے جائے۔ عائشہ ام سلمہ کو خوب پہچانتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ام سلمہ کی شخصیت ہے، علیؑ کی طرفدار ہے۔ خدا کے نزدیک ان کی عظمت و کرامت ہے وہ کسی دھوکہ اور سیاست میں نہیں آئیں گی۔ ان تمام چیزوں سے چشم پوشی کر کے عائشہ ان سے مشورہ کیلئے گئی۔ عائشہ نے گفتگو کا سلسلہ شروع کرتے ہوئے کہا:

ابو امیہ کی بیٹی! تم رسول خدا کی بیوی ہو، اولین مہاجر اور سب سے بڑی ہو۔ آپ کے گھر میں تقسیم کر کے رسول ہمارا حصہ پہنچاتے تھے اور جبرئیل

زیادہ تر آپ کے گھر میں نازل ہوتے تھے۔

ام سلمہ نے کہا: تمہارا مقصد کیا ہے؟ عائشہ نے کہا:

"عبداللہ نے مجھے خبر دی ہے کہ لوگوں نے عثمان کو توبہ کرنے پر ابھارا۔ پھر جب انہوں نے توبہ کر لی تو انہیں روزہ کی حالت میں قتل کر دیا۔ میں طلحہ و زبیر کے ساتھ بصرہ جانا چاہتی ہوں۔ ہمارے ساتھ آپ بھی چلئے۔ ہو سکتا ہے خدا ہمارے ذریعہ اس مشکل کو حل کر دے۔"

عائشہ وام سلمہ، زمانۂ رسولؐ سے ہی جانتی تھیں کہ رسولؐ کے نزدیک علیؑ کی کیا منزلت ہے۔ دونوں کے پاس بہت سی یادداشتیں تھیں۔ انہوں نے بارہا دیکھا تھا کہ علی رسولؐ کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں اور اصحاب سے الگ ایک دوسرے سے گفتگو کر رہے ہیں۔ رسولؐ سب سے زیادہ علی کو دوست رکھتے تھے لوگوں کے درمیان ان کے فضائل بیان کرتے رہتے تھے۔

ام سلمہ نے یہ تمام چیزیں عائشہ کو یاد دلائیں اور پھر علیؑ کی دلاوری اور جہاد کو بیان کرنا شروع کیا: جس نے اپنی ذوالفقار سے مشرکین کے سر قلم کر کے ان کی لاشوں کو خون میں غلطاں کیا۔ جسے موت کا بالکل خوف نہ تھا اس کے بعد عائشہ کو علیؑ کی علمی عظمت کی طرف متوجہ کیا اور یہ باور کرایا کہ علیؑ علم کا ناپیدا کنار دریا ہیں، رسول اکرمؐ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے:

"میں شہر علم ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔"

عائشہ سے یہ بھی بتایا کہ عمر ہر مشکل میں علیؑ سے مدد حاصل کرتے اور کہتے تھے:

اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے۔ خدا نہ کرے کہ کوئی مشکل پیش آئے اور اسے حل کرنے کیلئے ابوالحسن نہ ہوں"۔ عائشہ کو یاد دلایا

کہ علیؑ کے بارے میں رسولؐ نے فرمایا:

"علیؑ بہترین قضاوت کرنے والے ہیں۔"

بے شک علیؑ عدل و تقویٰ اور زہد و ورع کے مظہر ہیں ان صفات میں کوئی ان کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ وہ احقاقِ حق، باطل کی سرنگونی، لوگوں کو بھلائی کی طرف راغب کرنے اور انھیں شہوات سے روکنے میں ہمیشہ کوشاں رہے ہیں۔ انھوں نے رسول اکرمؐ کے دامن میں پرورش پائی ہے۔ آنحضرتؐ کے گھر میں بڑے ہوئے ہیں، وہ واقعی انسان ہیں۔

اس کے بعد عائشہ کو ان کا وہ رویہ اور حسد یاد دلایا جو وہ زمانۂ رسولؐ میں علیؑ و فاطمہؑ اور ان کے بیٹوں سے رکھتی تھی۔ واضح ہے کہ عائشہ ام سلمہ کو بہلا پھسلا کر علیؑ کی تائید اور ان کی ہمدردی سے روکنا اور انھیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتی تھی۔ لیکن ام سلمہ قاطع اور روشن دلیلوں سے عائشہ کو ان کے اشتباہ اور غلطی سے آگاہ کرنا چاہتی تھیں اور انھیں اس خطرناک ارادہ سے باز رکھنا چاہتی تھیں جو وہ کر چکی تھی۔ آخر کار ام سلمہ نے کہا:

میں ام سلمہ ہوں۔ کل تم عثمان کے خلاف لوگوں کو بھڑکاتی تھی اور عثمان کو برا بھلا کہتی اور انھیں "نعثل" کے لقب سے یاد کرتی تھی۔ رسولؐ کی نظروں میں جو علیؑ کی قدر و منزلت تھی اس سے تم اچھی طرح واقف ہو۔ اگر اجازت دو تو اس سلسلہ میں تم سے ایک بات کہوں؟ عائشہ نے کہا: کہئے! ام سلمہ نے کہا:

"تمھیں وہ دن یاد ہے کہ جب ہم سب رسولؐ کے ہمراہ تھے اور ایک منزل پر اترے تو آنحضرتؐ تنہائی میں علیؑ سے گفتگو کرنے لگے؟ تم ان پر اعتراض کرنا چاہتی تھی اور میں تمھیں منع کر رہی تھی اور تم نے میری بات پر کان نہ دھر کر اعتراض

کر دیا اور جب تم واپس آئیں تو تمہاری آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ میں نے پوچھا کیا ہوا؟ تم نے کہا:

میں نے علی علیہ السلام سے کہا: ابوطالب کے بیٹے! نو روز میں ایک دن میرا ہے، تم میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑتے؟ رسول اکرمؐ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور فرمایا: دور ہو! جو بھی علیؑ سے دشمنی کرتا ہے وہ ایمان سے خارج ہے! میں شرمندہ ہو کر واپس لوٹ آئی۔

عائشہ نے کہا: ہاں مجھے یاد ہے۔

ام سلمہ نے کہا: پھر میں تمہیں ایک اور بات یاد دلاتی ہوں، ایک روز میں اور تم رسولؐ کے ہمراہ تھی۔ تم سر دھو رہی تھی اور میں کھانا پکا رہی تھی، آنحضرتؐ نے فرمایا: کاش مجھے معلوم ہوتا کہ تم میں سے کون اونٹ پر سوار ہو گی اور کس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے! میں نے سر بلند کیا اور کہا: میں اس کام سے خدا اور اس کے رسولؐ کی پناہ چاہتی ہوں! اس وقت رسولؐ نے تمہاری پشت پر ہاتھ مار کر فرمایا: حمیراء کہیں تم نہ ہو! اس کے بعد مجھ سے فرمایا: امیہ کی بیٹی! کہیں تم نہ ہو! میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔

عائشہ نے کہا: مجھے یاد ہے۔

ام سلمہ نے کہا: مجھے ایک واقعہ اور یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں اور تم رسولؐ کے ہمراہ سفر میں تھے. علیؑ آنحضرتؐ کی نعلین سلنے اور لباس دھونے میں مشغول تھے، تم نے رسول اکرمؐ سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسولؐ! آپ کے بعد لوگوں کا رہبر و خلیفہ کون ہو گا؟ فرمایا: جو نعلین سل رہا ہے۔ تم نے باہر نکل کر دیکھا تو علیؑ کے علاوہ کسی کو نہ پایا تم نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ ہم نے علیؑ کے

سوا کسی کو نہیں دیکھا۔ فرمایا: "وہی میرے جانشین ہیں۔"

عائشہ نے کہا: "ہاں مجھے یاد ہے۔"

ام سلمہ نے اپنے سادہ و سلیس بیان اور دلیلوں سے عائشہ کو لاجواب کرکے ان کی نیرنگی کو آشکار کرکے کہا: اب کہاں جارہی ہو؟

واضح ہے کہ عائشہ کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے اور ام سلمہ کے مقابلہ میں بازی ہار گئی ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ان لوگوں کی مانند جو استدلال سے عاجز رہتے ہیں اور رکیک و بے بنیاد باتیں بناتے ہیں، کہتی ہیں: "لوگوں کی اصلاح کے لئے جاتی ہوں امید ہے خدا مجھے جزا دے گا۔"

ام سلمہ نے کہا: تم جانو!

ام سلمہ نے عائشہ کو اس راہ سے باز رکھنے کے سلسلہ میں اپنی پوری کوشش کی، یہاں تک کہ آپ نے عائشہ کو اس کام کے برے نتائج سے ڈرانے کے بارے میں یہ خط لکھا:

تم پیغمبر خدا اور ان کی امت کے درمیان سپر کی مانند ہو اور پیشوائے اسلام کے پردہ حرمت میں زندگی گزار رہی ہو۔ ایسا نہ ہو کہ قرآن کے حکم کی نافرمانی کرو اور خدا اور رسول کے عہد کو پامال کرو۔ یقین رکھو کہ ہم عورتوں سے دین کی اصلاح نہیں ہوتی ہے۔ بہتر ہے کہ تم اس حادثہ آفرینی سے باز رہو اور اپنے گھر میں بیٹھی رہو۔

عائشہ نے جواب لکھا:

میں اچھی طرح آپ کی نصیحتوں سے باخبر ہوں۔ آپ کے سوچنے کا طریقہ صحیح نہیں ہے۔ اگر میں خروج کررہی ہوں اور وطن چھوڑ رہی ہوں تو صرف